Capture and PDF by: Qamar Abbas

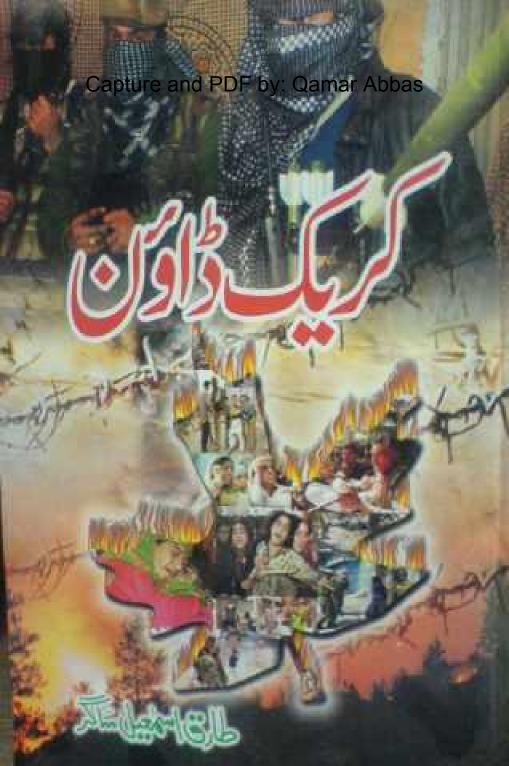

Capture ... Qamar Abbas

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

انتساب

1994ء کے ابتدائی ایام کا ذکر ہے ایک نوجوان میرے آفس میں آیا اور اپنا تعارف مظفر نعیم کے نام سے کرواتے ہوئے میری کتابوں اور پھر کشمیر کے حوالے سے باتیں کرنے لگا۔ تب میں نے مظفر نعیم کو بھی ''اپنے ناولوں سے متاثر ہونے والے جذباتی نوجوانوں'' میں سے ایک جانا اور اسے سمجھایا کہ فی الوقت وہ اپنی توجہ تعلیم مکمل کرنے پر دے لیکن جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ یہ ''مختلف قسم کا نوجوان ہے'' اور کچھ کر گزرنے کا عزم رکھتا ہے بعد کی دو تین ملاقاتوں کے بعد میں اس کی رفاقت کے لیے تشنگی سی محسوس کرنے لگا۔

شاہراہ شہادت پر اپنے سفر کے آغاز سے چند روز پہلے مظفر نعیم مجھے ملا تو میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی تمام تر باطنی خباثتوں کے باوجود وہ پراسرار چمک دیکھ لی تھی جو اللہ کے پراسرار بندوں کی آنکھوں ہی میں لہرایا کرتی ہے۔

اور...... پھر وہ روز سعید آ ہی گیا جب مجھے مظفر نعیم کی شہادت کی خبر مل گئی اور میں شہید کے والد صبر و رضا کے پیکر جناب صفدر چوہدری کو مبارکباد دینے پہنچ گیا۔ میری یہ حقیری کاوش مظفر نعیم شہید سے منسوب ہے۔ اللہ تعالیٰ شہید کے درجات بلند فرمائیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پا طینت را

طارق اسماعیل ساگر

پہلا باب

برفیلی ہوا ان کی ہڈیوں میں سرایت کررہی تھی..........!

گرم جرابوں کے اوپر چڑھائے ہوئے لانگ بوٹ پہن کر اپنے ''بیس کیمپ'' سے روانگی کے وقت تک جہانگیر کو اپنے پاؤں جلتے محسوس ہوئے تھے۔

لیکن.......

اب اسے احساس ہونے لگا تھا کہ اگر اس طرح چند میل اور برف کے جہنم میں انہیں رینگنا پڑا تو اس کی تمام انگلیاں ایک ایک کر کے اس کے جسم سے الگ ہو جائینگی۔ اپنی جیکٹ پر پہنے لمبے چوغا نما ''فیرن'' سے اس نے چند سیکنڈ کیلئے ہاتھ باہر نکال کر کندھے سے لٹکتی گن کی پوزیشن بدلی تھی اور اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے ہاتھ منجمد ہو گئے ہوں۔

گزشتہ تین گھنٹے سے وہ اپنے گائیڈ کی پیروی میں برفیلی اور نوکدار چٹانوں پر حشرات الارض کی سی رفتار سے چل رہے تھے۔ جہانگیر پہلی مرتبہ سرحد عبور کر رہا تھا' لیکن ان کے گائیڈ کا سرحد کے آر پار آنا جانا لگا رہتا تھا۔

ان کے بیس کمانڈر نے روانگی سے چند منٹ پہلے جہانگیر کو ان ''کوڈورڈز'' سے آگاہ کیا تھا جو اس نے ''ملاپ'' کیلئے استعمال کرنے تھے۔ اس نے جہانگیر سے کہا تھا۔

''تمہارے باقی چھ ساتھیوں کی زندگیوں کا دارومدار تمہارے زندہ رہ جانے پر ہے۔ اگر دشمن سے راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے تو کوشش کرنا کہ تم شہید ہونے والے اس دستے کے آخری مجاہد ہو......تم جانتے ہو کہ یہ سپلائی اندر پہنچنا کتنا ضروری ہے۔ اس مرحلے پر جبکہ ہم دشمن کو مسلسل دیوار کی طرف دھکیل رہے ہیں' اسے فارغ رہنے کی مہلت نہیں دی جا سکتی۔ ہمیں دشمن کو بہر صورت مصروف رکھنا ہے۔ اگر اسے فراغت مل گئی تو زخم خوردہ بھیڑیئے کی طرح وہ ہمارے بے بس عوام کی رگوں سے خون کے آخری قطرے بھی نچوڑ لے گا...... ان حالات میں مجاہدین کی صفوں میں تمہاری موجودگی سے ان کا حوصلہ بہت بڑھ جائے گا اور دشمن کا یہ تاثر اور پراپیگنڈہ بھی دم توڑ دے گا کہ اس نے پیش بندی کر کے مجاہدین کی ''لائف لائن'' کاٹ دی ہے...... جہانگیر! اس لائف لائن کو کبھی نہ کٹنے دینا۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو......''۔

''میں آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا جناب......'' جہانگیر نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔

اور..........

بیس کمانڈر نے مطمئن ہو کر گردن ہلا دی۔

یوں لگتا تھا جیسے اسے جہانگیر کی یقین دہانی پر اعتماد رہا ہو۔

☆☆☆

اپنے سفر کا آغاز انہوں نے سر شام کیا تھا......

اس مرتبہ مجاہدین کی حکمت عملی بڑی کامیاب رہی تھی۔ انہوں نے جہانگیر اور اس کے ساتھیوں کی روانگی سے پہلے ہی ایک ''ریکی پارٹی''

اندر بھیج دی تھی جس نے طے شدہ منصوبے کے مطابق دشمن کے علاقے میں گھس کر اس کو للکارا۔

پہلے تو دشمن نے اس حرکت کو مجاہدین کی بوکھلاہٹ سمجھا لیکن جیسے ہی ان کے عقب سے ایک مجاہد نے گرنیڈ پھینکنے شروع کئے اور پہلا مورچہ تباہ ہوا تو وہ لرز کر رہ گئے۔

خوف زدہ بھارتیوں پر جلد ہی غصہ غالب آنے لگا......

مجاہدین کی یہ ''جرأت رندانہ'' ان کے نزدیک ناقابل معافی جرم تھا......

''بھون کر رکھ دو انہیں......خبردار اگر ایک کو بھی زندہ بچ کر جانے دیا۔ اگلے مورچوں پر نصب وائرلیس سیٹ پر کمپنی کمانڈر کی غصیلی آواز سنائی دی۔ جس کے ساتھ ہی غصے اور نفرت سے بھرے بھارتی فوجیوں نے اس سمت فائرنگ شروع کر دی جدھر سے ان پر حملہ ہوا تھا۔

دس منٹ تک وہ دیوانہ وار گولیاں برساتے رہے......گولیوں پر ان کی گالیوں کی آوازیں غالب تھیں اور ان کے دل و دماغ میں موجود ساری نفرت ان کی انگلیوں میں مجتمع ہو گئی تھی......

لیکن......

حیرت انگیز طور پر جب دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ کچھ پریشان بھی ہو گئے......

''سر! دوسری طرف خاموشی ہے۔ شاید حملہ آور مارے گئے ہیں......''۔

اگلے مورچوں سے کمپنی کمانڈر کو پیغام ملا۔

''شٹ اپ......اڈیٹ......اپنے مورچے میں بیٹھ کر تم کس طرح یہ رپورٹ دے رہے ہو......''۔

کمپنی کمانڈر کرنل مہرہ نے اگلے مورچوں میں موجود کیپٹن سنگھ کو ڈانٹ پلا دی۔

''سر! وہ بالکل خاموش ہیں'' کیپٹن سنگھ نے کھسیانی سی آواز میں کہا۔

''بے وقوف! وہ پہلے سے محفوظ کور لے چکے ہیں۔ فوراً ''ریکی'' کرواور مجھے صحیح صورتحال کی رپورٹ دو۔ مجھے صبح تک ان لوگوں کی لاشیں چاہئیں۔ اتنی دیدہ دلیری کہ یہ لوگ اب ہمارے علاقے میں گھس کر ہمارے جوانوں کا شکار کھیلنے لگے ہیں۔ کیپٹن سنگھ انہیں ایسا سبق سکھاؤ کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے''۔ کرنل مہرہ غصے سے بے قابو ہو رہا تھا۔

''آل رائٹ سر......!'' کیپٹن سنگھ نے بظاہر تو کرنل مہرہ کے حکم کی اطاعت کر لی تھی۔

لیکن......

یہ خوف اس کے سارے بدن میں سرایت کر چکا تھا کہ اگر حملہ آور ابھی تک محفوظ ہیں تو وہ برف سے ڈھکے اس جنگل میں اپنی آنکھوں سے ''نائٹ ویژن گلاس'' (اندھیرے میں دیکھنے والی عینکیں) لگائے صرف اس موقع کے منتظر ہوں گے کہ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر کب محفوظ مورچوں سے بھارتی فوجی باہر نکلیں اور وہ چن چن کر ان کا شکار کھیلیں......اندھیرا اتنا زیادہ نہیں تھا، لیکن چند گز دوری سے بھی کہرے میں کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

کیپٹن سنگھ کا تعلق ایس ایس جی (کمانڈوز) سے تھا۔

وہ کوئی بزدل آفیسر نہیں تھا۔

لیکن......

محض کرنل مہرہ کی خوشنودی کیلئے وہ اپنے دس بارہ سپاہیوں کی بلی دینے کو بہادری خیال نہیں کرتا تھا......پہلے ہی سے اس کا ایک مورچہ تباہ ہو چکا تھا۔ اس کے دو جوان مارے جا چکے تھے اور دو شدید زخمی تھے۔

کیپٹن سنگھ کو کمان سنبھالے بمشکل دس بارہ گھنٹے ہی ہوئے تھے۔ اس کی یونٹ کو سیاچن سے یہاں لا کر ''ڈیپلائے'' کیا گیا تھا اور ہائی کمان یہ سمجھ رہی تھی کہ شدید برفیلی ہواؤں اور منفی چالیس ڈگری درجہ حرارت میں اپنے فرائض انجام دینے والی یہ یونٹ یہاں آ کر خود کو بہت آرام دہ ماحول میں محسوس کرے گی...... اس بات میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ ان لوگوں کو اس ایریا میں آئے آج آٹھ دس روز ہونے کو تھے اور سیاچن کے مقابلے میں یہاں کی سردی کو وہ ''بھگوان کی کرپا'' خیال کرتے تھے...... آج صبح ہی کیپٹن سنگھ کی کمپنی نے ''ایف ڈی ایل'' (فرنٹ ڈیفنس لائن) کے مورچے سنبھالے تھے......

اور......

شام ڈھلتے ہی وہ ''رم'' کی بوتلوں سے دل بہلا رہے تھے کہ یہ پتا آن پڑی تھی۔

''دھن بہادر......'' اس نے اپنے گورکھا حوالدار کو مخاطب کیا۔

''یس سر!'' دھن بہادر نے پاؤں کی ایڑیاں جمائیں۔ اسے سمجھ آ گئی تھی کہ کیا حکم ملنے والا ہے۔

''پانچ جوانوں کو ساتھ لے کر باہر نکلو...... میں سامنے ''روشنی راؤنڈ'' فائر کروا رہا ہوں...... خبردار...... کوئی خطرہ مول نہیں لینا۔ میں مزید ''کا ہلٹی'' برداشت نہیں کروں گا۔ خیال رہے وہ لوگ محفوظ آڑ میں ہیں۔ بڑے پکے نشانہ باز ہیں اور ان کے پاس ''نائٹ ویژن'' بھی موجود ہیں۔ وہ تمہیں گھیر کر مارنا چاہیں گے۔ زیادہ بہادری کے چکر میں پڑ کر اپنی جان نہ گنوانا...... بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ میری بات سمجھ گئے ناں......'' کیپٹن سنگھ نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

''یس سر! بالکل سمجھ گیا صاحب...... بے فکر رہیے سر! اب ان میں سے ہی کوئی مرے گا' ہم میں سے نہیں......'' حوالدار دھن بہادر نے تن کر جواب دیا۔

''او۔ کے۔ گو آہیڈ...... گڈ لک......'' اس نے حوالدار دھن بہادر کے کندھے تھپتھپائے جو زمین دوز سرنگ نما مورچوں میں چند قدم چل کر دائیں ہاتھ گھوم گیا۔

زمین دوز مورچوں کے اس جدید نظام کے تحت بھارتی فوج نے زیر زمین ایک الگ دنیا آباد کر رکھی تھی اور بلاشبہ ان کی مضبوطی ناقابل چیلنج دکھائی دیتی تھی۔

حوالدار دھن بہادر نے اپنے پانچ آزمودہ ساتھیوں کو روانگی سے پہلے بریفنگ دی تھی کہ انہیں دشمن کو مارنے سے زیادہ اپنی جانوں کی سلامتی کا مشن انجام دینا ہے اور باہر موجود ''شکاریوں'' سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

حوالدار دھن بہادر کی طرف سے واکی ٹاکی پر سٹارٹ سگنل ملتے ہی کیپٹن سنگھ نے پہلے سے مختلف کونوں میں محفوظ اپنے جوانوں کو فائرنگ سگنل دیا اور انہوں نے روشنی راؤنڈ کی فائرنگ اس طرح شروع کر دی جیسے ''توپوں'' سے گولہ باری کر رہے ہوں۔ چند سیکنڈ کے اندر ہی ان لوگوں نے اندھیرے کو اجالے میں تبدیل کر دیا تھا......

اور اب سینکڑوں گز دور تک دن کی روشنی کی طرح سارا منظر واضح اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پہاڑی سلسلے کی اونچی چوٹیوں پر نصب گنوں کو حکم ملا اور چند منٹ میں مارٹر کے گولوں سے ساری فضا دہل کر رہ گئی۔

یہ گنیں اس ترتیب سے نصب کی گئی تھیں کہ اپنی رینج میں آنے والی کوئی شے ان سے بچ نہیں سکتی تھی۔ سرحدی لکیر کے پار تک دشمن ''کارپٹ فائرنگ'' کر رہا تھا۔

روشنی راؤنڈ کی روشنیوں کے دم توڑنے سے پہلے درختوں کو آگ لگ رہی تھی۔ ان پر جمی برف پگھل رہی تھی اور برف کے اس صحرا میں جب بھی کوئی گولہ پھٹتا تو آسمان کی بلندیوں تک برف اور آگ کا الاؤ سا پھیلتا چلا جاتا......

پندرہ بیس منٹ کی اس فائرنگ کے بعد حوالدار دھن بہادر اور اس کے ساتھی باہر نکلے اور انہوں نے دو گھنٹے تک ''ایف ڈی ایل'' کے ساتھ ساتھ سارا جنگل چھان لیا۔

لیکن.......

وہاں اب ان کیلئے تھا ہی کیا!

وہ لوگ اندازہ ہی نہ کر سکے کہ اپنی مختصر کارروائی ختم ہوتے ہی مجاہدین برق رفتاری سے اپنے ''بیس کیمپ'' کی طرف لوٹ گئے تھے۔

صبح جب کرنل مہرہ اور کیپٹن سنگھ اپنی آنکھوں پر دوربین چڑھائے سورج کی برف پر جلتی چمکدار روشنیوں میں دور تک منظر کا جائزہ لے رہے تھے تو وہاں جلے ہوئے چند درختوں اور مارٹروں کی گولہ باری سے پیدا ہو جانے والے گڑھوں کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اچانک ہی فضا تڑتڑ کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ کسی برق عمل کے تابع کرنل مہرہ اور اس کے ماتحتوں نے اپنی گردنیں جھکالیں اور خاصی دیر تک اسی طرح دبکے رہے......

سب سے پہلے کیپٹن سنگھ ہی اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

پھر غصے سے کھولتا ہوا کرنل مہرہ بھی گالیاں بکتا کھڑا ہو گیا۔ ان کے عقب میں موجود محافظوں میں سے کسی کی گن اچانک چل گئی تھی۔

خیریت گزری گولیوں کا رخ ان کی طرف نہیں تھا۔

کیپٹن سنگھ کے حکم پر اس جوان کو نہتا کر کے گرفتار کر لیا گیا اور اب وہ اسے دھکے مارتے ہوئے کوارٹر گارد کی طرف لے جا رہے تھے۔

☆☆☆

مجاہدین کی اس کارروائی کے بمشکل آدھے گھنٹے بعد انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کر دیا تھا۔ گائیڈ کے پیچھے جہانگیر تھا اور اس کے پیچھے چند گز ایک دوسرے کے درمیان فاصلہ رکھ کر سفر کرتے ہوئے اس کے ساتھی۔

گائیڈ اپنی تربیت کے مطابق تھوڑی دیر چلتا اور پھر رک کر اپنے ساتھیوں کو موقع دیتا کہ وہ اپنی ترتیب قائم کر لیں۔

جہانگیر اور اس کے ساتھیوں کی کمر سے بندھے تھیلوں میں بھارتی عفریت کی تباہی کا سامان موجود تھا۔ ان کے کندھوں سے خود کار رائفلیں لٹک رہی تھیں اور ''فیرن'' کے نیچے موجود بڑی بڑی جیکٹوں میں گرنیڈ اس طرح رکھے تھے کہ سامنے سے کوئی بھی چیلنج ملنے پر وہ چند سیکنڈ کے اندر انہیں دشمن کی طرف پھینک سکتے تھے۔

لحاف

عصمت چغتائی اردو زبان میں افسانہ نگاری کے حوالے سے ایک بڑا اور معتبر نام ہے......منٹو کی طرح عصمت کا قلم بھی معاشرے کے حساس موضوعات کی نشاندہی کرتا رہا اور اس پر بھی اکثر اوقات فحش نگاری کا الزام لگتا رہا۔ لیکن اسکے باوجود عصمت چغتائی کے افسانے اور ناول اردو ادب کا لازمی جزو ہیں۔ لحاف عصمت کے 11 بہترین منتخب افسانوں کے مجموعہ کا نام ہے، اس میں جوانی، لحاف، پہلی لڑکی، باندی، ایک شوہر کی خاطر، نئی دُلہن، تل، عورت، خرید لو، بہو بیٹیاں اور ڈائن افسانے شامل ہیں۔ افسانوں کا یہ مجموعہ بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا، جسے **افسانے** سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

جہانگیر کے سوا اس کے تمام ساتھی مقامی تھی......

انہوں نے اس سے پہلے بھی دو تین مرتبہ بھارتی سرحدوں کے غرور کو اپنے پاؤں تلے روندا تھا اور اب وہ ایک اہم مشن پر جہانگیر کی کمان میں جا رہے تھے۔

گائیڈ نے جان بوجھ کر طویل لیکن محفوظ راستہ اختیار کیا تھا اور اب وہ انہیں قدرے محفوظ علاقے میں لے آیا تھا۔

برفیلے راستوں کے طویل سفر نے ان کے جسم میں بہتے خون کو منجمد سا کر دیا تھا۔ وہ سب منفی درجہ حرارت میں ساری رات سفر کرنے کے بعد یہاں تک پہنچے تھے۔

گائیڈ اب رک گیا تھا۔

اس نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے جہانگیر کو اپنے قریب آنے کا سگنل دیا۔ اس کے باقی ساتھی اپنی تربیت کے مطابق اپنی اپنی جگہ پاؤں کے بل زمین پر بیٹھ گئے۔ قریب پہنچنے پر اس نے ہاتھ کے اشارے سے دھند اور برف کے گالوں میں لپٹے نزدیکی جنگل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس سے کہا کہ وہ لوگ تھوڑی دیر کیلئے یہاں بیٹھ کر ستا لیں جس کے بعد...... اگلا سفر شروع ہو گا۔

گائیڈ خود بھی خاصا نڈھال دکھائی دے رہا تھا۔

موسمی جبر نے اسے بری طرح جکڑ رکھا تھا۔

''ٹھیک ہے......'' جہانگیر نے اس کی بات سمجھ کر اثبات میں گردن ہلائی۔

اس نے اپنے ساتھیوں تک یہ خوشگوار خبر پہنچا دی تھی کہ انہیں تھوڑی دیر کیلئے ستانے کا موقع مل رہا ہے۔

پندرہ بیس منٹ کے مزید سفر کے بعد وہ جنگل میں داخل ہو چکے تھے۔

برف سے اٹی ہوئی جھاڑیاں اور درختوں سے زمین پر گرتے برف کے گالوں نے انہیں بھگو کر رکھ دیا تھا اور اب یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے ان کے اندر دور تک برف اتر گئی ہو۔

اپنے منجمد سے وجود میں زندگی کا احساس انہیں صرف اپنے قدموں کی چاپ سے ہو رہا تھا۔ جہانگیر جانتا تھا کہ اب تک اس کے ساتھیوں نے موسم کی عذاب ناکیاں' قوت ایمانی کے بل پر جھیلی ہیں اور وہ اس سے زیادہ ان کے صبر کا امتحان نہیں لینا چاہتا تھا......!!

تھوڑی دیر کی تگ و دو کے بعد بالآخر انہوں نے پہاڑی سلسلے کی ایک نوکیلی چٹان کے اندر ایک محفوظ پناہ گاہ تلاش کر لی اور اب جہانگیر نے اپنے ایک اور مجاہد ساتھی کی مدد سے دو چھوٹی کلہاڑیوں کے ذریعے جو ان کے سامان کا حصہ تھیں وہاں جھاڑیاں اور درختوں کی ٹہنیوں کا ڈھیر جمع کرنا شروع کر دیا......

لکڑیاں کاٹنے سے اس کے بدن میں کچھ حرارت پیدا ہوئی تو زندگی کا احساس ہونے لگا۔ گیلی لکڑیوں کو آگ لگانا ان کیلئے بالکل نیا اور انوکھا تجربہ تھا......

لیکن......

ان کے ہمراہ آنے والے گائیڈ نے یہ مشکل قدرے آسان کر دی جب اس نے اپنی کمر سے بندھے تھیلے سے مٹی کے تیل کی ایک بوتل نکالی اور اس کو جھاڑیوں اور ٹہنیوں کے ڈھیر پر چھڑک دیا۔

شاید اسے راستے کی مشکلات کا ادراک ان سب سے زیادہ تھا۔ چند منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ بالآخر گیلی لکڑیاں سلگانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ اب وہ سلگتی لکڑیوں کے اس ڈھیر کے گرد زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے تھے۔ لکڑیوں کا کڑوا کسیلا دھواں ان کی آنکھوں اور ناک کے راستے حلق میں اترنے لگا تھا۔

لیکن......

حیرت کی بات تھی کہ جہانگیر کو اس سے الجھن نہیں ہوئی تھی۔

وہ تو قہر کی اس جان توڑ سردی میں آگ کے اس الاؤ کو نعمت مترقبہ محسوس کرنے لگے تھے۔ اس بات کا اندازہ انہوں نے کرلیا تھا کہ گھنے جنگل میں دور سے بھی یہ آگ دکھائی نہیں دے گی اور دن کا اجالا پھیلنے تک دھواں بھی ختم ہو جائیگا......!!

رات کا سحر ٹوٹ رہا تھا......لیکن دھند مزید گہری ہوتی جا رہی تھی اور دھند کے یہ بادل اوپر ہی اوپر اٹھ کر سارے آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔

اپنی گھڑیوں سے وقت دیکھ کر انہوں نے جہانگیر کی امامت میں فجر کی نماز ادا کی اور اب اپنے رب کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اس وادی جنت نظیر کی آزادی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

اپنے پاس موجود راشن سے انہوں نے چائے تیار کی تھی۔ چائے کے بڑے بڑے مگ اپنے حلق میں انڈیلنے سے وہ خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگے تھے۔

''آپ لوگ یہاں بیٹھیں میں ذرا باہر کے حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔ اس علاقے میں بہت دیر بعد میرا آنا ہوا ہے۔ معلوم نہیں اب حالات کیسے ہوں گے......'' یہ کہتے ہوئے گائیڈ بشیر نے جہانگیر کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

''ٹھیک ہے......''۔

جہانگیر کیلئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ فی الوقت اس کی ہاں میں ہاں ملاتا چلا جائے کیونکہ بانڈی پورہ تک پہنچنے کے بعد ہی وہ خود کچھ کرنے کے قابل ہو سکتے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں اور اپنی منزل سے کتنے دور ہیں؟

کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ http://kitaabghar.com کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچایئے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

Captured by Qamar Abbas

دوسرا باب

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''ویٹ لیب'' کا ریسٹ ہاؤس جو کبھی وی آئی پی کیلئے اس علاقے کی سب سے بڑی عیاش گاہ تھی آج دہشت اور خوف کی علامت بن چکا تھا۔

تین چار سال سے یہاں بارڈر سکیورٹی فورس (بی ایس ایف) نے قبضہ جما رکھا تھا۔

سوپور میں بابا شکر دینؒ کی زیارت گاہ سے منسلک اس ریسٹ ہاؤس میں بظاہر تو ''بی ایس ایف'' کی پوسٹ قائم کر کے یہ تاثر دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے وہ سوپور اور بانڈی پورہ لنک روڈ کو گھیر کر سوپور اور کپواڑہ کے پہاڑی راستوں کی نگرانی کرتے ہیں۔

لیکن......

حقیقت کچھ اور تھی......

مجاہدین کو اس بات کا علم تھا کہ دراصل اس ریسٹ ہاؤس میں ''را'' نے اپنا مضبوط مرکز قائم کر رکھا تھا۔

ویٹ لیب ریسٹ ہاؤس سے بڑی خونی داستانیں منسوب تھیں۔ سوپور اور کپواڑہ کے سینکڑوں نوجوانوں کو رات کے اندھیرے میں بھارتی فوج کے کمانڈو (بلیک کیٹس) اٹھا کر لے گئے اور پھر ان کا کچھ علم نہ ہو سکا۔

یوں تو ہزاروں کشمیری نوجوانوں کو اس عقوبت گاہ میں لے جایا گیا لیکن شاید ہی کوئی ایسا خوش قسمت تھا جو یہاں سے جو زندہ بچ کر واپس آ سکا۔

اس خونیں ریسٹ ہاؤس سے بڑی پراسرار داستانیں وابستہ تھیں

یوں لگتا تھا جیسے یہاں بھوت پریت اور آسیب نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں۔ اس علاقے میں موجود سکیورٹی فورسز کے ملازمین کو بھی اس کے نزدیک پھٹکنے کی اجازت نہیں تھی۔

ریسٹ ہاؤس میں مخصوص افسران ہی کو داخلے کی اجازت تھی یا پھر اس کی حدود میں وہ داخل ہوتا جسے یہاں بلایا جاتا۔

ریسٹ ہاؤس کو چاروں اطراف سے سکیورٹی افواج نے اس طرح گھیر رکھا تھا جیسے یہاں کوئی ایٹمی مرکز قائم ہو۔ اس کی حفاظت کیلئے بے شمار زمینی بندوبست کے ساتھ ساتھ یہاں اینٹی ایئر کرافٹ گنیں نصب کی گئی تھیں۔ ''را'' نے اس عقوبت خانے پر ہوائی خانے کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔

اس عقوبت خانے میں ''را'' کے خصوصی تفتیشی افسران کو لایا جاتا تھا جو اپنی بربریت کیلئے شیطان کی طرح مشہور ہوتے تھے۔ یہاں آنے والے کسی چھوٹے ملازم یا بڑے افسر کا تعلق شاید نسل انسانی سے تھا ہی نہیں۔ یہ لوگ اذیت پسند اور اذیت پرست تھے جو انسانی خون بہا کر کسی زندہ انسان کے بدن سے گوشت اتار کر اس کا بدن جلا کر یا اس کی ہڈیاں توڑ کر اپنی حیوانی حس کو تسکین پہنچایا کرتے تھے......!

''را'' کا خیال تھا کہ اس طرح کے غیر انسانی ہتھکنڈے آزما کر شائد وہ تحریک آزادی کو کچلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ گو کہ نتائج ان کی توقعات کے برعکس ہی برآمد ہوئے تھے اور جیسے جیسے ان کے مظالم اور وحشت و بربریت میں اضافہ ہو رہا تھا اس سے کئی گناہ زیادہ رفتار سے مجاہدین کا جوش و خروش بڑھتا جا رہا تھا۔

Captured by Qamar Abbas

لیکن............

ابھی تک بھارتی انٹیلی جنس کو امید تھی کہ وہ غیر انسانی ہتھکنڈوں کے ذریعے مجاہدین آزادی کا جذبہ حریت کچلنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کرنل دوبے کو ریسٹ ہاؤس کا چارج سنبھالے آج دوسرا دن تھا............

آج کا دن اس نے بطور خاص اپنے مقامی "ٹاؤٹوں" سے ملاقات کیلئے رکھا تھا۔ یہ آستین کے سانپ، جن کا تعلق وادی کشمیر ہی سے ہوتا تھا، اکثر اپنی مجبوریوں اور خوف کے تحت "را" کے ہاتھوں بلیک میل ہو جاتے تھے اور ان کیلئے خفیہ سراغرسانی کی خدمات انجام دیتے تھے۔

لیکن......

ان میں کچھ تعداد ان غداروں کی بھی تھی جو دولت اور دیگر آسائشوں کے لالچ میں "را" کا ساتھ دے رہے تھے۔ ان غداروں کو امید تھی کہ جلد یا بدیر بھارتی فوج مجاہدین آزادی کے جذبہ حریت کو کچلنے میں کامیاب ہو جائیگی اور وہ اپنے "کالے آقاؤں" کے ذریعے برصغیر کی ماضی کی تاریخ دہرا سکیں گے۔ جب ان کے ہم منصبوں کو فرنگیوں نے ایسی ہی خدمات انجام دینے پر اعزاز و اکرام سے نوازا تھا۔

یہ غدار بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ انہیں بھی ان کے بھارتی آقا تحریک آزادی کو کچلنے میں تعاون کے سلسلے میں ایسے ہی انعامات اور اعزازت سے نوازیں گے......

غنی کا شمار بھی ایسے ہی وطن فروشوں میں ہوتا تھا......

وہ کپواڑہ میں "را" کا سب سے بڑا "سورس" تھا اور بدقسمتی یہ تھی کہ مجاہدین اسے اپنا حمایتی سمجھتے تھے کیوں کہ اپنے ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کیلئے وہ عموماً پولیس سٹیشن سے کسی بڑے بوڑھے کو رہا کروا کر ان معصوم لوگوں کو ورغلانے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

غنی بڑی کامیابی سے یہاں آستین کے سانپ کا کردار ادا کر رہا تھا۔

ایک طرف وہ سوشل ورکر بن کر لوگوں کے مسائل حل کرتا دوسری طرف اس کی اطلاعات پر آئے روز بھارتی انٹیلی جنس کسی نہ کسی مجاہد کے گھر سے کسی بھی فرد کو اغوا کر کے لے جاتی۔

غنی کیلئے ایک بڑا چیلنج مجاہدین کا مقامی ایریا کمانڈر مختار بنا ہوا تھا۔

مختار نے گزشتہ چھ سات ماہ میں درجنوں ایکشن کئے تھے اور بھارتی فوج کو متعدد مرتبہ ناکوں چنے چبائے تھے۔ اس کے سر کی قیمت پانچ لاکھ روپے لگ چکی تھی۔ بھارتی انٹیلی جنس کو علم تھا کہ مختار اسی علاقے میں کھلے بندوں گھومتا ہے لیکن وہ اسے گرفتار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سوپور کا ہر گھر اس کیلئے حفاظتی قلعہ تھا۔

"را" کی حکمت عملی نے بالآخر مختار کو کچھ عرصے کیلئے علاقہ چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ وہ "بیس کیمپ" میں چلا گیا ہے۔

لیکن............

بھارتیوں کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ جس طرح بھی ممکن ہو اسے گرفتار کیا جائے کیونکہ اس کے ہاتھوں بھارتی فوج کے کئی اعلیٰ افسر بھی جہنم رسید ہو چکے تھے۔

مختار کو "بیس کیمپ" سے ورغلا کر واپس سوپور لانے کیلئے "را" نے کئی جتن کئے تھے۔ مقامی غداروں کو مجاہدین کے روپ میں "بیس کیمپ" بھیجا تھا لیکن وہ ابھی تک اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

غنی کیلئے مختار ایک چیلنج بن چکا تھا۔

مختار کی زندہ یا مردہ گرفتاری کا مطلب تھا اس کیلئے اگلی حکومت میں وزارت پکی ہے آج جب اس نے اچانک مختار کو مقامی مسجد میں دیکھا تو ما تھا ٹھنکا اور وہ جلد از جلد یہ اطلاع اپنے "مالکوں" تک پہنچانے کیلئے باؤلا ہو گیا۔

دن کے اجالے میں اس کا یہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ چوروں کی طرح اپنے گھر سے نکلا اور "ریسٹ

Captured by Qamar Abbas

ہاؤس'' پہنچ گیا۔اسے یہاں ''وی آئی پی'' کی حیثیت حاصل تھی جلد ہی اسے کرنل دوبے کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

☆☆☆

''حضور آپ کی آمد پر آپ کو خوش آمدید کہنے کیلئے ایک خاص تحفہ پیش کرنے آیا ہوں۔اسے میری طرف سے اپنا ''ویل کم'' ہی سمجھے گا......''

غنی نے بڑی مکاری سے کرنل دوبے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''تمہاری بہت تعریف سنی ہے غنی......میں صرف ایک بات کہوں گا۔مجھے علم نہیں آج سے پہلے جو لوگ یہاں تھے ان کے تمہارے ساتھ کس نوعیت کے تعلقات تھے لیکن میں صرف کام سے کام رکھنے والا بندہ ہوں۔مجھے خوش کرو گے تو میں تمہیں اتنا خوش کر دوں گا کہ تم شاید اس کا تصور بھی نہیں کر سکو۔میرا مطلب سمجھ گئے ناں......مجھے باتیں نہیں کام چاہیے......کام......میں اس ایریا کے ایک ایک غدار کو چن چن کر مارنا چاہتا ہوں ......اور تمہیں میرا ساتھ دینا ہے۔یاد رکھنا جس روز کپواڑہ سے شرپسندوں کا خاتمہ ہوا اس روز تمہاری کشمیر حکومت میں منسٹری پکی ہوگئی......'' کرنل دوبے نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے بے چینی سے کہا۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ آج ہی تمام ''شرپسندوں'' کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔

''دوبے صاحب......یہی تو میرا مشن ہے۔آپ کو اس سلسلے کا خاص تحفہ دے رہا ہوں'' ۔غنی نے چاپلوسی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''کہو کیا خبر ہے'' ۔کرنل نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''سر! آپ نے مختار کا نام تو سن ہی لیا ہوگا......وہی حزب کا ایریا کمانڈر......آج کل وہ آیا ہوا ہے اس طرف......اس نے کل ہی اپنے گھر والوں سے ملاقات کی ہے......افسوس مجھے ملاقات کے بعد علم ہوا۔خبر کہاں بچ کر جائے گا۔آپ آج ہی اس کی بہن کو لے آئیں' زینب کو......حضور کا دل خوش ہو جائے گا......ایک ہی بہن ہے کمبخت کی......وہ قابو آ گئی تو یوں جانئے کہ مختار آپ کے قابو میں آ گیا......میں تو کہتا ہوں آج ہی قابو کر لیں ......ماں اس کی پہلے ہی بیمار ہے اور باپ کو آپ سے پہلے والے کرنل صاحب کبھی کا ''پار'' کر چکے ہیں......پاکستان بھیج دیا تھا اسے......''

غنی نے اپنی بات کے خاتمے پر بے غیرتی سے دانت نکالے۔

''ہوں تو یہ بات ہے......''

کرنل نے بھی اس کی ہنسی میں اس کا ساتھ دیتے ہوئے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''مائی باپ کارروائی آج ہی ہو جانی چاہیے' یہ مختار بڑا تیز لڑکا ہے' اسے ذرا سی بھی مہلت مل گئی تو ہمارے ہاتھ سے نکل جائیگا......''

غنی نے دوبارہ نے اپنی خبر کی اہمیت جتاتے ہوئے کہا۔

''تم جاؤ......اور اس بات کو بھول جاؤ......''

کرنل دوبے نے اس کی مزید بک بک سے بچنے کیلئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''اوکے صاحب......شکریہ......جے ہند''۔

غنی نے ''صاحب'' کا موڈ پہچانتے ہوئے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور دانت نکالتا ہوا الٹے قدموں واپس آ گیا۔

جس طرح رات کے اندھیرے میں وہ یہاں آیا تھا اسی طرح دبے پاؤں لوٹ گیا۔اس کی وطن فروشی کا بظاہر کوئی گواہ نہیں تھا۔

☆☆☆

غنی کی روانگی کے بمشکل پانچ منٹ بعد ہی کرنل دوبے نے ''بلیک کیٹس'' کا خصوصی گروپ وہاں جمع کر لیا۔ان کی تعداد پندرہ تھی اور یہ پندرہ بھارتی فوج کے بہترین کمانڈوز سمجھے جاتے تھے۔

Captured by Qamar Abbas

انہوں نے روس میں ''کے جی بی'' کے کمانڈوز کے ساتھ خصوصی تربیتی کورس مکمل کیے تھے۔ سفاکی میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔

کسی بھی انسان کو درندوں کی طرح چیر پھاڑ کر رکھ دینا ان کیلئے معمولی سی بات تھی اور یہ تمام کمانڈوز وحشی جانوروں کی طرح انسانی خون کے متلاشی رہتے تھے۔

کرنل دوبے نے ان کے کمانڈر کیپٹن تاراچند کو تمام تفصیلات سے آگاہ کرنے کے بعد بطور خاص ہدایت کی تھی کہ جس طرح ممکن ہو مختار کو زندہ گرفتار کیا جائے اس سے انہیں بہت سے حساب چکانے تھے۔

''لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ زندہ ہاتھ نہ آئے تو اسے گرفتار نہیں کرنا''

کرنل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مکاری سے مسکرا کر کہا۔

''سر! وہ زندہ ہی ملے گا...... البتہ اس کے جسم کی تمام ہڈیاں سلامت رہنے کی ضمانت میں نہیں دے سکتا......''

کیپٹن نے ایڑیاں جماتے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں...... اتنی اجازت تو تمہیں لینے کی ضرورت بھی نہیں''

دوبے نے حسب عادت اپنے ایک ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے کہا۔

''رائٹ سر''۔

کیپٹن تاراچند نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں موجود وحشیانہ چمک رات کے اندھیرے میں بھی نمایاں تھی اور ریسٹ ہاؤس سے باہر آ گئے۔

اب اس مشن کی کمان عملاً اس کے ہاتھ میں تھی......

اپنی تربیت کے مطابق کیپٹن تاراچند نے پہلے فوج اور بی ایس ایف کو گاؤں کی طرف آنے اور جانے والے تمام راستوں کو بلاک کر دینے کا حکم دیا تھا۔

اب یہ ایریا ''لینڈلاک'' ہو چکا تھا......!!

انہوں نے اپنی تربیت کے مطابق کارروائی کا آغاز صبح پو پھٹنے پر کرنا تھا۔ عین ان لمحات میں جب یہاں فجر کی نماز کیلئے زندگی بیدار ہوتی تھی۔ بھارتی فوج عموماً اپنی کارروائی کا آغاز ان ہی اوقات میں کرتی تھی۔

فوج اور بی ایس ایف کے دستوں نے فجر کی نماز سے پہلے ہی اس علاقے کو اس طرح اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا کہ یہاں سے اب چڑیاں بھی باہر پر نہیں مار سکتی تھیں۔

اپنی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد انہوں نے کیپٹن تاراچند کو ''گو اہیڈ'' سگنل دیدیا جو اگلے ہی لمحے بلیک کیٹس کے ٹرک کے ساتھ گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا جلد ہی وہ لوگ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ اب فوج نے فائرنگ کر کے ہراس پھیلانا تھا اور اس کے کمانڈوز نے ان ممکنہ ٹھکانوں پر گاؤں میں گھس کر حملہ کرنا تھا جہاں غنی کی رپورٹ کے مطابق ایریا کمانڈر مختار کی موجودگی کا امکان تھا۔

☆☆☆

مختار تین ماہ بعد اپنے علاقے میں لوٹا تھا۔

اس درمیان اس نے جب بھی ''بیس کیمپ'' سے نکل کر سوپور کی طرف آنے کا فیصلہ کیا کمانڈر نے اسے زبردستی روک دیا۔ وہ اسے ایک ہی بات کہتا تھا کہ ابھی اس کی روانگی کا وقت نہیں آیا......

لیکن......

اس روز جب مختار کو اطلاع ملی کہ اس کے دونوں چچیرے بھائیوں کو بھارتی انٹیلی جنس ''را'' نے اغوا کرنے کے بعد تشدد کر کے مار ڈالا

ہے تو اس کیلئے یہاں رکنا ممکن نہ رہا.......

وہ بہرصورت اپنے بھائیوں کی قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھنا چاہتا تھا.......جنہوں نے اپنی جانیں گنوا دیں لیکن اس کے کسی بھی ٹھکانے کی اطلاع "را" کو نہیں دی تھی۔

"خدا تمہارا حامی و ناصر ہو......مختار بھائی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ موت کا ایک دن مقرر ہے لیکن تمہاری جان کی حفاظت کی ذمہ داری تم سے زیادہ مجھ پر عائد ہوتی ہے کیونکہ میں تمہارا کمانڈر بھی ہوں ......تم سوپور جاؤ لیکن خدا کیلئے کوئی خطرہ مول نہ لینا اس مرحلے پر جیسا کہ آستین کے سانپوں کی وجہ سے ہم پہلے ہی اپنے کئی ساتھیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں تمہارا سوپور میں زندہ موجود رہنا تحریک آزادی کی تقویت کا باعث بنے گا"۔

دم رخصت کمانڈر نے اس سے کہا تھا۔

مختار نے اگلے ہی روز اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ سرحد عبور کی اور سوپور پہنچ گیا۔ اسے یہاں مختلف دیہاتوں میں چھپے اپنے ساتھیوں کے درمیان روابط بحال کر کے ان تک اسلحہ پہنچانے اور انہیں منظم کرنے کی ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔

مختار کو علم تھا کہ اس کے گاؤں شمشیر نگر کے سارے گھر اس کے حفاظتی قلعے ہیں۔

لیکن......

اس نے ابھی تک عام لوگوں سے ملاقات کا خطرہ مول نہیں لیا تھا اور اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ اپنے ہی گاؤں کے ایک محفوظ گھر میں پناہ لے رکھی تھی۔

اس روز بھی وہ اپنے بھائیوں کی روحوں کے ایصال ثواب کیلئے کی جانے والی قرآن خوانی کیلئے مسجد میں گیا تھا جہاں غنی کی نظروں میں آ گیا۔

انہوں نے آج رات اسی گاؤں میں قیام کے بعد اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو جانا تھا آج بھی وہ قرآن خوانی کی اس تقریب میں شرکت کیلئے ہی کسی دوسرے گاؤں سے یہاں آیا تھا۔

اب تک اس کی زندگی درندوں سے محفوظ رہنے کی اہم وجہ ہی اس کے حفاظتی اقدامات تھے۔ وہ ہمیشہ چیتے کی طرح چوکنا رہتا تھا۔

آج بھی اس نے اپنی عادت کے مطابق جس گھر میں خود قیام کیا تھا وہاں اپنے ساتھ اپنے ساتھیوں کو نہیں رکھا تھا اس کے تینوں ساتھی گاؤں کے تین مختلف گھروں میں موجود تھے۔

سونا گھاٹ کا پجاری

سونا گھاٹ کا پجاری...... بے پناہ پراسرار قوتوں اور کالی طاقتوں کا مالک جو اپنی موت کے بعد بھی زندہ تھا۔ افضل بیگ...... ایک مسلمان فارسٹ آفیسر جو سونا گھاٹ کے قہر کا نشانہ بنا...... پھر وہ انتقام لینے کے جوش میں اندھا ہو گیا اور اپنا مذہب ترک کر کے جادو ٹونے کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ ایک ایسا ناول جو پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑ لے گا۔ **سونا گھاٹ کا پجاری** اپنے انجام تک کیسے پہنچا۔ افضل بیگ گناہ اور غلاظت کی دُنیا سے کیسے لوٹا؟ ہندو دھرم، دیوی دیوتاؤں، کالے جادو، بیروں کے خوفناک تصادم سے مزین یہ داستان آپ جلد ہی **کتاب گھر** کے **پراسرار خوفناک ناول** سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔

Captured by Qamar Abbas

مختار نے اپنی تربیت کے مطابق اس امکان کو ہمیشہ ذہن میں رکھا تھا کہ ان پر کسی بھی وقت' کسی بھی جگہ دشمن حملہ کرسکتا ہے۔

وہ خود کو ہمیشہ ''حالت جنگ'' (سٹینڈ بائی) میں رکھتا تھا۔ اپنے ہتھیار اس نے خود سے کبھی الگ نہیں کیے تھے اور اپنے تینوں ساتھیوں کو اس پوزیشن میں گاؤں میں رکھا تھا کہ اچانک حملے کی صورت میں وہ سب ایک ہی دفعہ قابو میں نہ آ جائیں اگر ایسا ہوا تو بھی انہیں کم از کم نقصان اٹھانا پڑے اور کسی نہ کسی کو نکل جانے کا موقع ضرور ملے۔

دوسری طرف دشمن بھی ان کی توقعات سے بڑھ کر چوکنا اور چالاک تھا۔ کیپٹن تارا چند اور اس کے ''بلیک کیٹس'' کو پہلے ہی سے اس بات کا علم تھا کہ ان کا مقابلہ عام قسم کے دہشت گردوں سے نہیں بلکہ تربیت یافتہ مجاہدین سے ہے جو جذبہ ایمان سے سرشار اور کسی بھی ہنگامی صورتحال میں اپنے اوسان بحال رکھنے کی مکمل اہلیت رکھتے ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ عام قسم کے دہشت گرد یا کرائے کے فوجی ہوتے تو بھارتی فوج کچھ ایسی گئی گزری بھی نہیں کہ ان پر قابو نہ پا سکتی۔ انہیں سب سے پہلے کمانڈر مختار کے گھر پر حملہ کر کے اس کی بہن کو قابو کرنا تھا تا کہ اسے چارہ بنا کر وہ کمانڈر مختار کو اگر وہ اس علاقے میں موجود ہے قابو کرسکیں۔

☆☆☆

سوپور کے گاؤں شمشیر نگر کی مسجد سے موذن کی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتے ہی دشمن کی توپوں نے آگ اگلنا شروع کر دی۔ بھارتی فوجی اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے وہ گاؤں کے دور کے مکانات کو نشانہ بنا کر دراصل پہلے اتنی دہشت پیدا کر دینا چاہتے تھے کہ جس سے سہم کر یہاں کے مقامی باشندے مختار یا اس کے ساتھیوں کی مدد ہی نہ کرسکیں اور انہیں اپنی جان کے لالے پڑ جائیں۔

کمانڈر مختار اپنی عادت کے مطابق تہجد کی نماز کیلئے بیدار ہوا تھا اور اب تہجد سے فارغ ہو کر فجر کی نماز کی ادائیگی کیلئے مسجد کی طرف جانے کی تیاری کر رہا تھا جب اچانک ہی سارا گاؤں بھارتیوں کی اندھا دھند گولہ باری سے لرزنے لگا۔ ایک لمحے کا توقف کیے بغیر اس نے اپنے قریب رکھی ایل ایم جی اور گولیوں سے بھرا کینوس کا بیگ اٹھایا اور بھاگتا ہوا مکان سے باہر آ گیا۔

اس نے اچانک حملے کی صورت میں اپنے ذہن میں پہلے سے تیار کردہ منصوبے کے مطابق گاؤں کے ایک کونے میں اس جگہ پوزیشن سنبھالی جہاں سے گاؤں کی طرف آنے والے راستے پر حملہ آوروں کو روک سکتا تھا۔

برف میں نہائے ہوئے صبح کے ملگجے اجالے میں اسے دشمن کی پوزیشنوں کا علم اس کی گولہ باری سے ہو رہا تھا اور ٹریسر کی فائر کی روشنیاں دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ دشمن نے اس کے گاؤں سے فرار کے ہر ممکن راستے کو جکڑ لیا ہے۔

اچانک ہی فائرنگ تھم گئی

اذان مکمل ہو چکی تھی جب دوبارہ مساجد کے سپیکر آن ہوئے اور ان پر کیپٹن تارا چند کی آواز سنائی دی۔

''کمانڈر مختار...... تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ چپ چاپ باہر آ جاؤ ورنہ ہم اس گاؤں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے' میں تمہیں تین منٹ کی مہلت دے رہا ہوں گاؤں سے باہر آنے والے راستے پر ہاتھ کھڑے کر کے باہر آؤ اور خود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دو...... ورنہ یاد رکھنا ہم اس گاؤں کا وہ حشر کریں گے کہ تم جس کا تصور بھی نہیں کر سکتے......''

اس کے ساتھ ہی اس کی آواز بند ہو گئی اور لاؤڈ سپیکر سے لڑنے جھگڑنے کی آوازیں آنے لگیں جس سے مختار نے اندازہ لگایا کہ مسجد میں موجود لوگ اچانک اندر گھس آنے والے وحشیوں سے جھگڑ رہے ہیں۔ اچانک ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی اور سپیکر پر خاموشی چھا گئی۔

وحشیوں نے احتجاج کرنے والوں کو مسجد کے اندر ہی ڈھیر کر دیا تھا اور لوگوں کو اپنے اللہ کے حضور حاضری کیلئے بلانے والے موذن کو نمازیوں کی آمد سے پہلے ہی اللہ کے حضور روانہ کر دیا تھا......!!

مختار کا خون کھولنے لگا تھا............

Captured by Qamar Abbas

اس نے قدرت کی طرف سے ملنے والی اس تین منٹ کی مہلت کو غنیمت جانا اور اب وہ آہستہ آہستہ گاؤں کو محاصرے میں لینے والی فوج کے نزدیک ایک محفوظ آڑ میں مورچہ بند ہو چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے ساتھیوں نے بھی اس مہلت کو غنیمت جانا ہوگا۔ جہاں تک کیپٹن تاراچند کی دھمکیوں کا تعلق تھا تو کسی بھی کشمیری کیلئے بھارتی فوج کی طرف سے ایسے سلوک کی توقع اب کوئی اچنبھے کی بات نہیں رہی تھی مختار اور اس گاؤں کے تمام مکین جانتے تھے کہ اگر وہ ہتھیار پھینک کر باہر بھی آ جائے تب بھی یہ درندے اس گاؤں کا وہی حال کریں گے جس کی دھمکی انہیں دی گئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے انجام سے بے پرواہ غنیم سے ٹکرا جانے کا عزم لئے ہوئے تھے۔

تین منٹ کی مہلت مکمل ہوتے ہی دشمن نے اپنی وحشیانہ کارروائی کا آغاز کر دیا وہ شمشیر نگر کے بے گناہ مکینوں پر آتش و آہن کا مینہ برسانے لگے لیکن دوسرے ہی لمحے ایک جانب سے تین چار بھارتیوں کی چیخوں کی آوازیں بھی بلند ہوئیں جو مختار کی چلائی ہوئی گولیوں کی بھینٹ چڑھ گئے تھے اس کے ساتھ ہی گاؤں کے مختلف کونوں سے حملہ آوروں کو تھوڑا ہی سہی لیکن مثبت جواب ملنے لگا۔

یہ مختار کے مجاہد ساتھی جو اپنے کمانڈر کی طرح اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن سے ٹکرا گئے تھے۔

وہ تعداد میں نہ ہونے کے برابر تھے۔

لیکن......

ان کے جذبہ ایمانی کے سامنے غنیم کی پرکاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا............!!

مختار کا منصوبہ یہی تھا کہ وہ کسی بھی طرح دشمن کا گھیرا توڑ کر دھند اور کہر کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہاں سے نکل جائے لیکن بظاہر یہ ممکن دکھائی نہیں دے رہا تھا اسے اپنے باقی ساتھیوں کی پوزیشن کا تو علم نہیں تھا لیکن وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ تینوں آخری گولی تک دشمن کا مقابلہ ضرور کریں گے اور گاؤں میں ہونے والی فائرنگ سے اس نے اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ تینوں مجاہد سرگرم عمل ہیں۔

اس نے اپنی زد میں آن والے تین چار بھارتیوں کو جہنم رسید کر دیا تھا اور اب یہ احساس ہو جانے پر کہ دشمن کو اس کی پوزیشن کا علم ہو گیا ہوگا 'پھرتی سے اپنا مورچہ بھی تبدیل کر لیا تھا۔

☆☆☆

زینب نے وضو کرتے ہوئے مسجد کے لاؤڈ سپیکر پر یہ اعلان سنا تھا......!

اسے اس بات کا تو علم تھا کہ اس کا بھائی آج گاؤں میں موجود ہے' لیکن وہ کہاں ہے یہ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اسے جاننے کی ضرورت تھی۔ اس نے تین چار ماہ بعد خدا سے رو رو کر دعائیں مانگنے کے بعد تو اپنے بھائی کی شکل دیکھی تھی کہ اچانک یہ عذاب ان پر آ گیا تھا......

''یا اللہ رحم............''

بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور وہ وضو مکمل ہوتے ہی بھاگ کر اپنے مکان کے نچلے حصے میں آ گئی کیونکہ دشمن نے فائرنگ شروع کر دی تھی......!!

زینب کو علم تھا کہ بزدل دشمن سیدھا اس کے گھر پر حملہ آور ہوگا۔ وہ اپنی ماں کو لے کر کسی نہ کسی طرح اپنے گھر سے نکل جانے کے ارادے ہی سے مکان کے نچلے حصے میں آئی تھی جب اچانک ہی باہر سے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا جانے لگا۔

اسی اثناء میں اس کی بوڑھی ماں گھبرا کر باہر آ گئی تھی جیسے ہی اس کی نظر اپنی بیٹی پر پڑی وہ بھاگ کر اس کے نزدیک پہنچ گئی......

''زینب بیٹی! تم نکل جاؤ''

زینب نے چاہا کہ اپنی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر اس طرف سے نکل جائے۔

لیکن.........

Captured by Qamar Abbas

اس کی ماں نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''بیٹی وقت کم ہے' خدا کیلئے تم نکل جاؤ' ہم دونوں نہیں جا سکتیں' میں ان درندوں کو کچھ دیر کیلئے یہیں روک لوں گی...... اگر خدانخواستہ تم زندہ ان کے ہاتھ لگ گئیں تو ہم جیتے جی مر جائیں گے۔ بیٹی جاؤ خدا کے حوالے...... جلدی نکلو...... اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ اگر زندگی رہی تو دوبارہ مل جائیں گے نہیں تو روز قیامت انشاء اللہ ملاقات ضرور ہوگی۔ میرا بیٹا کبھی ملے تو اسے بتا دینا کہ آخری لمحات پر بھی اس کی ماں نے بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور اس کی گردن نہیں جھکنے دی۔ خدا حافظ''۔

یہ کہہ کر وہ بیٹی کی طرف دیکھے بغیر باہر والے دروازے کی طرف بھاگ گئی۔

زینب کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا............

لیکن......

دوسرے ہی لمحے اس کے اوسان بحال ہو گئے۔ اسے سمجھ آ گئی کہ وہ حزب کے ایریا کمانڈر مختار کی بہن ہے' ایک مجاہد کی بہن جس کی ماں اس کی عزت اور اپنا فریضہ ادا کرنے کیلئے زندہ ہے تاکہ بھارتی درندوں کے قابو نہ آ جائے۔

''خدا حافظ ماں جی......''

وہ ماں کی طرف دیکھ کر بڑبڑائی اور دوسرے کمرے کی طرف بھاگی جس کی کھڑکی پہاڑ کی سمت کھلتی تھی' دوسرے ہی لمحے وہ کھڑکی سے باہر کود گئی۔

زینب کے کھڑکی سے باہر کودنے اور بھارتی درندوں کے دروازہ توڑ کر اندر داخل ہونے کا عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوا تھا۔

جیسے ہی پہلا بلیک کیٹ کمانڈو کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا دیوار کی اوٹ میں کھڑی زینب کی مجاہد ماں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑی کلہاڑی کو سر سے بلند کیا اور اپنے بوڑھے ہاتھوں میں ایک زمانے کی توانائیاں سمیٹ کر اتنا زوردار حملہ کیا کہ کلہاڑی کا پورا پھل اس موذی کی ہنسلی کی ہڈی توڑتا اس کی گردن میں اتر گیا۔

بلیک کمانڈر نے ڈکراتے ہوئے ذبح ہونے والے بکرے کی طرح پھٹی پھٹی خوفزدہ آنکھوں سے قہر کی اس دیوی کی طرف دیکھا جو اس کیلئے موت اور تحریک آزادی کے جاں نثاروں کیلئے زندگی کی علامت بنی اس کے غلیظ بدن سے کلہاڑی کا پھل باہر کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی............

دوسرے ہی لمحے اس کی گردن ڈھلک گئی............

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اقابلا

اقابلا...... تاریک اور پراسرار برِاعظم افریقہ کے خوفناک جنگلوں میں آباد ایک غیر مہذب قبیلہ...... جو اقابلا نامی دیوی کے پجاری تھے۔ بحری جہاز کی تباہی کے بعد مہذب دُنیا کے چند افراد اس قبیلے کے چنگل میں جا پھنسے۔ شوالا...... جنگلی قبیلے کا ایک سردار جسے دیوی اقابلا نے تمام حشرات الارض کا مختار بنا دیا تھا۔ کالاری...... جنگلی قبیلے کا دوسرا سردار جس کی تمام درندوں پر حکمرانی تھی۔ کیا مہذب انسانوں کی اس جنگلی خونخوار قبیلے سے واپسی ممکن ہو سکی؟ انور صدیقی کے جادوں بیان قلم کی یہ طویل اور دلچسپ داستان آپ جلد ہی کتاب گھر کے ایکشن ایڈونچر ناول سیکشن میں پڑھ سکیں گے۔

''ہرے اوم...... ہرے اوم............''

''جے بھوانی............''

تینوں نے باری باری کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

لیکن ....

یہ شاید ان کی زندگیوں کی آخری 'پراتھنا'' (عبادت) تھی............''

انہیں کیا علم تھا کہ اس قیامت کی گولہ باری میں کمانڈر مختار اپنے گھر کے دروازے کے باہر ایک محفوظ آڑ میں ان کی آمد کا منتظر ہوگا۔

ایل ایم جی کے اگلتے شعلوں نے انہیں زہریلے ناگ کی طرح چاٹ لیا۔ گرتے گرتے ان میں سے ایک نے فائرنگ کی کوشش کی تھی لیکن اس کی گولیاں ہوا میں چل گئیں۔

کیپٹن تاراچند کے پانچوں بلیک کیٹس جو اس کی خصوصی ہدایات پر کمانڈر مختار کے گھر پر حملہ آور ہوئے تھے کہ اس کی ماں اور بہن کو زندہ گرفتار کر کے باہر لے آئیں اور وہ انہیں گاؤں والوں کے سامنے کھڑا کر کے مختار کو گرفتاری کا چیلنج دے سکے...... بے بسی اور بے کسی کی تصویر بنے لاشوں کی صورت وہاں ڈھیر ہو چکے تھے۔

دوسری طرف کیپٹن تاراچند بے چینی سے اپنے اس ہراول دستے کی کامیابی کا منتظر تھا جس کے بعد ہی اسے اس آپریشن کے دوسرے حصے پر عمل کرنا تھا............

کمانڈر مختار نے اپنا مورچہ پھر تبدیل کر لیا تھا۔

اس کے تینوں ساتھیوں میں سے ایک جام شہادت نوش کر چکا تھا اور باقی دونوں بھی اس کی طرح اپنی پوزیشنیں بدل بدل کر گاؤں کی حدود میں گھس آنے والے بھارتی بلیک کیٹس کی گوشالی کر رہے تھے۔

❀......❀

عشق کا قاف

عشق کا قاف سرفراز راہی کے حساس قلم کی تخلیق ہے۔ ع ش ق ......عشق......ازل سے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا یہ جذبہ جب جب اپنے رخ سے حجاب سرکاتا ہے' انہونیاں جنم لیتی ہیں۔ مثالیں تخلیق ہوتی ہیں۔ داستانیں بنتی ہیں۔ ''عشق'' کی اس کہانی میں بھی اسکے یہ تینوں حروف دمک رہے ہیں۔ ''عشق کا قاف'' میں آپ کو عشق کے عین' شین اور قاف سے آشنا کرانے کے لئے سرفراز راہی نے اپنی راتوں کا دامن جن آنسوؤں سے بھگویا ہے۔ اپنے احساس کے جس الاؤ میں پل پل جلے ہیں' ان انگارہ لمحوں اور شبنم گھڑیوں کی داستان لکھنے کے لئے خون جگر میں موئے بیان کیسے ڈبویا ہے' آپ بھی اس سے واقف ہو جایئے کہ یہی عشق کے قاف کی سب سے بڑی دین ہے۔ **عشق کا قاف** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تیسرا باب

پو پھٹنے لگی تھی جب گائیڈ بشیر شمشیر نگر کے نزدیک پہنچا............!!

پہاڑیوں میں گونج پیدا کرتی اذان کی آواز نے اسے احساس دلایا کہ وہ اپنی منزل کے نزدیک آ گئے ہیں۔اب اسے گاؤں میں جا کر اپنے ایک ساتھی سے رابطہ کرنا اور جہانگیر اور اس کے ساتھیوں کیلئے اگلا گائیڈ فراہم کرنا تھا کیونکہ گائیڈ بشیر کو یہاں سے بیس کیمپ لوٹ جانا تھا اور اس کے بعد کا سفر انہوں نے مقامی گائیڈ کی سربراہی میں طے کرنا تھا۔

اچانک ہی بشیر کو یوں لگا جیسے پہاڑوں پر زلزلہ آنے لگا ہو۔شاید دشمن نے گاؤں پر حملہ کر دیا ہو......

اس کے ذہن میں فوراً خیال آیا۔

اپنے اس خیال کی تصدیق کیلئے اس نے چند قدم ہی بڑھائے تھے جب فضا تیرہ و تار ہونے لگی اور وہ اپنی جگہ جم کر رہ گیا۔

چند لمحوں کیلئے اس نے رک کر سوچا پھر ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ مطمئن ہو گیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ قریباً بھاگتا ہوا اپنے ''ہائڈ آوٹ'' کی طرف واپس جا رہا تھا۔

کمانڈر جہانگیر نے نماز ادا کرتے ہی دن کی روشنی پھیلنے کا احساس ہونے پر مجاہدین کو مختلف پوزیشنوں پر پھیلا دیا تھا اور خود بھی اپنی گن کندھے سے لٹکائے اسی راستے پر آنکھوں سے دوربین لگائے بیٹھا تھا جس طرف سے بشیر کی واپسی کا امکان تھا۔

اس کے ساتھی نے دوربین آنکھوں سے لگائی ہوئی تھی جب اچانک ہی اس کی نظروں نے وہ منظر دیکھا۔دوسرے ہی لمحے اس نے انگلی سے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمانڈر جہانگیر کو دوربین تھما دی۔

جہانگیر نے آنکھوں سے دوربین لگائی اور ایک ہیولے کو نمایاں ہوتے دیکھا۔جب اس ہیولے کے نقوش واضح ہوئے تو وہ ان کا گائیڈ بشیر تھا۔

بشیر جس طرح قریباً بھاگتا اور لڑکھڑاتا ہوا اس طرف آ رہا تھا اس سے انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے ساتھیوں کو چوکس کر دیا۔

☆☆☆

گائیڈ بشیر نے شمشیر نگر سے یہاں تک قریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ اپنی پوری توانائیاں صرف کر کے بھاگتے ہوئے طے کیا تھا۔

جہانگیر اس کی طرف بھاگتا ہوا جا رہا تھا۔اس نے بشیر کو راستے ہی میں جا لیا......

''بھارتیوں نے شمشیر نگر کو گھیر لیا ہے.........کمانڈر مختار کے گاؤں پر حملہ ہو گیا ہے''۔

اس نے ہانپتے ہوئے تیزی سے جہانگیر سے کہا۔

جہانگیر نے ہاتھ کے مخصوص اشارے سے مجاہدین کو ایک جگہ جمع ہونے کیلئے کہا اور پلک جھپکتے وہ سب وہاں موجود تھے۔

''وحید تم اور حافظ اعجاز تم......'' اس نے دو مجاہدوں کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔''تم دونوں یہاں سامان کی حفاظت کرو گے......ہم میں

سے کوئی بھی زندہ رہا تو واپس یہاں پہنچنے کی کوشش کرے گا۔ اگر ہم تین گھنٹے تک نہ لوٹیں تو حافظ اعجاز تم کمانڈر ہو گے اور اگلی مہم تم نے سر کرنی ہے...... ہم سے پہلے اگر فوج یہاں پہنچ جائے تو سامان تباہ کر دینا...... اپنا اسلحہ بھی ضائع کر دینا...... ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگنا چاہیے...... اپنی گھڑیوں پر وقت ملا لو...... چار بج کر تین منٹ......"

اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بشیر تم ہمیں جلدی وہاں تک لے جاؤ...... پھر یہاں لوٹ آنا...... اگر ممکن ہو تو ان دونوں کو اگلی منزل تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہوگی"

اس نے مکمل حاضر دماغی اور جرأت ایمانی کے ساتھ ایک کمانڈر کی حیثیت سے فیصلے کئے۔

"خدا حافظ......"

جہانگیر نے اپنے باقی ساتھیوں کو مخصوص اسلحہ اور گولہ بارود اٹھا کر اپنے تعاقب میں آنے کا اشارہ کیا۔

اللہ اکبر...... اللہ اکبر...... اللہ اکبر......

وہ سب باری باری مالک ارض و سما کی وحدت اور بڑائی بیان کرتے اپنے اپنے حصے کا بوجھ اپنے کندھوں پر لاد کر اپنے کمانڈر کے تعاقب میں دشمن کی سرکوبی کرنے جا رہے تھے......

ان کے جہاد کا آغاز ان کی توقع سے بھی پہلے ہو گیا تھا۔

شہادت گہ الفت میں قدم رکھنے کیلئے ان کی لپک دیدنی تھی۔ خدا کے یہ پراسرار بندے دشمن کی سرحدوں کی تقدس اپنے قدموں تلے روند کر یہاں آئے تھے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ کن کی مدد کرنے جا رہے ہیں؟

اس گاؤں کا نام کیا ہے؟

یہاں کے مکین کون ہیں؟

لیکن......

یہ جو کوئی تھے ان کے ساتھ مضبوط بندھن میں بندھے تھے۔ ان کے جواں جسموں میں یہ جان کر انگارے تڑپنے لگے تھے کہ بزدل ہندو فوج نے ان کے مجبور و مقہور مسلمان، بہن بھائیوں اور بزرگوں پر حملہ کیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت میں کہ "تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دشمن نے تمہارے ہمسائے میں کمزوروں کو ظلم کا نشانہ بنا رکھا ہے اور تم چپ چاپ بیٹھے ہو......" اللہ کے فرمان پر لبیک کہتے ہوئے اپنے مظلوم مسلمانوں کی مدد کو آ گئے تھے......

انہوں نے برف کے جہنم زاروں کو عبور کیا تھا۔

اور اب......

آگ اور خون کے سمندر میں اترنے جا رہے تھے۔

شمشیر نگر کے نزدیک پہنچنے پر فائرنگ کی آوازیں نمایاں ہونے لگی تھیں......

جہانگیر نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود گائیڈ بشیر کی معیت میں آگے بڑھ گیا۔ پہاڑی کی چوٹی سے اس نے اپنی آنکھوں پر دوربین لگائی اور سامنے کا سارا منظر نمایاں ہو گیا۔

بشیر نے اسے ہاتھ کے اشارے سے گاؤں کو آنے جانے والے راستوں کی پوزیشن سمجھا دی تھی۔

"ٹھیک ہے تم ساتھیوں کے پاس واپس جاؤ اور ہمارے لئے دعا کرنا......"

جہانگیر نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

گائیڈ بشیر نے دل وزبان سے لاکھوں دعائیں دیتے ہوئے اس کے ہاتھ کو گرمجوشی سے دبایا اور واپس لوٹ گیا۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

اس کی روانگی کے ساتھ ہی کمانڈر جہانگیر نے اپنے ساتھیوں کو نزدیک بلا کر دوربین کی مدد سے سامنے کا سارا منظر دکھا کر انہیں منصوبہ بندی سے آگاہ کیا اور انہیں ہدایات دے کر دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

دعا کا اختتام انہوں نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے کیا اور اپنے اپنے ٹھکانے کی طرف چل دیئے۔

جہانگیر تیزی سے پہاڑی سلسلے کو پھلانگتا اپنے نشانے کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

حملے کا آغاز اس نے کرنا تھا جس کے بعد اس کے ساتھیوں کی باری تھی......

اونچائی پر ہونے کے سبب فی الوقت وہ محفوظ تھے۔

جہانگیر کا پہلا نشانہ وہ ٹرک تھا جس پر پندرہ بیس فوجی ہتھیار سنبھالے اگلے حکم کے منتظر بیٹھے تھے۔

اچانک ہی ان پر قیامت نازل ہوئی۔

فرشتہ اجل بن کر وہ ان کے سروں پر پہنچ گیا تھا۔

جہانگیر نے یکے بعد دیگرے تین گرنیڈ ٹرک میں پھینکے اور وہ دھماکے سے اس طرح اڑا کہ بزدل دشمن ہل کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے ساتھیوں نے دشمن کی تین مارٹر توپوں کو ان کے توپچیوں سمیت اڑا دیا تھا جس کے بعد انہوں نے بھارتیوں کے اپنی رینج میں آنے والے باقی ٹرک اور جیپ بھی تباہ کر دیئے۔

اس اچانک حملے نے بھارتی فوج کو بوکھلا کر رکھ دیا......!

مجاہدین کی دہشت ان کے دلوں میں موجود تھی اور یہ عذاب بالکل غیر متوقع ان کے سروں پر نازل ہوا تھا...... وہ زخم خوردہ بھیڑیوں کی طرح دم دبا کر محفوظ سمت میں بھاگنے لگے۔

کمانڈر مختار کیلئے مجاہدین کا یہ حملہ تائید غیبی تھا......!

جہانگیر اور اسکے ساتھی گاؤں سے پہاڑ کی طرف آنے والا راستہ صاف کر چکے تھے اور دشمن بوکھلا کر گاؤں کی شمالی سمت بھاگ رہا تھا......

پندرہ بیس منٹ بعد ہی انہوں نے گاؤں کی سمت سے نعرہ تکبیر بلند ہوتے سنا جس کا مطلب یہی تھا کہ دشمن فی الوقت بھاگ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کمانڈر مختار کے عقب میں دو مجاہدوں اور کچھ مقامی باشندوں کو بھاگ کر اس طرف آتے دیکھا۔ جہانگیر کے ساتھ بڑھ کر بغل گیر ہونے والا پہلا شخص کمانڈر مختار تھا۔

"نصر من اللہ و فتح قریب"

بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور وہ جہانگیر سے لپٹ گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے آزادی اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا کا کلیجہ چھلنی کر دیا تھا......

سورج نے ان کی فتح کو نذر گزارنے کیلئے درختوں کی اوٹ سے تھوڑا سا سر باہر نکالا اور راستوں پر جمی برف سے شدت و نور سے اس کی روشنیاں رقص کرنے لگیں......

دونوں مجاہدوں کی یہ پہلی ملاقات تھی..........!!

لیکن......

دونوں کو اس بات کا علم تھا کہ دراصل یہ تجدید ملاقات ہے' وہ تو چودہ سو سال سے ایک دوسرے کے کندھے سے کندھا ملا کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتے آرہے تھے۔ کمانڈر مختار کو حالات کی سنگینی کا شاید سب سے زیادہ ادراک تھا۔ اس نے گاؤں کے لوگوں کو فوراً گاؤں چھوڑ کر پہاڑ کی دوسری سمت نکل جانے کیلئے کہا تھا۔

وہ جانتا تھا بمشکل آدھ گھنٹے بعد دشمن کمک لے کر واپس آجائیگا......!!

ایک لمحے کیلئے اسکے دل میں اپنی ماں اور بہن کا خیال بھی آیا' لیکن اس تشویش پر گاؤں کے دوسرے لوگوں کی سلامتی کا جذبہ غالب آگیا

"چاچا امیر......" اس نے اچانک ہی ایک بوڑھے کو آواز دی۔

"تم زینب اور ماں کو لے کر دوسری طرف نکل جاؤ............"

"صرف زینب بیٹا ......تمہاری ماں شہید ہوگئی......" بوڑھے نے بغیر لگی لپٹی رکھے بڑے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"اناللہ وانا علیہ راجعون" کمانڈر مختار' جہانگیر اور دوسرے مجاہدوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔

مختار کی آنکھیں ضرور بھر آئی تھیں' لیکن کیا مجال جو اس کے پائے ثبات میں لغزش آئی ہو............

"چلیے............" اس نے کمانڈر جہانگیر کو اشارہ کیا۔

تھوڑی دیر بعد کمانڈر مختار اپنے دونوں زندہ ساتھیوں سمیت ان کے درمیان موجود تھا۔

☆☆☆

کرنل دوبے اور کیپٹن تارا چند اس قافلے میں سفر کرنے کے بجائے ہیلی کاپٹر کے ذریعے یہاں پہنچے تھے جو بمشکل آدھے گھنٹے بعد ہی اپنے حملہ آور دستے کی طرف سے "ایس او ایس" ایمرجنسی پیغام ملنے پر یہاں پہنچا تھا۔

اب وہ دونوں کمانڈر مختار کے مکان کے اندر اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھ رہے تھے جن کی نحوست میں کئی گناہ اضافہ ہوگیا تھا۔

شہید ماں اور دوسرے شہیدوں کی لاشیں یہاں نہیں تھیں' گاؤں والوں کی وہ لاشیں دیکھ کر اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو زور سے دوسرے ہاتھ پر مارا۔

"کریک ڈاؤن"۔

اس کے منہ سے نکلا اور کیپٹن تارا چند کی طرف دیکھے بغیر وہ ہیلی کاپٹر کی طرف چل دیا۔

"کریک ڈاؤن"

کیپٹن تارا چند نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگتا ہوا گاؤں کی حدود سے باہر نکل آیا۔

کرنل دوبے کا ہیلی کاپٹر ابھی فضا ہی میں تھا جب اس کے حکم پر عمل شروع ہوگیا۔ شکست خوردہ اور بوکھلائے ہوئے بھارتیوں نے گاؤں پر اپنا غصہ نکالنے شروع کر دیا تھا۔ انہوں نے تباہ کن گولہ باری کی تھی۔

دس منٹ کی مسلسل گولہ باری نے گاؤں کو ملبے کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا تھا۔ جہاں چند گھنٹے پہلے زندگی اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ موجود تھی وہاں اب لکڑی کے مکانوں سے آگ اور دھوئیں کی لپٹیں آسمان کی طرف اٹھ کر نوحہ خوانی کر رہی تھیں۔

"کریک ڈاؤن" مکمل ہوگیا تھا۔

فاتح بھارتی فوج اپنے ٹھکانوں کی طرف واپس جا رہی تھی۔

☆☆☆

کیپٹن تاراچند بڑی شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔

اس نے کرنل دوبے کی خاصی شہرت سن رکھی اور خود اسے بھی احساس تھا کہ بھارتی فوج کے ''گستاپو'' کی حیثیت سے اس کی اپنی شخصیت کو بھی زبردست دھچکا لگا تھا۔ اس وقت وہ کرنل دوبے کے سامنے خاصا شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

''نوڈفرنس''..... کرنل ڈوبے نے اچانک ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

کیپٹن تاراچند نے ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھا۔ کرنل دوبے کے ہونٹوں پر ایک مکارانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''مجھے بھی ایسے شکار کا مزہ آتا ہے جس پر محنت کرنی پڑے۔ کیپٹن میں مچان لگا کر شکار کھیلنے کا قائل نہیں...... یہ کام تو بھارتی فوج کے کسی بھی کرنل سے لیا جاسکتا ہے...... مجھے یہاں وہ کچھ نہیں کرنا جو میرے پیشرو کرتے آئے ہیں''۔

اس نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کن اکھیوں سے کیپٹن تاراچند کی طرف دیکھا۔

دھوئیں کے مرغولے اس کے منہ سے نکل کر فضا میں دائرے بنا رہے تھے۔

''اس کی بہن کی لاش نہ ملنے کا ایک ہی مطلب ہے کیپٹن...... کہ وہ ابھی زندہ ہے''۔

اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ جماتے ہوئے اس نے کیپٹن تاراچند سے کہا۔

اور.............

تاراچند کو اس کی بات کا سارا مطلب سمجھ آ گیا۔ خوامخواہ ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر اتر آئی۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے تھے وہ جان گیا تھا کہ کرنل دوبے کیا چاہتا ہے۔

''میں سمجھ گیا سر!'' کیپٹن تاراچند نے اطاعت میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''گڈ...... یہ ہوئی ناں بات۔ کتنے گاؤں ہیں اردگرد...... صرف دو...... یا پھر جنگل...... میں نے شمشیر نگر کی طرف جانے والے راستوں پر پٹرول پارٹیاں پھیلا رکھی ہیں...... کیپٹن اس لڑکی کو زندہ گرفتار کرو...... میں اس کو چارہ بنا کر مختار کو اس کے ''ہائیڈ آوٹ'' سے باہر نکالوں گا...... پھر گھات لگا کر شکار کرنے کا مزہ آئے گا...... کیپٹن تاراچند ''ہانکا'' لگا کر اسے گھیر لو...... مجھے یہ شخص ہر صورت چند دنوں میں چاہیے...... اور ہاں تمہارے کیٹس کی موت کا افسوس مجھے بھی ہے...... زینب کو یہاں لانے سے پہلے ان کا بدلہ نہ اتارنا شروع کر دینا۔ خیال رہے مجھے ''جوٹھا شکار'' پسند نہیں۔''

اوہ نو سر...... میں سولجر ہوں سر! ڈسپلن کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ سنیئرز کا حق جونیئرز سے پہلے ہے سر!'' کیپٹن تاراچند نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

کرنل دوبے نے جواب میں اس سے زیادہ زوردار شیطانی قہقہہ بلند کیا تھا.........

اچانک ہی کرنل خلاف توقع سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے براہ راست کیپٹن تاراچند کی آنکھوں میں جھانکا۔ تاراچند کیلئے خود کو کرنل کہنا مشکل ہو رہا تھا۔

''ناؤ گو آہیڈ...... کیپٹن یاد رکھنا ہے رزلٹ چاہیے اپنی مرضی کا رزلٹ''۔

اس کی آواز سانپ کی پھنکار کی طرح کیپٹن تاراچند کے کانوں کے راستے دماغ میں گونج پیدا کر رہی تھی۔

''اوکے سر!''

کیپٹن تاراچند نے دونوں ایڑیاں جوڑ کر اسے سلیوٹ کیا اور فوراً باہر نکل آیا۔

''دغنی کو جلد از جلد پیش کرو......''۔

اس نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی اپنے ماتحتوں کو حکم دیا۔

''رائیٹ سر......''

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

Captured by Qamar Abbas

اس کے ماتحت سی آر پی کے ایک مقامی انسپکٹر نے جواب دیا جس کے ذریعے عموماً وہ لوگ غنی سے رابطہ قائم کیا کرتے تھے......

☆☆☆

شمشیر نگر کے باسی اپنے شہیدوں کو سپرد خاک کرنے کے بعد اپنے غاصبوں کا ماتم کر رہے تھے.....!!

دوپہر ہونے کو آئی تھی لیکن ابھی تک دھند کا سحر نہیں ٹوٹا تھا......گاؤں کے گرد پھیلے پہاڑوں پر برف کے بادل بڑے بڑے گالوں کی صورت میں بلند ہو رہے تھے۔ سورج کی کپکپاتی کرنیں کبھی کبھی برفیلے بادلوں کی اس دبیز تہہ کو توڑ کر چند منٹ کیلئے جب ماحول کو روشن کرتیں تو شمشیر نگر کے ادھ جلے مکانوں سے اٹھتا دھواں نمایاں ہونے لگتا۔ کہیں کہیں سے ابھی تک لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں آ جاتی تھیں۔

حسرت و یاس کی تصویر بنے گاؤں کے بوڑھے اپنے لمبے لمبے "فیرن" میں کپکپاتے اپنی متاع حیات کو جلتا دیکھ کر خون کے آنسو رو رہے تھے......! یا پھر وہ چند نوجوان تھے جو اپنے جلتے مکانات کے کھنڈرات سے بچا کھچا سامان نکالنے میں کوشاں تھے۔

ان کی آنکھوں سے ٹپکتی نفرت اور دلوں سے اٹھتا کرب اب الفاظ کی صورت اختیار کرنے لگا تھا......

اچانک ہی ایک کونے سے کسی بیوہ کی فلک شگاف چیخ سنائی دی۔ اس کا خاوند اور معصوم بچہ ماتا کی لگائی اس "ملی" کی بھینٹ چڑھ گئے تھے......

کونوں کھدروں میں سرنیہوڑے بوڑھے اور عورتیں فوراً اس کی طرف لپکے اور تھوڑی دیر بعد وہاں وحشیانہ ماتم ہونے لگا............

نوجوانوں کی آنکھیں خون برسانے لگی تھیں۔

اب تک گاؤں کی مسجد کے سامنے پانچ بچوں کی جلی ہوئی لاشیں اکٹھی کی جا چکی تھیں۔ عورتوں کے بین نوجوانوں کی نفرت اور قہر کو مہمیز لگا رہے تھے......

اچانک ہی فضا میں ایک دھاڑ گونجی......!

"بھارتی کتو......کشمیر سے نکل جاؤ......"

بین ڈالتی عورتوں نے اس طرف گردنیں گھمائی......ایک نوجوان وحشیانہ انداز میں نعرے لگا رہا تھا۔

اچانک ہی جیسے ساری وادی لرزنے لگی۔

"ہم سب مانگیں آزادی......"

سب یک زبان تھے......

وہ اپنے وجود کی تمام تر نفرتوں اور جوش کو مجتمع کر کے بھارتی سامراج کا ماتم کر رہے تھے۔ اپنے گھروں کے جل جانے......اپنے پیاروں کے نوالہ آتش بن جانے پر وہ خوف زدہ نہیں تھے۔

بھارتی فوج کی توقعات کے بالکل برعکس وہ ان کی درندگی سے سہمے نہیں تھے......سمٹے نہیں تھے۔ ان کے دلوں اور دماغوں میں موجود لاوا دبا نہیں تھا......پھیل رہا تھا......کرنل دوبے کے کریک ڈاؤن سے لگی آگ سے کہیں زیادہ آگ ان کے دلوں میں دہک رہی تھی۔ وہ بہر صورت آزادی چاہتے تھے......

یا پھر موت......

یہ کوئی جذباتی فیصلہ نہیں تھا......

جذباتی فیصلے جذبات میں بہہ کر ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں لیکن......

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

لم سے کئی گنا زیادہ ان کے دلوں میں بھارتی سامراج کیخلاف نفرت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔
ن ستم رسیدہ کشمیریوں میں آستین کا سانپ غنی بھی موجود تھی......اس نے بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے بھارتیوں
ی۔وہ بڑھ چڑھ کر انہیں گالیاں دے رہا تھا......!!

کشمیری احتراماً اس کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے اور غنی دل ہی دل میں خود کو داد دے رہا تھا۔
ر بھی جلا تھا......

۔جانتا تھا کہ ایک کے بدلے میں دس گھر مل جائیں گے' اگر وہ مختار کو گرفتار کروانے میں کامیاب ہو جاتا تو اس کا
نا۔یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کی بے پناہ ذلالت کے باوجود اس کی بروقت اور صحیح اطلاع کے باوجود مختار نہ صرف
ا بلکہ جاتے جاتے وہ لوگ بھارتی کمانڈوز کو بھی جہنم رسید کر گئے تھے۔

☆☆☆

......میرے بچو اور بچیو! ہمارا سب سے پہلا فرض ہے کہ اپنی ان بیٹیوں کو تلاش کر کے گاؤں میں واپس لائیں جو
ں سے بھاگ گئی ہیں......ہمارے لئے شرم کا مقام ہے کہ اس گاؤں کے عظیم سپوت کمانڈر مختار جس کی ماں نے
ں کا حق ادا کر دیا......اس عظیم مجاہد کی بہن گاؤں سے غائب ہے۔میرے بھائیو خدا کیلئے سب کام چھوڑ کر اسے
سکے اسے اس گاؤں میں واپس لاؤ......وہ ہماری عزت ہے۔ہمارا مان ہے......ہمارے عظیم کمانڈر کی بہن اور اس
ے کے دن اپنی مرحومہ بہن کو کیا منہ دکھائیں گے۔اسے کس منہ سے کہیں گے کہ اس کی بیٹی کی عزت کی حفاظت ہم
ور ہمارے گاؤں کی بیٹی کو ڈھونڈ کر لاؤ......اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو ہم خدا کے غضب سے کبھی نہیں بچ سکیں
کر دیئے۔
......ہم ابھی مر نہیں گئے کہ مختار کی بہن کی عزت کا تحفظ نہ کر سکیں۔جس کی ماں نے ہمارے لئے جان دیدی جس
ی آزادی اور عزت کی جنگ لڑ رہا ہے ہم اس کی بہن کی حفاظت نہ کریں لعنت ہے ہم پر......"
نے چیختے ہوئے غنی کی ہاں میں ہاں ملائی۔

Captured by Qamar Abbas

اپنے معمول کے مطابق غنی شام کے بعد شمشیر نگر سے ملحقہ گاؤں کی طرف جا رہا تھا جہاں اس نے قالین بانی کا کارخانہ لگا رکھا تھا۔

شمشیر نگر سے روانگی کے بعد اس نے دو تین مرتبہ مختلف حیلوں بہانوں سے اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ کوئی اس کا تعاقب نہیں کر رہا۔

اچانک ہی وہ پہاڑی راستے کی بھول بھلیوں میں غائب ہو گیا۔ اس نے جان بوجھ کر وہ پگڈنڈی اختیار کی تھی جس سے سفر کر تا وہ ریسٹ ہاؤس پہنچا تھا۔

ریسٹ ہاؤس کے چاروں طرف سکیورٹی کا جال پھیلا ہوا تھا۔

پہاڑی کے دامن میں بنی اس عقوبت گاہ کو قلعہ کی سی حیثیت حاصل تھی جس کے چاروں طرف ڈیڑھ دو کلو میٹر تک سی آر پی اور بھارتی فوج کی حفاظتی چوکیوں کا جال پھیلا ہوا تھا اور شام ڈھلنے پر اس علاقے میں باقاعدہ گشت بھی ہوتی تھی جس کا سلسلہ صبح تک جاری رہتا......

ریسٹ ہاؤس تک براہ راست پہنچنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس طرف سرکاری کام سے آنے والوں کیلئے بھی جو سڑک بنائی تھی اس پر بھی انہیں کافی دور روک کر پھر ''را'' کی فراہم کردہ ٹرانسپورٹ کے ذریعے ریسٹ ہاؤس تک کرنل دوبے کے پاس پہنچایا جاتا تھا۔

غنی معمول کے مطابق چلتا ہوا کرنل دوبے سے ملاقات کیلئے جا رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے کو بڑی سی گرم چادر سے اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ نزدیک سے دیکھنے پر بھی اس کی پہچان ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ سارا گورکھ دھندہ اس نے حفاظتی اقدام کے تحت پھیلایا تھا۔ اس بات کا اسے بھی بخوبی علم تھا کہ اگر وہ ایک مرتبہ کہیں مجاہدین کی نظروں میں آ گیا تو وہ لوگ اسے کشمیر تو کیا بھارت کے کسی بھی کونے سے ڈھونڈ کر بڑی اذیت ناک موت مار ڈالیں گے۔ اسے اپنے پیشرو بہت سے سرکاری ٹاؤٹوں کے حشر کا علم تھا۔ مجاہدین نے ان کو عبرت کا نشان بنا کر موت کے گھاٹ اتارا تھا۔

غنی نے جان بوجھ کر ایک حفاظتی پوسٹ کا رخ کیا تھا۔

''یہ سی آر پی'' کی پوسٹ تھی جہاں کا پوسٹ کمانڈر انسپکٹر منشی رام تھا جسے کیپٹن تارا چند نے بلا کر غنی کو فوراً پیش کرنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ لوگ غنی سے انسپکٹر منشی رام ہی کے ذریعے رابطہ کیا کرتے تھے۔

ابھی سورج مکمل غروب نہیں ہوا تھا اور پہاڑی کے دامن میں اتنا اجالا موجود تھا کہ وہ بیس تیس گز کے فاصلے سے دکھائی دے سکتا تھا۔

پوسٹ نزدیک آنے پر اس نے تربیت کے مطابق اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر کے ایک خاص سگنل دے دیا تھا۔

پوسٹ کے ''ٹاور'' پر آنکھوں سے دوربین لگائے سنتری نے انسپکٹر منشی رام کو آواز دے کر کسی اجنبی کی آمد سے مطلع کیا تھا اور اس کے اگلے احکامات کا منتظر تھا۔

''آنے دو سالے کو...... اپنا آدمی ہے''۔

منشی رام نے غنی کو موٹی سی گالی دے کر قہقہہ لگایا۔

اس کے باوجود دو سپاہیوں نے بڑی پھرتی سے غنی پر رائفلیں تان لی تھیں اور اسے اپنی رائفلوں کی زد میں ہی یہاں تک لائے تھے۔

انسپکٹر منشی رام کے اشارے پر وہ واپس لوٹ گئے۔

غنی نے اپنے منہ سے چادر ابھی تک الگ نہیں کی تھی کیونکہ ابھی تک وہ خود کو مکمل محفوظ خیال نہیں کرتا تھا.............

انسپکٹر منشی رام نے اپنے افسران کی ہدایت پر اس کا سواگت بڑا بھرپور کیا تھا...... اور اب اسے اپنی جیپ میں بٹھا کر کیپٹن تارا چند کی طرف لے جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تارا چند کے سامنے حاضر تھا!

''ویل مسٹر غنی...... کرنل صاحب بہت غصے میں ہے۔ تمہاری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے...... اس مرتبہ تمہاری انفارمیشن مکمل

نہیں تھی......کرنل تو تمہارے لئے کچھ اور سوچ رہا تھا لیکن میں نے یہ کہہ کر تمہاری جان بخشی کروائی ہے کہ تمہیں ایک اور موقع ضرور ملنا چاہیے......"

غنی کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس کا گلا دونوں ہاتھوں سے گھونٹ دے۔

لیکن......

وہ بے بسی سے سوائے خون کے گھونٹ پینے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا' پھر بھی اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا:

"سر! میرا کیا قصور ہے۔ میری اطلاع تو صحیح تھی"۔

"ایڈیٹ! تم نے یہ نہیں بتایا کہ ان کے پاس اتنا زیادہ ایمونیشن بھی تھا اور وہ اتنی زیادہ تعداد میں تھے۔ جن لوگوں نے پہاڑ کی طرف سے حملہ کیا ان کی اطلاع بھی نہیں......معلوم ہے یہ کتنا بڑا جرم بنتا ہے تمہارے خلاف' تمام جوان کہہ رہے ہیں کہ تم نے انہیں بے خبری میں مروا دیا"

تارا چند جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ جھوٹ ہے۔

مجاہدین کے پاس ان کے مقابلے میں اسلحہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھا البتہ جذبہ ایمانی بے پناہ تھا جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکے۔

اور......

پشت سے حملہ کرنے والوں کو تو غنی ہی کیا بھارتی انٹیلی جنس بھی نہیں جانتی تھی......وہ لوگ تو بلائے ناگہانی کی طرح ان پر نازل ہوئے تھے۔ اسلحے تو ان کے پاس بھی برائے نام ہی تھا۔ انہوں نے بھی بھارتی فوج کے دلوں پر مجاہدین کی دہشت سے ہی فائدہ اٹھایا تھا' ورنہ تو بھارتی فوج کے پاس ان کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر اسلحہ اور تربیت موجود تھی۔

غنی جانتا تھا کہ بزدل اور غدار کا سچ بھی جھوٹ اور غالب کا جھوٹ بھی سچ ہوتا ہے۔ اس کا تو نیچے کا سانس نیچے اور اوپر کا اوپر رہ گیا تھا۔

لیکن......

جلد ہی وہ سنبھل گیا۔

"مہاراج ابھی آپ کے ہاتھوں سے کچھ نہیں نکلا............"

اس نے چاپلوسی سے کہا۔

"دیکھو غنی......ہمارے ساتھ زیادہ ہوشیاری نہیں......تم کام تھوڑا کرتے ہو اور نمبر زیادہ بنانے کے چکر میں رہتے ہو......کرنل دوبے کو بہر صورت زینب چاہیے......ہم اس لڑکی کو قبضے میں لے کر مختار کو پیش ہونے پر مجبور کر سکتے ہیں......"۔

"جناب وہی تو میں عرض کرنے لگا ہوں"۔ غنی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"اچھا! اچھا......کہو......"۔

تارا چند نے ابھی تک اپنے چہرے اور لہجے کی درشتی کو قائم رکھا تھا۔

"کل سورج نکلنے سے کچھ دیر پہلے آپ کو زینب گھر پر مل جائے گا......وہ خوفزدہ ہو کر نزدیکی جنگل میں چھپ گئی تھی لیکن شمشیر نگر کے نوجوان اسے واپس لے آئے ہیں۔

غنی نے مکاری سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"اوہ......ویل ڈن......"

تارا چند کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اس مرتبہ آپ رازداری کا خاص اہتمام کیجئے اور جو راستے میں بتاؤں ادھر سے حملہ کیجئے' تب ہی گوہر مقصود ہاتھ آئے گا......"

غنی نے اپنی اہمیت جتانے کا چکر چلایا۔

''ٹھیک ہے...... بتاؤ......''

تاراچند نے اس کے سامنے کاغذ اور قلم رکھ دیا۔

غنی اسے کاغذ پر لکیریں لگا کر سمجھانے لگا کہ اس مرتبہ ان لوگوں کو کس راستے سے شمشیر نگر میں داخل ہونا چاہیے اور کس طرح خاص رازداری کا اہتمام کرنا چاہیے۔

''غنی...... ایک بات یاد رکھنا...... اگر اس مرتبہ تمہاری اطلاع نامکمل ہوئی اور ہمارے جوانوں کو ''این کاؤنٹر'' فیس کرنا پڑا...... تو...... تو شاید تمہیں کرنل صاحب سے بھگوان بھی نہ بچا سکے......''

تاراچند نے اسے وارننگ دی۔

''سر! آپ بالکل مطمئن رہئے......''

غنی نے اسے پھر اطمینان دلایا......

''ٹھیک ہے...... تم جاسکتے ہو...... منشی رام اس کا انعام دیدو......''

اس نے منشی رام کو اشارہ کیا......

تھوڑی دیر بعد منشی رام سے حقیری رقم وصول کرنے کے بعد غنی معمول کے مطابق واپس چل دیا۔

❁......❁

سی ٹاپ

سی ٹاپ، مظہر کلیم کی عمران سیریز کا ایک ناول ہے جس میں پاکیشیا کا ایک انتہائی اہم سائنسی فارمولا یورپ کی مجرم تنظیم کے ہاتھ لگ گیا ہے جسے خریدنے کے لئے ایکریمیا اور اسرائیل سمیت تقریباً تمام سپر پاورز نے اس مجرم تنظیم سے مذاکرات شروع کردیئے۔ گو یہ مجرم تنظیم عام بدمعاشوں اور غنڈوں پر مشتمل تھی لیکن اس کے باوجود تمام سپر پاورز اس تنظیم سے فارمولا حاصل کرنے کے لئے اسے بھاری رقم دینے پر آمادہ تھیں حتیٰ کہ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کو بھی اس فارمولے کے حصول کے لئے اس تنظیم سے بار بار سودے بازی کرنا پڑی اور بھاری رقم دینے کے باوجود فارمولا حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اس کے باوجود وہ اسے مزید رقومات دینے پر مجبور ہوجاتی تھی۔ ایسا کیوں ہوا۔ کیا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس ایک عام سی مجرم تنظیم کے مقابل بے بس ہوگئے تھے؟ ہر لحاظ سے ایک منفرد کہانی، جس میں پیش آنے والے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ایکشن اور بے پناہ سسپنس نے اسے مزید منفرد اور ممتاز بنادیا ہے۔ **سی ٹاپ** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

جزیرے پر دھماکہ

ابن صفی کے دوست اور شاگرد ایچ اقبال کے تخلیق کردہ کردار میجر پرمود کا جاسوسی کارنامہ۔ ایک سنسان جزیرے پر ملک دشمن عناصر کی قائم کردہ، اسلحہ فیکٹری کو تباہ کرنے کا مشن۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

Captured by Qamar Abbas

چوتھا باب

غنی نے واپسی کے سفر پر اپنی دانست میں کوئی بے احتیاطی نہیں کی تھی۔

لیکن......

وہ اس بات کا اندازہ نہ کر سکا کہ جہانگیر کے میدان عمل میں آ جانے سے مجاہدین کی قوت ہی میں اضافہ نہیں ہوا ''راء'' کیلئے بھی مصائب کا انبار کھڑا ہو گیا ہے۔

مختار کے ساتھ اپنے ''ہائیڈ آوٹ'' پر بخیر و عافیت پہنچنے کے بعد اس کیلئے یہ سوال زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ آخر شمشیر نگر میں مختار کی موجودگی کی خبر ''راء'' تک کس طرح پہنچی۔

شمشیر نگر کا بچہ بچہ آزادی کیلئے کٹ تو سکتا تھا۔

لیکن......

اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ بھارتی انٹیلی جنس کو اس گاؤں میں مختار کی موجودگی سے مطلع کریں۔ ''بلیک کیٹس'' کے حملے نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ اس گاؤں میں ان کا ٹارگٹ صرف مختار کا گھر تھا۔

اور یہی ان کے اس گاؤں پر حملے کا بھی جواز بنتا تھا۔

''جہاں تک میں نے غور کیا ہے کوئی بھی فرد ایسا نہیں جس پر شک کیا جا سکے'' مختار نے بڑے غور و فکر کے بعد کہا۔

دونوں اپنے محفوظ ٹھکانے پر پہنچنے کے فوراً بعد ہی دشمن کیخلاف جوابی کارروائی کا جائزہ لینے بیٹھ گئے تھے۔ جہانگیر نے اسے کہا تھا کہ وہ مشتبہ لوگوں کی ایک فہرست ضرور بنا لے۔ مختار نے جہانگیر کے ساتھ ''بیس کیمپ'' میں تین ماہ گزارے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ مارشل آرٹس اور انٹیلی جنس کی جدید ترین تکنیک پر مہارت رکھنے والا جہانگیر بظاہر عام معاملات کو بھی بہت سیریس لیتا تھا۔

اس بات کا اندازہ تو مختار بھی بخوبی لگا سکتا تھا کہ بھارتی انٹیلی جنس جس تیزی سے ٹاؤٹوں کا جال بچھا رہی ہے اس سے مجاہدین کی کوششیں بری طرح اثر انداز ہو رہی ہیں تحریک کے آغاز ہی میں مجاہدین نے مقبوضہ کشمیر میں ایک بڑا آپریشن کر کے ان آستین کے سانپوں کو نشان عبرت بنایا تھا۔

لیکن......

بدقسمتی سے مسائل کی چکی میں پسے مجبور کشمیریوں میں سے بھارتی انٹیلی جنس کو اپنے کام کا کوئی نہ کوئی آدمی مل ہی جاتا تھا۔

''شمشیر نگر کے نزدیک ان کا کون سا اڈہ ہے؟'' اچانک ہی جہانگیر نے پوچھا۔

''ریسٹ ہاؤس...... کیوں؟'' مختار نے جواب دیتے ہوئے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ''فوراً اٹھو۔ ہم دونوں ابھی چلتے ہیں''۔ جہانگیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن کہاں......؟''

مختار کی الجھن ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی۔

''تمہارے گاؤں سے جو راستہ ریسٹ ہاؤس کی طرف جاتا ہے' ہم اس پر جتنا دور جا سکتے ہیں...... جائیں گے''۔ جہانگیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہم دو آدمی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم یہاں ان کی مورچہ بندیوں کا اندازہ نہیں کر سکتے...... ابھی ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ریسٹ ہاؤس پر سیدھا حملہ کریں...... خدا کرے جلد وہ وقت آئے...... تم نہیں جانتے وہ ارد گرد کے درجنوں دیہات تباہ کر دیں گے۔ لوگوں کو زندہ درگور کر دیں گے........... ایک زخم خوردہ اور جھنجھلاتے ہوئے ریچھ سے تم کیا توقع کر سکتے ہو؟'' مختار نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

''تمہارا اندازہ غلط ہے مختار...... ہم وہاں حملہ کرنے نہیں...... گھات لگانے جا رہے ہیں...... اور یہ گھات بھارتی فوج کیخلاف اپنے اس آستین کے سانپ کیخلاف لگائیں گے جس کو ہم ابھی پہچان نہیں رہے......''

جہانگیر نے اس کے تجسس کا خاتمہ کیا۔

''اوہ...... تو یہ مطلب ہے تمہارا......''

مختار کو بھی اب اس کی بات سمجھ آنے لگی تھی۔

''ہاں مختار...... جس کسی نے بھی یہ غداری کی ہے وہ آج ضرور اپنا انعام وصول کرنے یا پھر اپنی کارکردگی کی رپورٹ دینے وہاں جائیگا......'' جہانگیر نے کہا۔

''چلو چلتے ہیں......''

مختار کو اب تک اس کے پلان کی سمجھ نہیں آئی تھی لیکن اس نے ''بیس کیمپ'' میں جتنا عرصہ جہانگیر کے ساتھ گزارا تھا اس کے بعد سے وہ اس پر اعتماد کر سکتا تھا۔

سہ پہر کے بعد جہانگیر نے اپنے ساتھیوں کو ہدایات دیں اور اپنی شہادت کی صورت میں متبادل کمانڈر کا تعین کرنے کے بعد وہ دونوں کلاشنکوفیں اور کچھ گرنیڈ لے کر چل دیئے۔

مختار آگے آگے تھا اور جہانگیر اس کے تعاقب میں چل رہا تھا......

☆☆☆

چور بازار

بعض لوگ سیاست کا سہارا لے کر کس طرح ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، **چور بازار** پڑھ کر آپ بخوبی اندازہ لگا سکیں گے۔ جرم و سراغرسانی کی دلچسپ کہانی۔ ایک سپر مارکیٹ میں ہونے والی عجیب وغریب چوریوں کا احوال جہاں دکانوں کا ساز وسامان تالا توڑے اور نقب لگائے بغیر غائب ہو رہا تھا۔ اثر نعمانی کے تخلیق کردہ سراغرساں ندیم اختر کا کارنامہ۔

چور بازار کتاب گھر کے **جاسوسی ناول** سیکشن میں پڑھی جا سکتی ہیں۔

ریسٹ ہاؤس کی طرف سے شمشیر نگر کو آنے والے راستے تک پہنچتے پہنچتے شام ہونے لگی تھی۔ جہانگیر نے اس امکان کو نظر نہیں کیا تھا اور روانگی پر اپنے گلے میں ''نائٹ ویژن'' (اندھیرے میں دیکھنے والی دوربین۔ لٹکانا نہیں بھولا تھا)

دونوں بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہے تھے۔ دونوں ہی جانتے تھے کہ اگر ایک مرتبہ یہاں ''را'' کے بچھائے سکیورٹی جال میں پھنس گئے تو رہائی بہت مشکل ہو جائیگی۔

ایک مخصوص جگہ پہنچ کر مختار رک گیا۔

اس نے جہانگیر کو ہاتھ کے اشارے سے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ پہاڑی دکھائی جس کے دامن میں ریسٹ ہاؤس موجود تھا۔ یہاں راستہ قدرے کھل گیا تھا۔

لیکن.......

اندھیرا ہونے کے سبب انہیں زیادہ دور کا منظر واضح دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کبھی کبھی کسی کونے سے ٹارچ کی روشنی ایک لمحہ کو نمودار ہوتی تو دونوں کو اندازہ ہو جاتا کہ گشت شروع ہے اور پٹرول پارٹیاں آپس میں ''ملاپ'' رکھنے کیلئے سگنل دے رہی ہیں۔

جہانگیر مختار کی تقلید میں ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گیا جہاں سے وہ اس طرف آنے والے راستے کی خود کو دوسروں کی نظر سے محفوظ رکھ کر نگرانی کر سکتے تھے۔

جہانگیر نے دوربین اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور دونوں وقفے وقفے سے اسے آنکھوں سے لگا کر اندھیرے میں دور تک کا منظر دیکھ لیتے تھے۔ فی الوقت تو انہیں پہاڑوں کے قدرتی سلسلے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا......!

اس وقت جہانگیر نے آنکھوں سے دوربین لگائی ہوئی تھی جب اچانک ہی وہ چونکا اس نے ایک چٹان کی اوٹ سے برآمد ہونے والے راستے سے کسی سویلین کو اس طرف آتے دیکھا تھا جس نے مقامی لباس پہن رکھا تھا۔

ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیلتی چلی گئی۔

اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔ گوہر مقصود ہاتھ آنے والا تھا۔ اس ضمن میں انہیں زیادہ انتظار بھی نہیں کرنا پڑا۔

اس نے مسکراتے ہوئے دوربین مختار کی طرف بڑھا دی اور انگلی سے سامنے کی سمت اشارہ کیا۔

مختار نے دوربین آنکھوں سے لگائی۔ ''فیرن'' پہنے اور اپنے سر اور منہ کو ڈھانپے اسے کوئی شخص اس طرف آتا دکھائی دیا۔ دوربین کے شیشوں کو کلوز کیا تو اس کے خدوخال واضح ہونے لگے گو کہ اس کی شکل نمایاں نہیں ہو رہی تھی۔

لیکن.......

مختار چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

''یہ تو چاچا غنی تھا..............!

اس کی چال ڈھال اور جسمانی ساخت بالکل چاچا غنی جیسی تھی کہیں اس کی آنکھوں کو دھوکہ تو نہیں ہوا۔ اس نے سوچا اور دوبارہ غور سے اس طرف دیکھنے لگا۔ اب تو اس کا شک یقین میں بدلنے لگا تھا۔

یہ واقعی چاچا غنی تھا۔

''اوہ میرے خدایا........ یہ تو چاچا غنی ہے....... یہاں کیا کر رہا ہے؟''۔

بے ساختہ اس نے سرگوشی کی۔

''یہ تو ہم اس سے پوچھیں گے کہ یہاں کیا کر رہا ہے......چلو آؤ......اسے گھات لگا کر قابو کریں''۔

دونوں چیتے کی طرح دبے پاؤں اس راستے پر واپس گھوم گئے جس پر چلتے ہوئے وہ یہاں تک آئے تھے۔ مختار اب اسے ایک ایسے موڑ پر لے آیا تھا جہاں سے صرف ایک راستہ گاؤں کی طرف جاتا تھا' جس سے غنی کو بہر حال گزرنا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر چھپ کر بیٹھ گئے انہوں نے اپنے منہ ڈھانپ لئے تھے۔

☆☆☆

غنی پر یہ آفت بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوئی تھی۔

اس نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ مجاہدین اس کی خبر گیری کو یہاں بھی پہنچ جائیں گے۔ جیسے ہی وہ پہاڑی کے دامن سے اسی راستے پر گھوما جو شمشیر نگر کی طرف جاتا تھا' اچانک ہی گھات میں بیٹھے جہانگیر نے پنجوں کے بل ہوا میں زقند بھری اور اڑتا ہوا اس پر یوں گرا تھا کہ خوف کے مارے غنی کے منہ سے چیخ بھی نہ نکل سکی۔ جب اسے ہوش آیا تو جہانگیر نے ایک ہاتھ اس کے منہ پر سختی سے اس طرح جما دیا تھا کہ اس کیلئے اپنی گردن موڑنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

بجلی کی سی پھرتی سے دوسرے کونے سے مختار نے اس کی گردن پر کلاشنکوف کی نال جما دی۔

''خبردار......حلق سے آواز نہ نکالنا......چپ چاپ ہمارے ساتھ چلو......جہانگیر نے اس کے کان کے نزدیک سرگوشی کی۔

خوف کی ٹھنڈی لہر غنی کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔ اس کے ساتھ پے در پے حادثات ہو رہے تھے۔

اگر وہ چلانا بھی چاہتا تھا اب اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکتی تھی۔ اسے تو اب تک یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی ٹانگوں پر چلنے کے قابل کیسے رہا؟

جہانگیر نے مضبوطی سے اس کی قمیض کا کالر پکڑا ہوا تھا۔ غنی کو قمیض کے بجائے اس کی گرفت اپنی گردن پر محسوس ہو رہی تھی۔ اس کو اپنا سانس رکنے کا احساس ہونے لگا تھا۔

اس کے عقب میں مختار نے اس کی کمر سے رائفل کی ٹھنڈی نال چپکائی ہوئی تھی۔

''ہائیڈ آؤٹ'' تک پہنچتے ہوئے وہ تین چار مرتبہ لڑکھڑایا تھا۔ یہ الگ بات کہ ہر دفعہ اسے جہانگیر کے مضبوط ہاتھوں نے ایک انچ بھی اپنی جگہ سے ہلنے کی مہلت نہ دی تھی۔

''غدار......کمینے......بے غیرت......'' ہائیڈ آؤٹ پر پہنچتے ہی مختار پھٹ پڑا۔

اس کا خون کھولنے لگا تھا۔

''مم......میں بے قصور ہوں۔ مجھے زبردستی انہوں نے بلایا تھا۔ اگر میں نہ جاتا تو مجھے گولی مار دیتے......'' غنی خوف کے مارے اول فول بکنے لگا۔

''خاموش رہو......اور صرف ہمارے سوالات کے جواب دو''۔

جہانگیر نے مختار کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھ کے اشارے سے اسے نارمل رہنے کی تلقین کی۔

''اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو سب کچھ سچ سچ بتا دو......'' اس نے دوبارہ غنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''خدا کیلئے......'' ابھی اس کی قسم وہ نامکمل ہی تھی کہ مختار نے اس کے منہ پر زوردار ٹھوکر ماری اور وہ الٹ کر دور جا گرا۔

''خبردار اگر اپنے منہ سے خدا کا مقدس نام بھی نکالا......سچ سچ بتاؤ۔ تم کب سے ان کیلئے کام کر رہے ہو''۔

مختار نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

غنی نے پہلے تو آئیں بائیں شائیں کی اور چرب زبانی سے کام لے کر انہیں گمراہ کرنا چاہا۔

لیکن...........

دو چار ہاتھ لگنے پر وہ طوطے کی طرح سب کچھ بولتا چلا گیا۔ اس نے اپنی تازہ واردات بھی اس ''وعدے'' پر بیان کر دی تھی کہ وہ لوگ اسے جان سے نہیں ماریں گے۔

''دیکھو مختار میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب خدا کیلئے مجھے جانے دو...... میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ علاقہ کل ہی چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے کسی دوسرے شہر چلا جاؤں گا...... مجھے معاف کر دو......''

وہ گھگھیانے لگا۔

''ٹھیک ہے غنی...... ہم تمہیں گولی سے نہیں ماریں گے۔ تجھ جیسے گھٹیا اور بزدل غدار پر گولی ضائع کرنا حماقت ہے...... ہم تجھے نشان عبرت بنا کر بھارتی فوج کو پیش کریں گے...... کل جب بھارتی فوج تیرے بنائے ہوئے محفوظ راستوں سے گزرے گی اور ان کے درجنوں جوان جہنم رسید ہوں گے تو وہ زیادہ بڑی کمک کے ساتھ گاؤں پر حملہ آور ہوں گے۔

ہم تیری لاش گاؤں کے باہر باندھیں گے تاکہ انہیں علم ہو جائے کہ یہ سب تیرا ہی کیا دھرا ہے......'' مختار نے کہا۔

غنی لرز کر رہ گیا............ اس کی تو جیسے زبان ہی گنگ ہو گئی تھی۔ بمشکل اس نے اپنی حالت پر قابو پایا اور پھر منت سماجت کرنے لگا۔

''غنی...... تم سے بڑا احمق میں نے نہیں دیکھا...... مرنا تو تم نے ہے ہی...... اگر ہم نہیں ماریں گے تو بھارتی تمہیں مار دیں گے...... بے وقوف انسان تمہیں کل خدا کی عدالت میں بھی ذلیل وخوار ہونا ہے۔ کم از کم تم اتنے بے غیرت تو نہیں کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے بجائے ہندوؤں کے ہاتھوں مرنا پسند کرو گے...... اور ہاں ہم تو تمہیں صرف گردن سے رسی باندھ کر پھانسی پر لٹکائیں گے...... اگر تم ان کے ہتھے چڑھ گئے تو وہ تم پر دہی ڈال کر کتے چھوڑیں گے......''۔

جہانگیر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

غنی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی جان ہی بدن سے نکل گئی ہو...... جہانگیر کی باتیں شیشے کی طرح اس کے کانوں کے راستے اس کے دل و دماغ میں اتر رہی تھی وہ نڈھال سا ہو کر گرا اور بے ہوش ہو گیا......

''لے جاؤ اسے اور شمشیر نگر کے باہر آدھی رات کے بعد کسی درخت سے لٹکا دینا۔ اس کے گلے میں غداری کی تختی لٹکا دو تاکہ اس کے بھائی بندوں کو علم ہو جائے کہ ہمارا خون اتنا سستا بھی نہیں جو وہ فروخت کرتے پھریں......''

جہانگیر نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

جنہوں نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر اسے ہوش میں لانے کے بعد اس کی مشکیں کس کر ایک طرف پھینک دیا تھا۔

☆☆☆

جزیرے کے قیدی

جزیرے کے قیدی معروف اور منفرد مصنف نوشاد عادل کی مقبول ترین مہم جوئی، ڈراؤنی، معاشرتی، اصلاحی و اخلاقی کہانیوں پر مشتمل ہے۔ نوشاد عادل اس وقت بچوں کے پسندیدہ ادیبوں میں سے ایک ہیں۔ جزیرے کے قیدی بہت جلد کتاب گھر کے بچوں کے ادب سیکشن میں پڑھی جا سکے گی۔

کرنل دوبے کے سامنے بلیو پرنٹ نقشہ پھیلا ہوا تھا اور کیپٹن تارا چند اسے مختلف جگہ جھنڈیوں کے نشانات لگا کر اپنے حملے اور واپسی کے راستوں کی نشاندہی کر رہا تھا۔

"کیپٹن...... ایک بات یاد رکھنا...... یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں...... پاکستانیوں کے تربیت یافتہ ہیں...... جتنی آسانی سے تم ان پر قابو پانے کی سوچ رہے ہو اتنی جلدی وہ قابو آنے والے نہیں...... تم مجھے بہت پر اعتماد دکھائی دے رہے ہو...... لیکن میرا تجربہ ان سے نمٹنے کا تم سے زیادہ ہے...... بہت ہوشیار رہنا...... کسی بھی مرحلے پر "گھات" کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا...... اس مرتبہ ناکامی نہیں ہونی چاہیے...... حملہ کرنے جاؤ تو بحفاظت واپسی کو نظر انداز نہ کرنا...... تم میری بات سمجھ گئے ہو ناں......"

کرنل دوبے نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر اس کے دھوئیں کے مرغولے کیپٹن تارا چند کے منہ کے سامنے بکھیرتے ہوئے کہا۔

کیپٹن تارا چند یہی سمجھا تھا کہ کرنل دراصل اس کی سابقہ مہم کو بھولا نہیں جس میں انہوں نے توقع کے مطابق نتائج اخذ نہیں کیے تھے اور ابھی تک اسے اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ کامیاب رہیں گے۔

وہ بھی اگر کرنل کی جگہ ہوتا تو یہی سوچتا۔ اس نے سوچتے ہوئے گردن ہلا دی اور تن کر کھڑا ہو گیا۔

"سر...... اس مرتبہ نتیجہ مختلف ہوگا"

اس نے بڑے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

تارا چند نے یہ بات یونہی نہیں کہی تھی۔

وہ بھی بھارتی فوج کی مایہ ناز کمانڈو بٹالین کا کیپٹن تھا۔ آج تک اسے بھی کسی مہم میں اس بری طرح ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا تھا۔ اس نے میزو اور ناگالینڈ میں دہشت گردوں کے خلاف درجنوں آپریشن کیے تھے۔

لیکن............

کشمیری مجاہدین کی طرف سے اچانک جس مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اس طرح اچانک آرمی کے چھاپہ مارنے پر تو بڑے بڑے دم دبا کر بھاگ جایا کرتے تھے جب کہ یہاں گنگا ہی الٹی بہہ رہی تھی۔

ایک بات جو تارا چند نے بطور خاص نوٹ کی تھی وہ ان پر عقب سے اور اچانک حملہ تھا...... جس کا مطلب یہ تھا کہ مجاہدین کی تازہ کھیپ اس علاقے میں آ چکی ہے اور ان لوگوں کے ہائیڈ آؤٹ بھی نزدیکی جنگل میں کہیں تھے۔

مجاہدین کے خلاف آپریشن کا خطرہ وہ ابھی مول نہیں لے سکتے تھے۔ انہیں ابھی اپنے لئے تازہ کمک کا انتظار تھا۔

یہاں حالات قطعی مختلف تھے۔ مقامی آبادی کو مجاہدین کی مکمل مدد حاصل تھی اور وہ بھی ان کا ایک حصہ ہی شمار ہوتے تھے۔ تارا چند جانتا تھا مقبوضہ کشمیر میں غنی جیسے غدار انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ وہ شمشیر نگر کے کسی بچے کے جسم سے اگر بوٹی بوٹی بھی الگ کر دیتا تو بھی وہ مختار یا کسی بھی مجاہد

چٹانوں میں فائر

اردو جاسوسی ادب کے بانی، ابن صفی کی عمران سیریز سلسلے کا دوسرا ناول۔ اس ناول میں عمران ابھی سیکرٹ سروس کا ممبر نہیں بنا اور فری لانسر کی حیثیت سے کام کر رہا ہے اور اسے ایک ڈرگ لارڈ کو بے نقاب کرنا ہے جو گزشتہ کئی سو سال سے زندہ ہے۔ ابن صفی کے جادوئی قلم کا کرشمہ۔ طنز و مزاح، حیرت اور تجسس سے بھرپور یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سے متعلق اسے کوئی کام کی بات نہ بتاتا۔

اس کا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔

اسے یہ "ملٹی پرپز آپریشن" کرنا تھا۔ جہاں انہوں نے شمشیر نگر پر اچانک ریڈ کر کے زینب کو اغوا کرنا تھا وہیں دوسری طرف مجاہدین کے ممکنہ حملے کا تدارک اور پھر ان کی سرکوبی بھی اس کا مشن تھا۔

کرنل دوبے کو سیلوٹ کر کے جب وہ اپنی جیپ کی طرف لوٹ رہا تھا تو اس کا ذہن بیک وقت کئی باتیں سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

اس مرتبہ اس نے بڑی رازداری کا اہتمام کیا تھا............

حملے کیلئے سی آر پی اور بلیک کیٹس کے 30 جوانوں کو تیار کرنے کے بعد اس نے دو ٹرکوں اور ایک جیپ میں سارا منصوبہ سمجھا کر اپنے ایک لیفٹیننٹ کمار کی کمان میں شمشیر کی طرف روانہ کر دیا۔

اس گروپ کی روانگی کے قریباً پندرہ بیس منٹ بعد اس نے بھارتی فوج کے مایہ ناز 50 کمانڈرز کو اپنے ہمراہ لیا اور پیدل چل دیا۔

یہاں سے شمشیر نگر کا پیدل فاصلہ قریباً ایک گھنٹے کا تھا۔ ان لوگوں کو اس نے جنگی تربیت کے مطابق تین تین چار چار کی ٹولیوں میں پہاڑی سلسلے میں پھیلا کر ایڈوانس شروع کیا تھا۔ کیپٹن تاراچند نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں............

اس نے اس علاقے میں موجود مجاہدین کو نظر انداز نہیں کیا تھا...... وہ جانتا تھا کہ مجاہدین بھی ارد گرد موجود ہیں اور وہ ضرور اپنے نہتے شہریوں کی مدد کو آئیں گے...... گو کہ غنی نے اسے یقین دلایا تھا کہ میدان بالکل صاف ہے لیکن وہ گزشتہ تلخ تجربے کے بعد اب کم از کم غنی پر اعتبار کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔

☆☆☆

لیفٹیننٹ کمار کی جیپ سے "شکتی مان" (بکتر بند ٹرک) بالکل چپک کر چل رہا تھا۔ اس نے خود قربانی کا بکرا بننے کے بجائے اپنے صوبیدار کو جیپ میں بٹھا دیا تھا اور خود "شکتی مان" میں اپنی دانست میں بڑا محفوظ بیٹھا تھا۔ ٹرکوں کی چھتوں پر مستعد جوانوں نے اپنی انگلیاں مشین گنوں کے ٹریگر پر رکھی ہوئی تھیں اور وہ ایک لمحے کے نوٹس پر یہاں قیامت برپا کر سکتے تھے۔

رات ڈھل چکی تھی............

صبح کاذب کی روشنیاں پہاڑوں پر کپکپا رہی تھیں جب وہ لوگ اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ حیرت انگیز طور پر آج دھند کے بادل وقت سے پہلے ہی چھٹ گئے تھے اور مطلع بھی قدرے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی ہیڈ لائٹس جلا رکھی تھیں۔

اس کے پہلو میں موجود سگنلز کا حوالدار اپنی سیٹ پر تعاقب میں کیپٹن تاراچند کی کمان میں پیدل آنے والے دستے کو لمحے لمحے کی خبر دے رہا تھا۔

کیپٹن تاراچند کو آخری اطلاع یہی ملی تھی کہ وہ لوگ اب شمشیر نگر کے بالکل نزدیک پہنچ گئے ہیں جہاں سے گاؤں صاف دکھائی دے رہا تھا اور لیفٹیننٹ کمار نے اسے صاف بتایا تھا کہ وہ لوگ گاؤں میں اس کے منصوبے کے مطابق پھیل کر پیدل داخل ہوں گے انہوں نے ٹرکوں اور جیپ کی حفاظت کیلئے چھ جوانوں کو وہاں چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔

یہاں تک ملنے والی رپورٹس نے کیپٹن تاراچند کو بڑا خوش کر دیا تھا اور وہ یہ سوچنے لگا تھا کہ واقعی اس مرتبہ غنی نے صحیح نمک حرامی کی ہے اور جو راستہ انہیں بتایا ہے اس پر کوئی خطرہ نہیں۔

اچانک ہی زوردار دھماکے سے پہاڑی سلسلہ لرز اٹھا۔

کیپٹن تارا چند نے لیفٹیننٹ کمار کی آخری چیخ نما آواز سنی:

"ٹریپ"

اور اس کا وہ ہاتھ جس میں ساتھ چلنے والے جوان کے کندھے پر رکھے وائرلیس سیٹ کا ریسیور اس نے پکڑ رکھا تھا کانپ کر رہ گیا۔

تین چار دھماکوں کی آوازیں یکے بعد دیگرے سنائی دیں جس کے ساتھ ہی وائرلیس سیٹ پر خاموشی چھا گئی۔

"اوہ مائی گاڈ............" اس کے منہ سے نکلا۔

ریسیور اس نے سگنلر کو لوٹا دیا تھا۔

"ہیڈ کوارٹر ملاؤ......" اس نے فوراً ہدایت دی۔

دوسرے ہی لمحے ہیڈ کوارٹر لائن پر تھا۔ سگنلر نے ریسیور اسے تھما دیا۔

"فوراً گن شپ ہیلی کاپٹر بھیجو...... ہمارے جوان ٹریپ میں پھنس گئے ہیں...... فوراً...... ایس او ایس......"

اس نے بڑی اونچی آواز میں چلاتے ہوئے کہا حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔

"کیپٹن............ یہ ممکن نہیں...... ابھی ایک گھنٹے تک ہیلی کاپٹر اڑانے کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا...... ہمارے چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی ہے...... ہمارے لئے تو ہیڈ کوارٹر سے باہر موو کرنا بھی ممکن نہیں......"

دوسری طرف سے جواب ملا۔

"اوہ بھگوان...... یہ لوگ تو مارے جائیں گے۔ او کے۔ صوبیدار رام پرشاد کو بلاؤ۔ ہری اپ...... جلدی......"

اس نے اپنے ساتھ لگے نائب کو ہدایت دی۔

دوسرے ہی لمحے صوبیدار اس کے سامنے تھا۔

"یس سر......" اس نے ایڑیاں بجائیں۔

"رام پرشاد پندرہ جوانوں کو لے کر فوراً نکلو اور لیفٹیننٹ کمار کی مدد کرو...... ہری اپ...... میں تمہارے پیچھے سے "کور فائر" دوں گا......"

اس نے صوبیدار کو حکم دیا۔

"او کے............ سر"

صوبیدار نے فوجی انداز میں زور سے چلاتے ہوئے کہا اور فوراً دس جوانوں کے ہمراہ تیزی سے ان سے آگے نکل گیا۔

کیپٹن تارا چند نے باقی کمانڈوز کو اپنے بائیں اس طرح پھیلا دیا تھا کہ اگر ان پر اچانک حملہ بھی ہو تو وہی مارے جائیں اور وہ خود محفوظ رہے............!!

صوبیدار رام پرشاد کو وہاں سے نکلے ابھی دس منٹ بھی نہیں ہوئے تھے جب انہیں فائرنگ کی آواز سنائی دینے لگیں۔

کیپٹن تارا چند کو اندازہ ہو گیا کہ اس کا واسطہ کسی عام دہشت گردی سے نہیں بڑے منجھے ہوئے کمانڈو سے پڑا ہے۔ مجاہدین کا جو کوئی بھی لیڈر تھا بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے حملہ آور گروپ کے تعاقب میں آنے والی کمک کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور لیفٹیننٹ کمار اور اس کے ساتھیوں کو "ایڈوانس کالم ٹریٹ" دینے کے بعد ان کی گھات میں بیٹھا تھا۔

"ویل ڈن بوائے............"

اس نے بڑبڑاتے ہوئے اپنے دشمن کو داد دی۔

بھارتی کمانڈوز کو اس نوعیت کی مزاحمت کا سامنا اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

صوبیدار رام پرشاد کے تین ساتھی ایک بارودی سرنگ کا نشانہ بن چکے تھے۔ دو نے تو موقع پر ہی دم توڑ دیا تھا جبکہ تیسرا اپنی جان گنوا بیٹھا تھا۔

اس نے "واکی ٹاکی" پر گھبراہٹ میں یہ رپورٹ کیپٹن تاراچند کو دی تھی۔

تاراچند حیران رہ گیا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی جلدی ان لوگوں نے بارودی سرنگیں بھی راستے میں بچھا دی ہیں۔ یقیناً لیفٹیننٹ راج کمار کا کالم بھی ایسے ہی کسی "ٹریپ" میں پھنسا ہوگا۔

اس کے بعد اب ایڈوانس کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔

یہ تو صریحاً خودکشی ہوتی۔

محض کرنل دوبے کو خوش کرنے کیلئے وہ اپنے کمانڈوز کو اندھے غار میں نہیں دھکیل سکتا تھا۔ تاراچند کو پریشانی یہ لگی تھی کہ ان لوگوں کو کس طرح علم ہوا کو صبح وہ گاؤں پر حملہ کریں گے کیونکہ یہ اطلاع بہت خفیہ تھی۔ رازداری کا اتنا اہتمام کیا گیا تھا کہ حملہ آور فوج کو بھی عین آخری لمحات میں بریفنگ دی گئی تھی۔

"کہیں غنی نے ڈبل کراس تو نہیں کیا؟"

اس کے ذہن میں فوراً ایک شبے نے سر ابھارا۔

"یقیناً...... وہی اس تباہی کا ذمہ دار ہوگا...... یقیناً اس نے بھارتی کمانڈوز کا یہ حشر کروایا ہے...... لیکن غنی کی مجال کیسے ہوئی؟...... اوہ بھگوان...... کہیں وہ مجاہدین کے قابو تو نہیں آ گیا؟"

پھر خود ہی اس نے سوچا اور اپنی گردن ہلانے لگا۔

اس بات کا علم تو کیپٹن تاراچند کو بھی تھا کہ "را" کی طرح مجاہدین نے بھی اپنے وسائل کی حد تک جاسوسی کا جال پھیلا رکھا ہے اور جب انہیں کسی کشمیری مسلمان کے "ٹاؤٹ" ہونے کی اطلاع ملتی ہے تو وہ ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر کسی خطرے کو خاطر میں لائے بغیر اس کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ گزشتہ چھ سات ماہ سے انہیں "ٹاؤٹوں" کے حصول میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

مقامی ہندو آبادی تو جہاد آزادی کے آغاز ہی میں خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی تھی حالانکہ مجاہدین کی طرف سے ان پر کوئی دباؤ نہیں تھا جس کا ثبوت وہ غیر مسلم تھے جو وادی میں موجود تھے اور جن کے جان و مال کی حفاظت خود مجاہدین کرتے تھے کسی کو ان کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب بھی انہوں نے کسی ایسی ہندو یا سکھ فیملی سے "مدد" کی درخواست کی تو انہیں کورا جواب ہی ملتا تھا۔ دباؤ ڈالنے پر ان لوگوں نے مجاہدین کے ساتھ دغابازی کرنے کے بجائے یہاں سے ہجرت کر جانا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔

اکا دکا ایسی مثالیں اگر ملتی بھی تھیں تو وہ کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں۔ بھارتی انٹیلی جنس "را" نے گزشتہ چھ سات مہینے سے سختی سے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی ہندو یا سکھ کے بجائے صرف مسلمان "ٹاؤٹوں" پر ہی اعتماد کریں گے کیونکہ غیر مسلم ان کیلئے ہمیشہ سیکورٹی رسک بنے رہتے تھے۔ یوں بھی "را" کے دباؤ کے بعد وادی سے ہجرت کر کے دہلی جانے والے کچھ کنبوں نے جب وہاں کے پریس کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ مجاہدین کے خوف سے نہیں بلکہ اپنوں کی کارستانیوں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے ہیں تو "را" کو خاصی بدنامی کا سامنا کرنا پڑا......

اس مسئلے کو لے کر بھارتی "ودھان سبھا" میں بھی خاصی لے دے ہوئی تھی......

غنی ان کیلئے ایک سال سے کام کر رہا تھا اور اس نے "ریسٹ ہاؤس" کی بڑی اہم خدمات انجام دی تھیں۔ اس کی سماجی حیثیت بھی ایسی نہیں تھی کہ اس پر شک کیا جا سکتا۔ نہ ہی مقامی آبادی میں انہیں کوئی ایسا چالاک شخص دکھائی دیتا تھا جو اس لائن پر سوچتا۔

''یہ کون کمبخت یہاں آ گیا ہے......جس نے......''

اس نے ''بیس کیمپ'' کے نوواردکو موٹی سی گالی دی اور اپنے سگنلز کو ہیڈکوارٹر ملانے کیلئے کہا۔

ہیڈ کوارٹر سے رابطہ ہونے پر اس نے ساری صورتحال سمجھائی اور شمشیر نگر کی شمالی جانب وہاں سے تین چار کلو کے فاصلے پر واقع چھاؤنی سے مدد کی درخواست کی بصورت دیگر بہت نقصان کا اندیشہ تھا۔

ہیڈکوارٹر کیلئے اپنے جوانوں کی جانوں کے ضیاع کو شاید اتنی اہمیت حاصل نہیں تھی جتنی بھارتی کمانڈوز کی ''ساکھ'' کو تھی۔ اگر اس حملے میں بھارتی کمانڈوز کی زیادہ تعداد ماری جاتی تو ان کے ''مورال'' گرنے کا اندیشہ تھا۔

عام فوج میں پہلے ہی بددلی پھیلی ہوئی تھی اور مجاہدین کیخلاف روبہ عمل ہونے کے احکامات سنتے ہی ان کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے تھے۔

اگر ''سپیشل سروسز گروپ'' کے ساتھ بھی یہی تاریخ دہرائی گئی تو صورتحال بہت خطرناک ہو سکتی تھی۔

☆☆☆

ہیڈکوارٹر نے فوراً ہی یہ اہم پیغام بریگیڈیئر سود تک پہنچایا تھا جو اس علاقے کا ایریا کمانڈر بھی تھا۔ بریگیڈیئر سود نے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ ہوتے ہی اس کا سخت نوٹس لیا تھا اور کیپٹن تاراچند سے دو ہاتھ آگے نکل گیا۔

''شمشیر نگر کے پہاڑی سلسلے کے اردگرد موجود تمام یونٹس کو ریڈ الرٹ کرو............ پہاڑوں کے اوپر والی پوسٹوں سے کم از کم ایک گھنٹہ لگاتار پہاڑی سلسلے میں تمام مشتبہ جگہوں پر گولہ باری کرواؤ جس کے بعد چاروں طرف سے اس ایریا پر ''ریڈ'' کیا جائے......اردگرد پانچ پانچ کلومیٹر تک کا علاقہ سیل کر دو......خبردار اگر ایک بھی گھس بیٹھیا بچ کر نکلا...... پہاڑی راستوں کی ٹرانسپورٹ کو سختی سے چیک کرو......کوئی گاڑی چیک کئے بغیر اس ایریا سے نہیں نکلنی چاہیے......ناؤ گیٹ لاسٹ............''

اس نے کیپٹن تاراچند کے پیغام کا غصہ اپنے ماتحتوں پر اتارتے ہوئے انہیں اگلے احکامات سے آگاہ کر دیا............

بریگیڈیئر سود کی طرف سے کیپٹن تاراچند کو بڑے پیمانے پر ہونیوالی کارروائی کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

کیپٹن تاراچند نے سکھ کا سانس لیا۔ اب کم از کم وہ اپنا غصہ تو اتار سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد شمشیر نگر کا پہاڑی سلسلہ بھارتی میڈیم توپوں کے گولوں کی گڑگڑاہٹ سے لرزنے لگا۔ ان گولوں کے زوردار دھماکوں سے ساری وادی لرزنے لگی تھی۔

یوں دکھائی دے رہا تھا جیسے یہاں قیامت برپا ہو گئی ہے۔

بیٹری کمانڈر نے شاید پہلے سے اس علاقے کے چپے چپے کو ''مارک'' کیا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے ایک گھنٹہ تک یہاں ''کارپٹ فائرنگ'' کروائی تھی جس سے گھنے جنگل میں جابجا آگ بھڑک اٹھی تھی اور کئی درخت جڑوں سے اکھڑ کر گر پڑے تھے۔ ایک گھنٹے کی اندھادھند اور وحشیانہ گولہ باری کے بعد جب بھارتی فوج کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب وہاں کوئی ذی نفس زندہ نہیں بچا ہو گا تو اچانک فضا فوجی ہیلی کاپٹروں کے شور سے گونجنے لگی۔

بیک وقت مختلف سمتوں سے چھ سات ہیلی کاپٹر اس علاقے پر چکر لگانے لگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ہزاروں کی تعداد میں پیدل فوجیوں نے شمشیر نگر کے پہاڑی سلسلے کی طرف یلغار شروع کر دی۔

☆☆☆

Captured by Qamar Abbas

زینب پہاڑی کے ایک تنگ درے میں چھپی آنے والے وقت کے تصور سے لرزاں تھی...... وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کی طرح اب اس کی اپنی ماں سے بھی زندگی میں کبھی ملاقات نہیں ہوگی.............

ایک بیٹی ہونے کے ناطے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

شدت غم سے اس کے اندر آرے چل رہے تھے۔

آنسو جیسے اس کی آنکھوں سے مسلسل بہنے کے بعد اس کے گالوں پر منجمد ہو چکے تھے اور وہ ایک بڑے پتھر سے ٹیک لگائے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ کر نڈھال سی بیٹھی تھی جب اچانک اسے ایک جان لیوا احساس نے گھیر لیا.........!!

اسے یاد آ گیا وہ کمانڈر مختار کی بہن ہے اور اس بات کی بھی بخوبی سمجھ آ گئی کہ بھارتی فوج نے اس کے گاؤں پر حملہ کیوں کیا تھا؟

یقیناً ان لوگوں کو اس کے بھائی کی آمد کا علم کسی غدار کے ذریعے ہو گیا ہوگا اس نے سوچا۔

''خدا جانے مختار بچ گیا یا..........''

اس سے آگے اس کی سوچیں منجمد ہو گئیں۔

اس دنیا میں اب اس کا صرف ایک بھائی مختار ہی زندہ رہ گیا تھا۔ باقی سارا خاندان تو تحریک آزادی کی نذر ہو چکا تھا۔

زینب کو یاد آ گیا کہ جس روز اس طرح علی الصبح بھارتی فوج نے سارے گاؤں کو گھیرے میں لے کر اس کے بوڑھے باپ کو گرفتار کیا تو وہ گھر میں تہجد کی ادائیگی کے بعد مسجد کی طرف جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

''بیٹی گھبرانہیں.........اپنی ماں کا خیال رکھنا۔ میں تو اللہ کے حضور ہی حاضری دینے جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ کیلئے اپنے پاس بلانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر زندگی میں کبھی مختار سے ملاقات ہو جائے تو اسے یہ ضرور بتانا کہ میں نے آخری لمحات میں بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور ایک مجاہد کے باپ کی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر لبیک کہا۔ ممکن ہو تو میری لاش کو گاؤں کے قبرستان میں دفن کرنا اور جب میرے بیٹے کا مشن پورا ہو جائے تو اسے کہنا میری قبر کے سرہانے بلند آواز سے مجھے کشمیر آزاد ہونے کی خوشخبری سنائے..........بیٹی..........دشمن نزدیک آ رہا ہے وقت کم ہے۔ میں مکان کے باہر نکل کر سرنڈر کر رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے خوامخواہ اس گاؤں کے کسی بے گناہ کی جان جائے دم رخصت مجھے تم سے صرف یہی کہنا ہے کہ اپنے ارادے سے متزلزل نہ ہونا......اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اعزاز پر ہمیشہ فخر کرنا کہ تم سوپور کے سب سے بڑے مجاہد مختار کی بہن ہو......بیٹا کسی مرحلے پر بزدلی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ اگر تم نے یا تمہاری ماں نے بزدلی دکھائی تو دشمن کو خوش ہونے کا موقع مل جائے گا۔ میں نے تم سب کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں سونپا......اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و ناصر ہو......فی امان اللہ..........''

اتنا کہہ کر بوڑھے شیر زمان نے آخری مرتبہ اپنی بیٹی کے ماتھے پر بوسہ دیا اور بڑی مضبوطی سے قدم رکھتا اپنے مکان کی دہلیز عبور کر گیا۔

''بزدلو......بے غیرتو! فائرنگ بند کر دو..........میں گرفتاری دے رہا ہوں۔ میرے بیٹے کا انتقام اس گاؤں کے نہتے اور مقہور باشندوں سے کیوں لیتے ہو۔ ہمت ہے تو مجھے گولی مارو......آؤ ڈرو نہیں بھیڑیو..........میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے..........''

اس کی آواز میں جیسے رعد کڑک رہی تھی۔

بلیک کیٹس کے ایک گروپ نے اس کی طرف اپنی گنیں تان لیں اور اس طرح سہمے ہوئے اس کی طرف بڑھے جیسے وہ ابھی بم کی طرح پھٹ کر ان کی دھجیاں بکھیر دیگا۔

گاؤں میں بنے لکڑی کے مکانات کی کھڑکیوں سے سارے گاؤں نے وہ ایمان افروز منظر دیکھا جب بوڑھے شیر زمان کو بھارتی کمانڈوز کے بندوقوں کے بٹ مارتے گاؤں سے باہر لے جا رہے تھے اور وہ اپنے بدن پر لگنے والی ہر ضرب کے ساتھ ''اللہ اکبر'' اور آزادی کے نعرے بلند کر رہا تھا.........!

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

خدا جانے اس کے بوڑھے اور کمزور وجود میں کون سی توانائیاں سما گئی تھیں کہ جب وہ نعرہ بلند کرتا تو گاؤں کی ساری فضا دہل کر رہ جاتی!!

ایک لرزہ تھا جو چاروں طرف طاری تھا!

جب تک اس کی آواز کانوں میں آتی رہی' سارا گاؤں سہا سمٹا اس منظر کا رونا روتا رہا۔ جب اس کی آواز آنی بند ہوگئی اور فوجی اسے اپنے ٹرک میں بٹھا کر لے گئے تو اچانک جیسے کسی نے سارے گاؤں کو کالے علم سے باندھ دیا.........

ایک پراسرار سناٹا چاروں طرف در آیا تھا............ پھر اچانک ہی اس سناٹے کا سینہ چیرتی گاؤں کی مسجد کے لاؤڈ سپیکر سے ایک آواز بلند ہوئی......نعرہ تکبیر"

"اللہ اکبر............"

سارا گاؤں یک زبان ہو کر خدا کی وحدانیت کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی جیسے ایک برق سی چاروں طرف لہرا گئی۔

ہم مر کر لیں گے......آزادی

ہم چھین کے لیں گے......آزادی

ہم سارے مانگیں......آزادی

آزادی......آزادی......آزادی

مقبوضہ کشمیر کے اس گاؤں کی عورتیں اور بچے اپنے گھروں سے باہر آ کر گلا پھاڑ پھاڑ کر اپنا عزم غاصبوں تک پہنچا رہے تھے............

کانوں کے پردے پھاڑتی اچانک ایک معصوم بچے کی آواز ان تمام آوازوں پر غالب آنے لگی۔

پاکستان سے رشتہ کیا۔

لا الہ الا اللہ............!

سارا گاؤں یک زبان تھا۔

شمشیر نگر کے مکانوں سے بلند ہوتی یہ پکار نیلم کے پانیوں پر سفر کرتی کشمیر کی آزاد فضاؤں میں بھی پہنچ رہی تھی...... جہاں مصلحت تھی' مجبوریاں تھیں' ریا کاریاں تھیں' منافقتیں تھیں' جہاں بڑے تند و تیز بیانات تھے...... بڑے بڑے بلند و بانگ دعوے تھے......لیکن عمل نہیں تھا......!

ایک طرف وہ مجبور و مقہور اور مظلوم تھے جو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے "لا الہ الا اللہ" کے رشتے کو اپنا سب کچھ جان کر اپنی جانیں ہار رہے تھے............

دوسری طرف "آزاد حکمران" تھے جو وادی لولاب سے اٹھتی ان صداؤں سے سہم کر خوفزدہ ہو کر اپنے ایوانوں میں سمٹ رہے تھے۔

یہ خوف ان کی جان کو آ گیا تھا کہ اگر ان غلاموں نے واقعی اپنی زنجیریں کاٹ دیں اگر یہ واقعی آزاد ہو گئے تو............ان کی منافقتوں کے محل مسمار ہو جائیں گے......ان کے جھوٹے بھرم ٹوٹ جائینگے۔ ان کی سرداریاں ختم ہو جائینگی۔

ان کی مجبوری یہ تھی کہ اپنا خوف اپنی زبانوں پر نہیں لا سکتے تھے۔ اس طرح رسوائی ان کا مقدر بن جاتی۔ سو............وہ محلاتی سازشوں کے محاذ پر ڈٹ گئے۔ بظاہر انہوں نے مظلوموں کی حالت زار پر واویلا کیا۔

لیکن............

بڑی دلجمعی سے اس مشن پر گامزن رہے کہ کم از کم ان زندگیوں سے یہ غلام آزاد نہ ہو سکیں تاکہ انہیں کوئی روز بد نہ دیکھنا پڑے۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

زینب کے باپ کی لاش تیسرے روز گاؤں میں آ گئی تھی.................

غنی اور چاچا امیر بخش گاؤں کے دوسرے بڑے بوڑھوں کے ساتھ بمشکل اس کی لاش بی ایس ایف والوں سے لانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اس کے باپ کو "بی ایس ایف" کی سنگینوں کے سائے تلے دفن کیا گیا۔ اس روز چپکے سے اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔

لیکن.............

بارڈر سیکورٹی فورسز کے جاتے ہی جیسے فرشتوں کا زمین پر نزول ہونے لگا۔ نزدیک دور کے دیہاتوں سے ہزاروں کی تعداد میں کشمیری مرد عورتیں اور بچے وہاں اکٹھے ہو کر نعرہ زن تھے..........! ان کے دعا کیلئے اٹھے ہاتھ اور آنسو بہاتی اور آنسو برساتی آنکھیں شہید بوڑھے کے درجات کی بلندی پر غماز تھیں۔

زینب کو وہ سارا منظر نہ بھولنے والے خواب کی طرح یاد تھا۔

اس نے اپنی ماں کی آنکھوں میں کئی دفعہ موتی اترتے دیکھے تھے لیکن عجب عورت تھی وہ بھی کیا مجال جو کبھی اس نے اپنی بیٹی کے سامنے واویلا کیا ہو! بین ڈالے ہوں!

وہ تو صبر و رضا کا پیکر تھی..........

جب بھی زینب بے اختیار روتی اس کی ماں جھپٹ کر اسے اپنے کلیجے سے لگا لیتی۔

"نہ بیٹی ناں.......... تیرے باپ اور بھائیوں کی روحیں شرمسار ہوں گی...... بیٹی روز قیامت حشر کے میدان میں ہم انہیں کیا منہ دکھائیں گے.......... چپ کر جا میری لعل.......... چپ کر جا.......... صبر کر جا.......... اسے مشیت ایزدی جان لے...... ابھی تو نے بڑے سانحے دیکھنے ہیں تو ابھی سے ہمت ہارنے لگی..........! اور وہ روتی روتی اچانک اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹ لیا کرتی۔

آج جب وہ اس پہاڑی کے ایک غار نما حصے میں پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی تو اس کی ماں اسے دلاسہ دینے کیلئے یہاں نہیں آ سکتی تھی لیکن اچانک ہی جب اسے اپنی ماں کا خیال آیا تو اس نے بے اختیار اپنی دونوں آستینوں سے اپنے آنسو پونچھ لئے..........

اسے یوں لگا جیسے اس کی ماں کی روح اس کے صبر کی داد دے رہی ہو..........!

اچانک ہی ایک عزم اس کے اندر جنم لینے لگا تھا۔ اس نے شہیدوں کی بیٹی اور مجاہد کی بہن ہونے کے ناتے اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کر لیا تھا اور اب ایک ولولہ تازہ کے ساتھ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

اسے واپس جانا تھا..........

لیکن جائے کہاں؟

کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے بالآخر کپواڑہ میں اپنی خالہ کے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا اور اب اسی ارادے سے وہاں بیٹھی اس سوچ میں گم تھی کہ کپواڑہ تک کس طرح پہنچے گی۔ اس کے پاس تو زادراہ بھی نہیں تھا..........

اچانک ہی وہ چونکی..........!

اس کے حساس کانوں نے کچھ قدموں کی دھمک سن لی تھی۔ اچانک جیسے اس کی چھٹی حس نے احساس دلایا کہ یہ مہربان قدم ہیں..........

جلد ہی اسے آواز سنائی دینے لگی..........

"زینب بیٹی...... زینب بیٹی"۔

چاچا امیر علی کی مانوس آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ آہستہ آواز میں اسے پکارتا گاؤں کے تین نوجوانوں کے ساتھ اس طرف آ رہا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ یہیں موجود ہو گی.......... زینب نے اونچائی پر ہونے کے سبب اس بات کا اطمینان کر لیا تھا کہ چاچا امیر علی اور ان نوجوانوں

....

ں سے نیچے اترنے لگی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ چاچا امیر علی کے بوڑھے سینے پر سر رکھے بچوں کی طرح رو رہی تھی۔

نے والے نوجوان جنہوں نے ہاتھوں میں کلہاڑیاں پکڑی ہوئی تھیں' مودب نگاہوں کے ساتھ اس کے گرد قلعہ

ی ہم زندہ ہیں.........''

رائی ہوئی آواز سے کہا۔

انتظار تھا وہ فوراً چپ ہو گئی۔

وہ آگے آگے چلنے لگی اور مودب نوجوان سر جھکائے ان کے ساتھ پیچھے چلتے وہ لوگ گاؤں تک آ گئے جہاں سارا

ں فرش راہ کیے موجود تھا۔

ل دیا تھا۔

ید باپ کے پہلو میں دفنایا گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے اسے بتادیا تھا کہ اس کا بھائی زندہ اور محفوظ ہے۔ انہوں نے

ہے اور وہ جلد ہی دشمن کا حساب بے باق کر دینگے.........

یر علی کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھی تھی تو اچانک ہی دروازے پر ہونے والی آہٹ نے انہیں چونکا دیا.........

انب چھپنے کا اشارہ کر کے دروازہ کھولا' سامنے مختار کے ساتھی حفیظ اور جہانگیر موجود تھے.........

☆☆☆

دی باہر نکلو۔ ہمیں یہاں سے فوراً کسی دوسری جگہ پہنچنا ہے''

ں کہا۔

ساتھ اس کی طرف دیکھا جیسے اچانک اسے خود ہی سوال کا جواب مل گیا ہو۔ اسے سمجھ آ گئی کہ ضرور دال میں کچھ کالا

.........غنی بھارتیوں کا ٹاؤٹ نکلا.........''

Captured by Qamar Abbas

امیر علی نے زینب سے کہا۔

''میرے خیال سے ہمیں اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے............''

جہانگیر کی بات نامکمل ہی تھی جب اچانک تاراشمشیر نگر ایک زوردار دھماکے سے لرز اٹھا۔اس نے بجلی کی سی پھرتی سے اپنے کندھے سے لٹکتی گن کو ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''خیر ہے............یہ پہاڑی کے دوسری طرف کی آواز ہے۔شاید مجاہدین کی لگائی ہوئی سرنگ پھٹی ہوگی''۔

امیر علی نے اطمینان سے کہا۔

''چلیئے............''

زینب نے اچانک ہی ان کی گفتگو میں مداخلت کی۔اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بیگ پکڑا ہوا تھا جس میں شاید اس نے اپنی ضروریات کی کچھ چیزیں رکھ لی تھیں۔

حفیظ سب سے آگے بندوق ہاتھ میں پکڑے چل رہا تھا۔اس کے تعاقب میں امیر علی اور زینب تھے جہانگیر سب سے آخری میں ان تینوں کو کور دیتا ہوا آگے آ رہا تھا۔حفیظ نے لمبا اور محفوظ راستہ اپنایا تھا۔

رات گہری ہورہی تھی۔وہ اپنے ''ہائیڈ آؤٹ'' سے ابھی کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ اچانک جیسے حفیظ کے قدموں کو زمین نے جکڑ لیا ہو۔

اس نے تینوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر اسی پوزیشن میں جہانگیر کے پاس واپس آ گیا۔

''مجھے کچھ گڑبڑ نظر آ رہی ہے............''

اس نے جہانگیر کے کان میں سرگوشی کی۔

''ممکن ہے وہ پیش بندی کر رہے ہوں۔آخر صبح انہوں نے حملہ تو کرنا ہی ہے''۔

جہانگیر نے اطمینان سے جواب دیا۔

''پھر بھی تم ان کے ساتھ یہاں بیٹھو۔میں تھوڑا آگے جا کر صورتحال کا جائزہ لے آؤں''۔حفیظ نے کہا

''ٹھیک ہے''

جہانگیر نے اثبات میں گردن ہلائی اور حفیظ زمین پر بلی کی طرح پنجوں کے بل چلتا آگے نکل گیا۔

تینوں سانس روکے بیٹھے تھے۔

حفیظ کی روانگی کے قریباً دس منٹ بعد اچانک ہی فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونجنے لگی۔جہانگیر کو صورتحال سمجھنے میں ایک پل بھی نہیں لگا تھا اسے فوراً علم ہوگیا کہ حفیظ ٹریپ میں پھنس گیا ہے۔شاید بھارتیوں نے شام ڈھلتے ہی اپنے ''ناکے'' مضبوط کر لئے تھے۔

گولیوں کی آوازوں پر چند لمحوں کیلئے حفیظ اللہ اکبر کے نعروں نے غلبہ ضرور پایا تھا لیکن کب تک؟

شام مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

امیر علی اور زینب کو بھی صورتحال کی سنگینی کا ادراک ہوگیا تھا۔انہوں نے خوفزدہ انداز میں جہانگیر کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اپنے خدشات کا اظہار کر دیا تھا۔

''واپس چلیں......''

جہانگیر کے منہ سے ابھی بمشکل دو الفاظ ہی ادا ہوئے تھے جب اچانک ایک گولی سائیں کی آواز پیدا کرتی اس کے کان کے نزدیک سے گزر گئی۔کسی ماہر بازی گر کی طرح ایک لمحے کا توقف کئے بغیر اس نے اپنی جگہ سے جست لگائی اور زینب کے بازو کو پکڑ کر زمین پر اس کے ساتھ ہی

اس طرح گرا تھا کہ زینب کا سارا وزن جہانگیر کے دائیں کندھے پر آ گیا............اگر وہ اس عمل میں ایک لمحے کی تاخیر کر جاتا تو شاید امیر علی کے ساتھ زینب کی لاش بھی موجود ہوتی کیونکہ دونوں ہی بوکھلا کر سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔

جہانگیر کے زمین پر گرتے ہوئے آخری منظر بڑا ذیب ناک تھا' اس نے بوڑھے امیر علی کی چیخ سنی اور اس کے ماتھے سے خون کا فوارہ ابلتے دیکھا۔ ان کی طرف آنے والی گولیاں تو بوکھلاہٹ میں چلائی گئی تھیں۔

لیکن............

ایل ایم جی سے آنے والی یہ اندھی گولی بالکل نشانے پر لگی تھی۔ امیر علی کی کھوپڑی چیخ گئی تھی اور اسے شاید اگلا سانس لینے کی مہلت بھی میسر نہیں آئی تھی............زینب کے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل جاتی اگر جہانگیر نے اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھ دیا ہوتا۔ اپنے دوسرے ہاتھ سے اپنی گن زمین پر رکھ کر اس نے انگلی کے اشارے سے زینب کو خاموشی کی تلقین کی۔

زینب کیلئے یہ حادثہ حواس باختہ کر دینے والا ضرور تھا' لیکن وہ ایک مجاہد کی بہن تھی اور ایسی صورتحال کا سامنا بھی پہلی مرتبہ نہیں کر رہی تھی۔

دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی حالت پر قابو پا لیا تھا۔ گو کہ شدت غم سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا......لیکن اس نے زبان سے آواز نہیں نکالی تھی۔

جہانگیر نے اسے زمین پر لیٹے رہنے کیلئے کہا اور خود کہنیوں کے بل رینگتا ہوا امیر علی کی لاش تک جا پہنچا۔ گو کہ لاش کی حالت دور ہی سے بتا رہی تھی کہ اس میں زندگی کی ایک بھی رمق باقی نہیں' اس کے باوجود اس نے زمین سے چپکے ہوئے امیر علی کی نبضیں ٹٹولنا ضروری سمجھا تھا۔ پھر اس کے منہ سے "انا للہ وانا الیہ راجعون" نکلا اور وہ اس پوزیشن میں لوٹ آیا۔

اس نے زینب کے نزدیک پہنچ کر زبان سے کچھ نہیں کہا صرف اس کی طرف دیکھا اور اچانک اسے یوں لگا جیسے اس کے دل میں کوئی پھانس اٹک گئی ہو۔

زینب کو ابھی تک بھرپور نظروں سے اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب شاید پہلی مرتبہ وہ اس کی طرف مکمل واقفیت سے دیکھ رہا تھا۔ زینب کی آنکھوں میں جھلملاتے آنسو موتیوں کی لڑیوں کی طرح اس کے دونوں گالوں پر پھسل رہے تھے۔

لیکن............

اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی سسکیوں اور آہوں کا گلا گھونٹ لیا تھا۔

اس نے جب اپنی زخمی نگاہیں جہانگیر کی طرف اٹھائیں تو جہانگیر کو بھالا سا اپنے دل میں اترتا محسوس ہوا۔

زینب کیلئے یقیناً یہ حادثہ جانکاہ تھا............

چناروں کے آنسو

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف طارق اسماعیل ساگر کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا پہلا ناول **چناروں کے آنسو** کہانی ہے ایسے سر پھرے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ تحریک آزادی کشمیر اور ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔ چناروں کے آنسو کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

جہانگیر اور حفیظ نے دونوں کے ساتھ اپنے ہائیڈ آؤٹ تک جانا تھا جس کے بعد مجاہدین نے دشمن کیخلاف کارروائی کرنا تھا اور اگلے ایک دو روز میں جہانگیر کو اپنے تین ساتھیوں اور سامان کے ساتھ دریائے جہلم کو عبور کر کے دوسری طرف سری نگر کی وادی میں جانا تھا جہاں اسے کچھ اہم مشن سونپے گئے تھے۔

ایک بات کا اندازہ تو اسے ہو چلا تھا کہ ان کے ''ہائیڈ آؤٹ'' کو جانے والے راستوں کے اردگرد بھارتیوں نے پوزیشنیں سنبھال لی ہیں اور مقامی علاقے سے عدم واقفیت کی بنا پر اسے اس بات کا بھی علم نہیں تھا کہ ان کے خفیہ ٹھکانے کی طرف کون سا راستہ جا رہا ہے۔

''کیا زینب سے راہنمائی حاصل کی جائے؟''

اس نے خود سے سوال کیا' پھر اس احمقانہ سوچ پر خود ہی اسے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا کہ وہ بے چاری مجاہدین کے ٹھکانوں سے کہاں آگاہ ہوگی.........

''کیا کیا جائے.........کدھر جاؤں؟''

ایک ہی سوال بار بار اس کے ذہن کو کچوکے دے رہا تھا۔

''آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں.........کہیں میری وجہ سے.........''

اچانک ہی زینب نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

''نہیں.........دراصل حفیظ کو بھی راستے کا علم تھا۔ میں اس علاقے میں بالکل اجنبی ہوں' ہم تو کل ہی یہاں پہنچے ہیں.....'' جہانگیر نے کہا۔

دونوں اب ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

''کچھ عرصہ پہلے تک میں مختار بھائی کے ساتھیوں کیلئے ایک خفیہ ٹھکانے پر کھانا لے کر جایا کرتی تھی۔ اس راستے کا تو مجھے علم ہے.........معلوم نہیں......''

زینب نے بڑی جرأت سے اپنے جذبات پر قابو پا کر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اوہ میرے خدایا......مجھے تمہاری مدد کیلئے بھیجا گیا تھا اور میں خود.........''

جہانگیر نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''میں آپ کو وہاں تک پہنچاؤں گی''

زینب نے اتنے پرعزم لہجے میں اچانک یہ بات کہی کہ جہانگیر کے دل میں اس کے لئے پہلے سے موجود عقیدت دوچند ہوگئی۔

''نہیں زینب.........اب مجھے مزید وقت ضائع نہیں کرنا......ہمیں اگلے منصوبے پر عمل کرنا ہے.........چلو گاؤں کی طرف واپس جاتے ہوئے.........''

جہانگیر نے کہا۔

اسے اندازہ تھا کہ وقت کم ہے۔ مجاہدین شمشیر نگر میں بھارتی فوج کے حملے کا جواب دینے کیلئے اس طرف نکل پڑے ہوں گے۔ اسے حملہ آور مجاہدین کی کمان کرنا تھی۔

لیکن.........

حالات نے اسے اپنے ٹھکانے تک ہی نہیں پہنچنے دیا تھا' پھر بھی وہ اس سعادت سے محروم نہیں رہنا چاہتا تھا۔ قدرت نے دوسری طرف اس پر ایک بڑی ذمہ داری زینب کی صورت میں عائد کر دی تھی۔

Captured by Qamar Abbas

زینب کو محفوظ مقام تک پہنچانے سے پہلے وہ کسی بھی قسم کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اسے رہ رہ کر ایک ہی خیال ستا رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ زینب کو کچھ ہو گیا تو وہ زندہ یا مر کر کمانڈر مختار کو کیا شکل دکھائے گا؟............

''نہیں زینب! مجھے ابھی کچھ اور فرائض بھی ادا کرنے ہیں۔ تم مجھے گاؤں کی طرف آنے والے راستے پر کوئی محفوظ مقام دکھا دو............ ایک مرتبہ میں ان سے نمٹ لوں پھر اس کے بعد دیکھیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے...........''

یہ کہتے ہوئے اس نے زینب کا جواب سنے بغیر اپنی ٹانگ سے بندھا خنجر نکال لیا۔ زینب کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے سرسبز پہاڑی کی نرم زمین کو کھودنا شروع کیا اور کھودتا چلا گیا۔

پندرہ بیس منٹ کی محنت کے بعد وہ قبر تیار کر چکا تھا۔

زینب کیلئے یہ سب کچھ ایک ڈراؤنے خواب کی طرح تھا' لیکن وہ اس حقیقت سے آنکھ نہیں چرا سکتی تھی کہ اس کا واحد غمگسار اس کا بزرگ چاچا امیر علی مر چکا ہے اور صبح تک اس کی لاش بے یار و مددگار پڑی رہی تو جنگلی جانوروں کا نشانہ بن جائیگی یا پھر تھوڑی دیر بعد اس راستے سے گزرنے والے بھاری بھرکم فوجی ٹرکوں کے ٹائروں تلے بیدردی سے کچل دی جائیگی۔

جہانگیر نے ان نازک لمحات میں بھی لاش کی حرمت کو مدنظر رکھا تھا............!!

جناتی دُنیا

جناتی دُنیا، مظہر کلیم کے باصلاحیت قلم سے علی عمران کا ایک اور کارنامہ۔ مثالی دُنیا اور سفلی دُنیا جیسے منفرد موضوعات پر کامیاب ناول لکھنے کے بعد اب حاضر ہے علی عمران بمقابلہ جنات۔ اس ناول میں عمران بدی کی طاقتوں، جن میں انسان اور جن دونوں شامل ہیں، سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے۔ ایک انوکھی طرز کا ناول، جس میں عمران سیکرٹ ایجنٹس سے نہیں بلکہ روحانی بزرگوں اور نوری علم سے مدطلب کرتا ہے۔ **جناتی دُنیا** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

وطن پرست

ایچ اقبال کے جاسوسی کردار، میجر پرمود کا ایک اور کارنامہ۔ ملک کے غداروں سے دست و گریباں ہونے والے اور جان پر کھیل جانے والے وطن پرستوں کا احوال، جس میں فوجی ہی نہیں، عام شہری بھی شامل ہیں۔ **وطن پرست** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

Captured by Qamar Abbas

پانچواں باب

گزشتہ تین سال سے اس نے پے در پے ایسے حادثات دیکھے تھے کہ اب اس میں برداشت کا حوصلہ اس کی توقعات سے زیادہ پیدا ہو گیا تھا..................

اپنے اردگرد اس نے سینکڑوں ایسی مثالیں دیکھیں تھیں جہاں مسلمان خواتین کے ساتھ بھارتیوں نے درندگی کا مظاہرہ کیا۔ ان میں اس کی سہیلیاں بھی شامل تھیں۔ اس کی جاننے والیاں بھی تھیں۔

لیکن..................

ان سب لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ جو راستہ ان کے مردوں نے اختیار کیا ہے اس کی قیمت بہرحال ساری قوم کو ادا کرنی پڑے گی۔ اس کے بھائی کمانڈر مختار نے باپ کی موت کے بعد اس سے پہلی ملاقات پر ہی یہ کہہ دیا تھا کہ وہ کمانڈر مختار کی بہن ہے اگر اس کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش آئی تو شمشیر نگر کے سارے گھروں کا مورال گر جائیگا............

زینب پر اگلے ہی روز اپنی ماں کی شہادت کا سانحہ ٹوٹا تھا............!!

اور آج اس کے خاندان کا آخری بزرگ بھی شہادت کے سفر پر گامزن ہو گیا تھا............!!

''یا اللہ! میں تیری کمزور بندی کسی مزید امتحان کے قابل نہیں۔ میرے خدایا مجھے بھی اب ان ہزاروں شہیدوں کا ہم سفر بنا دے جو مجھ سے پہلے اس سفر پر روانہ ہو چکے ہیں......''

اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔

شاید قدرت کیلئے اس کی یہ بے بسی ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔ اچانک ہی جیسے قہر خداوندی ٹوٹ پڑا ہوا۔ سارا پہاڑی سلسلہ زوردار دھماکوں کی آواز سے لرزنے لگا۔

شاید مجاہدین بھارتی فوج سے ٹکرا گئے تھے۔

جہانگیر جانتا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے گھات لگا رکھی ہے اور یہ ہینڈ گرنیڈ کے اور ''بزوکا'' کے دھماکے اس کے اندازکو سچ ثابت کر رہے تھے............ بھارتی فوج کا ہراول ان کا زد میں تھا۔

''زینب جلدی کرو......''

اس نے امیر علی کی لاش کی قبر میں ڈال کر اس پر مٹی گراتے ہوئے شاید زینب کو اپنی مدد کیلئے پکارا تھا۔

زینب نے اس کی توقعات کے بالکل برعکس ایک لمحے کا توقف کئے بغیر اپنے دونوں ہاتھوں اور بازوؤں کی مدد سے قبر کو مٹی سے بھرنا شروع کر دیا تھا۔

''قرون اولیٰ کی مسلم زادیاں یقیناً ایسی ہی ہوتی ہوں گی''۔

جہانگیر نے اس کو دل ہی دل میں نذر عقیدت گزاری۔ دونوں قرآنی آیات کی تلاوت کرتے جا رہے تھے۔

فائرنگ کی آواز تیز ہو رہی تھی۔ نئے ہتھیاروں کی آوازیں بھی اس میں شامل ہونے لگی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے پہاڑی سلسلہ زلزلہ سے

لرزنے لگا ہو۔

''چلو زینب..........جلدی کرو......''

اس نے زینب کے ہاتھ کو چھو کر شاید صورتحال کی سنگینی کا احساس دلایا۔

''چلو.........''۔

زینب نے اپنی چادر سنبھالی اور اس کے آگے آگے تیز رفتاری سے چلنے لگی۔ جہانگیر کیلئے اس کے چلنے کی رفتار حیران کن تھی۔ پہاڑی راستے پر بلکری کے مختلف پتھروں پر وہ جنگلی ہرنی کی طرح پاؤں دھرتی شمشیر نگری کی طرف بڑھ رہی تھی...... جہانگیر نے جلد ہی اندازہ کرلیا کہ اس نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جس سے گزر کر جس سے وہ گزر کر وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ وہ کسی دوسرے راستے سے اسے لے کر جارہی تھی۔

قریباً آدھے گھنٹے کے تھکا اور بھگا دینے والے سفر کے بعد اسے گاؤں کی جنوبی سمت میں اسی پہاڑی کے دامن میں لے آئی تھی جس کے پہلو سے مل کر پکی سڑک گاؤں کی طرف جارہی تھی۔

یہ بڑا محفوظ اور قدرتی طور پر مضبوط مورچہ تھا۔

اپنی گن پر نصب نائٹ ویژن سے اس نے جائزہ لینے کیلئے گاؤں کی طرف دیکھا جس پر موت کا سناٹا طاری تھا جبکہ سامنے کی سمت فضا میں آگ کی لکیریں برق رفتاری سے آسمان کی طرف بلند ہوتی دکھائی دیں۔

یہ گولیوں اور گولوں کے ٹریسر تھے۔ جہانگیر جانتا تھا بھارتی فوجی اپنی دانست میں مجاہدین پر نفسیاتی دباؤ بڑھانے کیلئے بے رحمی سے اپنا بارود پھونک رہے تھے۔ یہ فائرنگ کسی ''ٹارگٹ'' پر نہیں' بلکہ وہ لوگ صرف اندازے سے کررہے تھے۔

اس نے اپنی پشت سے بندھے کینوس کے بیگ کو کھول کر سامنے رکھ لیا تھا اور بندوق ہاتھ میں پکڑے اب بھارتیوں کی آمد کا منتظر تھا۔

''اگر آپ مناسب سمجھیں تو دونوں میں سے کسی ایک کے استعمال کی مجھے اجازت دیدیں''۔ زینب نے جو اس کے نزدیک ہی بیٹھی تھی اس سے کہا۔

''کیا مطلب؟ تم ہینڈ گرنیڈ پھینک سکتی ہو..........گن چلالوگی..........''

اس نے حیرانگی سے زینب کی طرف دیکھا۔

''جہانگیر صاحب میں ایک مجاہد کمانڈر کی بہن ہوں..........مجھے تو یہ کچھ آنا ہی تھا۔ کشمیر کی ایک ایک بیٹی نے آتش و آہن کا استعمال سیکھنا شروع کردیا ہے......ہم جانتے ہیں یہ جنگ صرف ہمارے جوانوں تک محدود نہیں۔ پوری قوم کو مل کر یہ لڑائی لڑنا پڑے گی''۔

اس نے بڑے وقار اور تمکنت سے کہا۔

''سبحان اللہ......میرا ایمان ہے زینب کہ جس قوم نے جہاد کو پہچان لیا وہ کبھی غلام نہیں رہ سکتی......''

''تم فی الوقت یہ تھیلا سنبھالو......ہمیں اپنی زد میں آنیوالے ٹرکوں پر بم پھینکنے ہیں جس کے بعد شاید یہاں سے فرار ہونے کیلئے بندوق چلانے کی ضرورت پیش آئے''۔

جہانگیر نے اسے انگلی کے اشارے سے دشمن کی ممکنہ آمد کا راستہ اور ان جگہوں کی نشاندہی کی جہاں سے وہ آسانی سے ان ٹرکوں کو نشانہ بنا سکتے تھے..........

انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔

جہانگیر نے سات آٹھ منٹ بعد ہی نائٹ ویژن سے اس طرف آنے والے ملٹری کنوائے کو دیکھ لیا تھا۔

یہ وہی کنوائے تھا جو لیفٹیننٹ راج کمار کی کمانڈ میں اس طرف آرہا تھا..........!!

زینب کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا جس نے اپنی چادر میں پانچ چھ گرنیڈ رکھ لئے تھے اور اب قلانچیں

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

بھرتی اس طرف جارہی تھی جس طرف کا مورچہ اس نے سنبھالنا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی متضاد سمت میں ایک دوسرے سے پندرہ بیس گز کے فاصلے پر مورچہ بند اپنے سانس روکے بھارتیوں کی آمد کے منتظر تھے............!!

سب سے آگے آنے والی جیپ پر پہلا حملہ کرنے کی سعادت بھی زینب کو حاصل ہوئی اس نے یکے بعد دیگرے تین ہینڈ گرنیڈ پن نکالنے کے بعد ایک دوسرے کے تعاقب میں جیپ پر پھینک کر اپنی ماں اور چاچا امیر علی کی شہادت کا حساب ابھی سے بے باق کر دیا تھا۔

جہانگیر نے جیپ کے تعاقب میں آنے والے ٹرک پر بم پھینکے تھے۔ پہاڑی سلسلہ ایک مرتبہ پھر زور سے لرز اٹھا۔

لیکن..........

اس مرتبہ دھماکوں کی آواز کے ساتھ ساتھ زخموں سے چور دم توڑتے بھارتی فوجیوں کی چیخیں بھی ان میں شامل تھیں جو ان دونوں کی روح کی گہرائیوں تک اترتی چلی جارہی تھیں۔

طمانیت اور سرور کا ایک جان بخش احساس ان میں در آیا تھا۔ دونوں خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے تھے............

جہانگیر نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بندوق سے ان فوجیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دوسری طرف دشمن کو بھی ان کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔ اسے شاید اپنی جان کی تو پرواہ نہیں رہی تھی۔

لیکن..........

زینب کو کچھ ہو گیا تو؟............

اس سے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکا۔

اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ مجاہدین اور بھارتیوں کے درمیان باقاعدہ ٹکراؤ کا آغاز ہو چکا ہے اور یہ بہترین موقع تھا۔ دشمن ابھی الجھا ہوا تھا۔ دونوں اس کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر مجاہدین کے جنگل میں موجود کسی بھی خفیہ ٹھکانے تک پہنچ سکتے تھے............!!

''چلو زینب اب یہاں سے نکلیں......بم ختم ہو چکے ہیں............!!

جہانگیر نے خالی تھیلا اپنی کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔

''چلیے......''

زینب دوبارہ اس کے آگے آگے چل دی۔

ان کے اس سفر کا خاتمہ بمشکل پندرہ بیس منٹ بعد ہی ہو گیا جب اچانک ہی وہاں قیامت صغریٰ برپا ہو گئی۔

بھارتی توپ خانے سے مجاہدین کے ممکنہ ٹھکانوں پر ''کارپٹ بمباری'' شروع کر دی تھی۔ اگر وہ اس قدرتی آڑ سے چند قدم بھی آگے نکل جاتے تو ان کے جسموں کے پرخچے اڑ سکتے تھے۔

دونوں نے اچانک رک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

''زینب آگے صرف موت ہے اور میں کچھ کرنے سے پہلے کسی اندھی گولی یا گولے کا نشانہ نہیں بنوں گا۔ اب ہمیں کہیں اور پناہ لینی پڑے گی..........'' جہانگیر نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔

''میں بھی آپ سے یہی کہنے والی تھی۔ اس تباہ کن گولہ باری میں ہمارا جنگل میں داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ چلیے اس علاقے سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے خیال سے ہمیں سوپور ہی سے نکل جانا چاہیے۔ میں آپ کو بانڈی پورہ کی طرف لے چلتی ہوں۔ انشاءاللہ وہاں ضرور مجاہدین سے ملاقات ہوگی''۔

''انشاءاللہ............''

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

جہانگیر نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

دونوں ایک مرتبہ پھر کسی محفوظ ٹھکانے کی تلاش میں موت کی اس شاہراہ پر گامزن تھے.........!!

☆☆☆

صبح کاذب کی روشنیاں برفیلے اندھیروں میں لپٹی کپکپا رہی تھیں جب بھارتی فوج کے سینکڑوں جوانوں نے شمشیر نگر پر کیپٹن تاراچند کی کمان میں دھاوا بولا......!!

انہوں نے گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے اپنا بارود جی بھر کے پھونکا تھا۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ دوسری طرف سے جواب میں ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی تھی۔ تاراچند نے تو اسے بھی مجاہدین کی کوئی چال ہی سمجھا تھا۔ اب تک اس کے ساتھ مجاہدین نے جو کچھ کر دیا تھا اس کے بعد سے تو اب نے ایک لمحے کیلئے بھی انہیں انڈر ایسٹیمیٹ نہیں کیا تھا......!

لیکن.........

اب تو سینکڑوں مکانات پر مشتمل شمشیر نگر راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا......... بادی النظر میں اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اب وہاں کوئی ذی نفس زندہ بچا ہو......اس نے اپنے جوانوں کو گاؤں میں داخل ہونے کا حکم دیا اور سینکڑوں کی تعداد میں بھارتی فوجی ہوائی فائرنگ کرتے گاؤں میں جا گھسے.........

انہوں نے کیپٹن تاراچند کے حکم پر گاؤں کے کونوں کھدروں اور مکانات کے تہہ خانوں میں چھپے تمام کشمیریوں کو بھیڑیوں کی طرح ہانک کر گاؤں کے وسط میں موجود ایک میدانی قطعے میں اکٹھا کر لیا تھا.........

کیپٹن تاراچند کی نظر بڑی بے چینی سے ایک ایک عورت کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

لیکن.........

اس کی توقعات کے برعکس ان میں زینب موجود نہیں تھی۔

''کمانڈر مختار کے تمام رشتہ دار ایک طرف ہو جائیں......''اس نے گاؤں والوں کو حکم دیا۔

لیکن.........

یہ کیا؟.........

اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک ایک کر کے گاؤں کے تمام لوگ دوسری طرف جمع ہو گئے۔

''کیا مذاق ہے......کیا بکواس ہے یہ.........''

اس نے غصے سے کھولتے ہوئے انہیں گالیاں دیکر کہا۔

''ہم سب کمانڈر مختار کے رشتہ دار ہیں.........''

اچانک ہی ایک بوڑھی عورت اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔

''ہوں ں ں......''

اس نے نفرت سے ہونٹ سکوڑے اور سگریٹ سلگا کر بظاہر خود کو نارمل کیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کی طرف منہ پھیر کر آنکھ سے اشارہ کیا جنہوں نے کھٹاک کھٹاک کی آوازیں پیدا کرتے ہوئے اپنی گنوں کے بلٹ کھینچ لئے.........!!

لیکن.........

اس کی حیرت اور غصہ کی انتہا نہ رہی جب ان میں سے ایک بھی دوسری طرف نہیں گیا۔ وہ سب مرنے کیلئے تیار تھے۔ تاراچند نے اپنی

زندگی میں اتنے مفلوک الحال لیکن بہادر لوگ نہیں دیکھے تھے۔

اس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

''تو تم کو اس کے رشتہ دار ہو......''

اس نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا۔

''ہاں..........''

مجمع میں سے بیک وقت کئی غصیلی آوازیں بلند ہوئیں۔

اچانک ہی اس نے اس بوڑھی عورت کو گریبان سے پکڑ کر اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ وہ بے چاری منہ کے بل زمین پر آن گری۔

اس کی اس حرکت پر کچھ نوجوانوں نے بے اختیار اس کی طرف بڑھنا چاہا لیکن دونوں کے درمیان کھڑے بھارتی بلیک کیٹس کمانڈوز نے انہیں رائفلوں کے بٹ مار کر واپس دھکیل دیا.......... تارا چند نے اپنا پستول ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

''زینب کہاں ہے؟''

اچانک ہی اس نے زمین پر گری بوڑھی عورت کو پسلیوں میں زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے پوچھا۔

''حرام زادے...... میں زینب ہی ہوں۔ میرا نام زینب ہے''۔

بوڑھی عورت کے اندر کا قہر اس کی زبان پر اتر آیا۔

اس کے منہ سے اپنے متعلق گالی سن کر تارا چند وحشیانہ انداز سے اس کو ٹھوکریں مارنے لگا۔

اچانک ہی ایک نوجوان غصے سے بے قابو ہو کر اس کی طرف لپکا۔

لیکن..........

دوسرے ہی لمحے بھارتی کمانڈوز کی گن سے نکلی گولیوں نے اسے زمین بوس کر دیا۔

سارا مجمع سہم کر رہ گیا......

''آؤ...... اور آؤ...... اس کی مدد کرو...... آؤ ناں...... ارے آتے کیوں نہیں..........''

تارا چند پر دیوانگی طاری ہونے لگی۔

اس نے دیوانہ وار اس بوڑھی عورت کو دوبارہ وحشیانہ انداز سے پیٹنا شروع کر دیا۔

لیکن..........

کیا مجال کہ اس مادر وطن کے پائے ثبات میں لغزش آئی ہو۔ کیا مجال کہ اس نے ایک لمحے کیلئے بھی کمزوری کا مظاہرہ کیا ہو۔ شاید اس مقدس ماں کو اپنے انجام کی خبر ہو گئی تھی۔

شاید اس نے اپنے استقبال کیلئے آنے والے جنت کے ان فرشتوں کو دیکھ لیا تھا جو اس کیلئے تخت طاؤس سجائے اس کے منتظر اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑے تھے کیونکہ اس نے اچانک ہی قرآنی آیات کی تلاوت زور زور سے شروع کر دی تھی..........!!

یہ صورتحال کیپٹن تارا چند کیلئے ناقابل برداشت تھی۔

اس کی درندگی بڑھتے بڑھتے اپنے نقطہ انجام کو چھونے لگی تھی۔ اس نے اچانک ہی اپنا پستول بوڑھی عورت کی طرف سیدھا کیا اور وحشیوں کی طرح چلایا:

''میں آخری مرتبہ پوچھتا ہوں کہاں ہے زینب..........؟''

لیکن..........

اس مرتبہ مادرِ قوم نے شاید اس کے غلیظ چہرے پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ وہ مسلسل قرآنی آیات کا ورد کرتی رہی۔

اچانک ہی فضا یکے بعد دیگرے چھ سات مرتبہ لرزی............

کیپٹن تارا چند نے............

بھارتی انٹیلی جنس کے مایہ ناز سپوت نے مقبوضہ کشمیر کی ایک بوڑھی، نہتی، بے کس اور بے بس ماں پر جوش غضب میں اپنا سارا پستول خالی کر دیا تھا............

وہاں کھڑے مجبور و مقہور کشمیریوں کی آنکھوں میں خون تیرنے لگا تھا لیکن وہ بے بس تھے، کچھ نہ کر سکے، اپنے جذبات کا گلا انہوں نے گھونٹ ڈالا۔ تھوڑی دیر انہیں مزید ڈرانے دھمکانے کے بعد اپنے پیچھے کچھ لاشیں اور راکھ کا ڈھیر چھوڑ کر بھارتی کمانڈوز بے نیل مرام لوٹ گئے۔

ان کے عقب میں جوش غضب اور غم و غصہ سے بھرے کشمیری آزادی کے فلک شگاف نعرے بلند کر رہے تھے۔

اس خوف سے کہ کہیں یہ نہتے اپنے کمزور ہاتھوں سے ان کی گردنیں نہ دبوچ لیں، بھارتی کمانڈوز دیوانہ وار ہوائی فائرنگ کرتے اپنے ٹرکوں پر سوار ہو رہے تھے۔

☆☆☆

عین ان لمحات میں جب کیپٹن تارا چند اور اس کے جوان شمشیر نگر پر حملہ آور ہوئے تھے، تین چار گھنٹوں کی تباہ کن بمباری کے بعد ہزاروں کی تعداد میں بھارتی فوج کے جوان جنہیں نزدیک دور سے یہاں اکٹھے کیا گیا تھا............ پہاڑی جنگل پر دھاوا بول رہے تھے جس پر جگہ جگہ آگ کے شعلے اور دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ اس جنگل پر اتنی زبردست گولہ باری کی گئی تھی کہ یہاں شاید کوئی پرندہ بھی زندہ نہیں بچا ہوگا۔

اپنے خوف پر قابو پانے کیلئے بھارتی فوج کے جوان جلتی ہوئی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز سے بھی سہم جاتے تھے، الٹے سیدھے جاپ کر رہے تھے۔ بظاہر وہ یہی تاثر دے رہے تھے کہ صبح کی ''پراتھنا'' کر رہے ہیں۔

لیکن............

اصلیت کیا تھی؟ اس کی گواہی ان کے چہروں پر لکھی تھی۔

جو چلے تو جاں سے گزر گئے

ماہا ملک کا یہ خوبصورت ناول ہمارے اپنے ہی معاشرے کی کہانی ہے۔ اسکے کردار ماورائی یا تصوراتی نہیں ہیں۔ یہ جیتے جاگتے کردار اسی معاشرے کا حصہ ہیں۔ زندگی کی راہوں میں ہم سے قدم قدم پر ٹکراتے ہیں۔ یہ کردار محبت کے قرینوں سے بھی واقف ہیں اور رقابت اور نفرت کے آداب نبھانا بھی جانتے ہیں۔ انہیں جینے کا ہنر بھی آتا ہے اور مرنے کا سلیقہ بھی۔ خیر و شر، ہر آدمی کی فطرت کے بنیادی عناصر ہیں۔ ہر شخص کا خمیر انہی دو عناصر سے گندھا ہوا ہے۔ ان کی کشمکش غالب ایسے شاعر سے کہلواتی ہے۔ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔

آدمی سے انسان ہونے کا سفر بڑا کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے۔ لیکن ''انسان'' درحقیقت وہی ہے جس کا ''شر'' اس کے ''خیر'' کو شکست نہیں دے پایا، جس کے اندر ''خیر'' کا الاؤ روشن رہتا ہے۔ یہی احساس اس ناول کی اساس ہے۔ **جو چلے تو جاں سے گزر گئے** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

دو پہر گئے تک ان کا یہ آپریشن جاری رہا۔ جنگل میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جہاں بھارتیوں کی لائی ہوئی تباہی کے آثار دکھائی نہ دے رہے ہیں۔ سینکڑوں کی تعداد میں چرند پرند جو رات کو یہاں بسیرا کیے ہوئے تھے مردہ حالت میں پڑے ان کا منہ چڑا رہے تھے......

انہیں ایک بھی مجاہد کی لاش نہیں ملی تھی البتہ اس بات کے ثبوت ضرور مل گئے تھے کہ یہاں مجاہدین کے دو خفیہ ٹھکانے موجود تھے جنہیں انہوں نے بڑی تیزی اور ہنگامی حالت میں خالی کر دیا تھا۔ لاکھوں روپے کا گولہ بارود پھونکنے اور فضا میں بے شمار آلودگی پیدا کرنے کے باوجود بھارتیوں کو اپنے مقصد میں ایک فی صد بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

اس بات میں شک کوئی نہیں تھا کہ گولہ باری بڑے منجھے ہوئے انداز سے اور نشانے کے عین مطابق کی گئی تھی۔ جگہ جگہ زمین میں گڑھے پڑ گئے تھے جن پر بموں کے شیل دھنسے دکھائی دے رہے تھے۔

لیکن.............

مجاہدین نے غالباً یہاں اپنے ''ہائیڈ آؤٹ'' بناتے ہوئے اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا تھا کہ کبھی ان پر وحشیانہ گولہ باری بھی کی جا سکتی ہے۔ بھارتی فوج کے پاس پھونکنے کیلئے اسلحہ کے بے شمار ذخائر موجود تھے۔ وہ محض اپنا خوف دور کرنے کیلئے بے پناہ گولہ بارود پھونک دیا کرتے تھے۔

حملہ آور فوج کے گروپس کمانڈر یہاں مجاہدین کی کمین گاہیں بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے جنہوں نے ماہر فوجیوں کی طرح پہاڑی دروں کی اوٹ میں اس ہوشیاری سے سرنگ نما مورچے بنائے ہوئے تھے کہ اگر ان پر کہیں سے بھی گولہ باری کی جائے تو وہ نہ صرف محفوظ رہیں بلکہ پہاڑی سلسلوں کی محفوظ آڑ لے۔ کہ یہاں سے کسی اور طرف جانیں بچا کر بھی نکل سکیں۔

اس ساری سر دردی اور بے پناہ مالی و جانی نقصان کا صرف یہ فائدہ ہوا تھا کہ اس جنگل میں موجود مجاہدین کی ایک کمین گاہ خالی ہو گئی تھی .... لیکن اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ اگلے چار پانچ یا آٹھ دس روز کے بعد وہ دوبارہ یہاں آجائیں۔

کم از کم اس گھنے جنگل میں بھارتی فوج کا کوئی دستہ مستقل قیام کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا جہاں ان تک کوئی بھی مدد پہنچنے سے پہلے مجاہدین ان کو جہنم رسید کر سکتے تھے۔ سہ پہر تک جنگل کا کونہ کونہ چھاننے کے بعد جب کوئی بھی شکار ہاتھ نہ لگا تو ہزاروں کی تعداد میں مختلف چھاؤنیوں اور سٹیشنوں سے منگوائے گئے فوجی جوان اپنے اپنے مستقر کی طرف لوٹ گئے۔

وہ لوگ اندھیرا پھیلنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتے تھے تاکہ رات کے اندھیرے میں مجاہدین کی صورت میں خود پر نازل ہونے والی بلاؤں سے محفوظ رہ سکیں............

اس سارے خونیں ڈرامے کا آخری سین بڑا ہی اندوہناک تھا۔ کرنل دوبے دوپہر کے بعد ''سب اچھا'' کی رپورٹ ملنے پر جب اپنی جیپ میں سوار ریسٹ ہاؤس سے اس طرف روانہ ہوا تو وہ جیپیں اس کے آگے پیچھے اس کی حفاظت کیلئے چل رہی تھیں اور سڑک کے دورویہ موجود پہاڑی سلسلوں میں بھارتی فوج کے جوانوں نے اپنے مورچے قائم کیے ہوئے تھے۔

ایک پہاڑی موڑ کاٹتے ہوئے اچانک آگے جانے والی جیپ رک گئی۔

''کیا بات ہے............ اب کیا مصیبت آگئی............!!

کرنل دوبے نے بڑے غصے اور جھنجلاہٹ میں آگے والی جیپ سے نکل کر اپنی طرف آتے ہوئے کمانڈوز سے دریافت کیا۔

''سر آگے لاش پڑی ہے......''

اس نے دونوں پاؤں کی ایڑیاں بجاتے ہوئے ادب سے کہا۔

''اوہ شٹ............''

کہتے ہوئے دوبے باہر نکل آیا۔

اسکے زمین پر پاؤں رکھتے ہی پانچ چھ کمانڈوز نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا اور اب وہ اس جلوس کے ساتھ اس طرف جا رہا تھا......

لاش کے گرد اگلی جیپ کے کمانڈوز گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اسے اس طرف آتے دیکھ کر وہ احتراماً ایک طرف ہٹ گئے۔

کرنل دوبے نے پہلی ہی نظر میں لاش کو پہچان لیا............

یہ غنی ٹاوٹ کی لاش تھی۔

اس کی گردن کو پھندا لگا کر مارا گیا تھا اور گردن میں باریک سی رسی کے ساتھ ایک گتے کو پرویا ہوا تھا جس پر لکھا تھا:

''ٹو کرنل دوبے فرام مجاہدین ود لو............''

(To Col.Doube , From Mujahdeen with love)

''ڈیم اٹ............''

اس نے غصے اور نفرت سے چیختے ہوئے لاش کو ٹھوکر ماردی اور اپنی جیپ کی طرف واپس چل دیا۔ اس نے اچانک ہی اپنے ساتھیوں کو ریسٹ ہاؤس کی طرف لوٹنے کا حکم دیا تھا۔

جتنی تباہ کن گولہ باری انہوں نے مجاہدین پر کروائی تھی اس کے بعد کرنل دوبے کو یہی امید تھی کہ جنگل سے مجاہدین کی جلی ہوئی لاشیں اور شمشیر نگر سے زینب مل جائیگی۔

لیکن............

جب کیپٹن تاراچند نے شام ڈھلے اس کو مکمل رپورٹ پیش کی تو کرنل کا بس نہیں چلتا تھا کہ اسے کچا چبا جائے۔

''اوہ شٹ............''

اس نے حسب عادت کہا اور بے چینی سے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو بائیں ہاتھ پر مارنے لگا۔

☆☆☆

زینب نے اسے بتایا تھا کہ گزشتہ تین سال سے اس نے ایسی تباہ کن بمباری نہیں دیکھی تھی نہ ہی اتنے بڑے پیمانے پر کارروائی اس سے پہلے کی گئی تھی۔

وہ جہانگیر کو ایک لمبا چکر دلا کر اب شمشیر نگر کی شمالی سمت میں لے آئی تھی۔ اس نے جہانگیر سے گاؤں میں جانے کی اجازت طلب کی تھی لیکن جہانگیر نے انکار کر دیا تھا۔ زینب نے ضد نہیں کی اور خاموشی سے ٹکٹکی لگائے اپنے گاؤں کے سوختہ مکانوں سے اٹھتا دھواں دیکھتی رہی پھر اس کے ساتھ چل دی۔

''میرے خیال سے ہمیں پہلے سوپور کی طرف نکلنا چاہیے''۔

جہانگیر نے اپنی رائے پیش کی اسے امید تھی کہ سوپور میں ضرور اس کا رابطہ مجاہدین سے ہو جائیگا۔

وہ جلد از جلد اپنے ساتھیوں کی خیریت سے آگاہ ہونا چاہتا تھا۔ اس بات کا تو اسے علم تھا کہ حفیظ شہید ہو چکا ہے۔

لیکن............ باقی ساتھیوں کا کیا ہوا؟

خدانخواستہ اس تباہ کن گولہ باری نے انہیں اپنی خفیہ کمین گاہوں میں تو نہیں آلیا؟ یہ سوچ ہی اس کیلئے بڑی اذیت ناک تھی۔ انہوں نے جس برفیلے جہنم کو عبور کیا تھا اور جس طرح اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر یہاں تک پہنچے تھے اس کے بعد کچھ کئے بغیر شہید ہو جانا ان کیلئے بہت پریشان کن تھا۔

Captured by Qamar Abbas

اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کمانڈر مختار کی موجودگی میں ضرور اس کے ساتھی محفوظ رہے ہوں گے۔ کمانڈر مختار کو مجاہدین میں ٹائیگر مختار کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ بھارتی فوج کے نرغے سے نکلنے کے وہ ریکارڈ قائم کر چکا تھا۔ متعدد مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ وہ بھارتیوں سے چند گز کی دوری پر فائرنگ کرتا بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا۔

جہانگیر کے ساتھ آنے والے ایک مجاہد نے اسے کمانڈر مختار کے متعلق بتایا تھا کہ ایک مرتبہ وہ بھارتی بی ایس ایف کی گرفت میں آنے کے بعد انہیں جل دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

وہ اکثر اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ بھارتی فوج اسے زندہ گرفتار کرنے کی حسرت لے کر ہی رہ جائیگی اور وہ انشاء اللہ کبھی جیتے جی ان کے ہاتھ نہیں لگے گا۔

جہانگیر کے ساتھ آنے والے مجاہدین میں سے ان کا صرف ایک ساتھی دو تین مرتبہ پہلے بیس کیمپ تک آ چکا تھا لیکن اس کا تعلق سری نگر سے تھا وہ بھی مقامی علاقے کو زیادہ نہیں سمجھتا تھا۔

شاید قدرت نے انہیں اس سانحے سے بچانے کیلئے حادثاتی طور پر کمانڈر مختار سے ملا دیا ہو؟ اس نے سوچ کر اپنے دل کو تسلی دی۔

جہانگیر کو اس بات کا علم تھا کہ سوپور' بانڈی پورہ اور کپواڑہ میں مجاہدین کی پوزیشنیں بہت مضبوط ہیں اور وہ بھارتی فوج کیلئے گزشتہ تین سال سے مسلسل چیلنج بنے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

صبح ہو چکی تھی اور وہ دونوں گزشتہ چوبیس گھنٹوں سے کچھ کھائے پیئے بغیر عازم سفر تھے.............

جہانگیر نے گن اپنے ''فیرن'' میں اس طرح چھپا رکھی تھی کہ وہ اس کے جسم کا ایک حصہ بن چکی تھی۔ اسے اپنی فکر تو نہیں تھی لیکن اس بات کا احساس ضرور تھا کہ زینب مجاہدہ ہونے کے علاوہ ایک عورت بھی ہے جس نے اپنے دو پیاروں کی لاشوں کو اپنے ہاتھوں گزشتہ دو دنوں میں دفنایا ہے۔

اسے بہر حال آرام اور کچھ کھانے کی ضرورت تھی۔ جہانگیر نے اس کے چہرے کی کیفیات سے اندازہ کر لیا تھا کہ زینب اب صرف اپنی قوت ارادی کے بل پر سفر کر رہی ہے' اس کی جسمانی حالت بہت خستہ ہو رہی تھی۔

''میرے خیال میں ہمیں کچھ آرام کر لینا چاہیے.............''

اس نے جان بوجھ کر ''ہم'' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ جہانگیر زینب کو یہ احساس بھی نہیں دلانا چاہتا تھا کہ وہ اسے کمزور سمجھ کر یہ بات کہہ رہا ہے۔

''جیسے آپ کی مرضی......''

زینب کے ہونٹوں پر جانے کہاں سے پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ نزدیک اگر کوئی بازار ہے تو میں کچھ خرید لاتا ہوں'' اس نے زینب سے پوچھا۔

زینب اسے سڑک کے ساتھ ساتھ لیکن پہاڑیوں میں سفر کرتی ہوئی اس طرف لائی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر یہ راستہ اختیار کیا تھا۔ جہانگیر جانتا تھا کہ پولیس اور فوج کے تمام ناکے سڑک کے ساتھ ساتھ ہی لگے ہوئے تھے اور یہ لوگ کم از کم اس علاقے میں پہاڑیوں میں گھومنے یا ناکے لگانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اس صورت میں وہ مجاہدین کا بہترین نشانہ بن جاتے تھے۔

''آپ کا بازار میں جانا شاید مناسب نہ رہے.............. بھارتی انٹیلی جنس نے سارے علاقے میں میری تلاش میں جاسوسی کا جال پھیلا رکھا ہو گا۔ کسی اجنبی کو تو وہ لوگ کبھی معاف نہیں کرتے..............مقامی آبادیوں میں انہیں ''ٹاؤٹ'' مل جاتے ہیں جو کسی بھی بازار اور گلی محلے میں کوئی ناشناسا چہرہ دیکھنے پر یہ اطلاع آگے پہنچا دیتے ہیں۔ اب کسی پر اعتبار بھی تو نہیں کیا جا سکتا.............. ہمارے گاؤں میں کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ

بات نہیں آسکتی تھی کہ چاچا غنی آستین کا سانپ بن جائیگا......'' زینب نے اسے خبردار کیا۔

اس کی دانش پر جہانگیر نے دل ہی دل میں اسے داد دی۔ واقعی وہ مجاہدہ تھی۔

''ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے''

اس نے کچھ سوچتے ہوئے دوبارہ کہا۔

''کیا؟''.............

جہانگیر نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''ہم بابا شکر دینؒ کی زیارت پر جاتے ہیں۔ یہاں چونکہ نزدیک دور سے زائرین آتے رہتے ہیں اس لئے شاید ہمارا کوئی خاص نوٹس نہ لیا جائے۔ اگر وہاں کوئی شناسا چہرہ دکھائی دیا تو میں کوشش کروں گی کہ اس سے رہنمائی حاصل کروں۔ مجھے اکثر مجاہدین سے شناسائی ہے جنہیں میں اپنے بھائی کے ساتھ دیکھتی رہتی ہوں۔ یہ لوگ یقیناً مجھے بھی پہنچانتے ہوں گے۔ میرا اندازہ ہے کہ ایسی جگہوں پر اگرچہ انٹیلی جنس والوں نے بھی اپنا جال پھیلایا ہوتا ہے.............لیکن مجاہدین بھی خصوصاً جن کا تعلق دوسرے علاقوں سے ہوتا ہے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔ آج کل چونکہ بابا شکر دین کا عرس بھی چل رہا ہے اس لئے یہاں بازار بھی سجا ہوگا اور زیادہ لوگوں کی آمد ورفت بھی ہوگی............''

زینب نے اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

''لیکن تمہیں بھارتی بھی تو پہچان سکتے ہیں''۔

جہانگیر نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں............ میں اپنے چہرے کو چھپا کر رکھوں گی......عموماً یہاں آنے والی عورتیں پردے میں ہی ہوتی ہیں اس لئے کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوتا......نہ ہی وہ خدانخواستہ ابھی اتنی جرأت کر سکتے ہیں کہ کسی مسلمان عورت کو چہرے سے چادر ہٹانے کیلئے کہیں............''

زینب کے جواب نے اسے مطمئن کر دیا۔

دونوں اب یہاں سے تین کلومیٹر کی دوری پر واقع بابا شکر دینؒ کی زیارت پر جا رہے تھے۔ وہ سوپور میں موجود تھے اور اس سے بہتر جگہ انہیں اور کوئی میسر نہیں آسکتی تھی۔ ایک قدرے محفوظ جگہ سے وہ پہاڑی سلسلے سے نکل کر سڑک پر آگئے جہاں سے دونوں نے سڑک عبور کی۔

جہانگیر نے سر پر گرم ٹوپی رکھی تھی اور اپنے منہ اور سر کو بھی ایک گرم مفلر سے اس طرح ڈھانپ رکھا تھا کہ وہ بظاہر سردی سے بھی محفوظ تھا اور اس کی چہرہ بھی دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

زینب نے بھی اپنے چہرے کو اس طرح ڈھانپ لیا تھا جیسے عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ بظاہر اس طرح چل رہے تھے جیسے وہ دونوں بھی دوسرے لوگوں کی طرح کسی نزدیکی علاقے سے اس زیارت پر آئے ہوں۔

دیوانہ ابلیس

عشق کا قاف اور پکار جیسے خوبصورت ناول لکھنے والے مصنف سرفراز احمد راہی کے قلم سے حیرت انگیز اور پراسرار واقعات سے بھرپور، سفلی علم کی سیاہ کاریوں اور نورانی علم کی ضوفشانیوں سے مزین، ایک دلچسپ ناول۔ جو قارئین کو اپنی گرفت میں لے کر ایک ان دیکھی دُنیا کی سیر کروائے گا۔ سرفراز احمد راہی نے ایک دلچسپ کہانی بیان کرتے ہوئے ہمیں ایک بھولی کہانی بھی یاد دلا دی ہے کہ گمراہی اور ان دیکھی قباحتوں میں گھرے انسان کے لئے واحد سہارا خدا کی ذات اور اس کی یاد ہے۔ کتاب گھر پر جلد آرہا ہے۔

Captured by Qamar Abbas

تین کلومیٹر کے اس فاصلے کو اس نے دل کی تیز تیز دھڑکنوں اور تیز تیز قدموں کے ساتھ طے کیا۔ اس درمیان چار جگہ انہیں بی ایس ایف کی چوکیاں دکھائی دیں...... لیکن کسی وقتی مصلحت کے تحت ابھی تک بھارتی انٹیلی جنس والے یہاں سے گزرنے والے ہر شہری کی تلاشی لینے کا خطرہ مول نہیں لیتے تھے۔ انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ اس طرح یہاں مزید اشتعال پھیل جائے گا اور لوگ اسے مذہبی معاملات قرار دے کر جلوس نکالیں گے......

سوپور کو مجاہدین کا شہر کہا جاتا تھا۔ اس شہر کی قریباً دو لاکھ آبادی تھی اور یہاں جب کسی شہید کا جنازہ یا جلوس نکلتا تو ڈیڑھ لاکھ سے کم تعداد اس کی نہیں ہوتی تھی۔ بھارتی جانتے تھے کہ یہاں کا ہر گھر مجاہدین کا قلعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے یہاں اپنے مخبروں کی تعداد بھی بہت زیادہ رکھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

دونوں خدا خدا کر کے بابا شکر دینؒ کی زیارت پر پہنچ چکے تھے۔ یہ وہی علاقہ تھا جہاں رسوائے زمانہ 'ویٹ لیب' ریسٹ ہاؤس موجود تھا۔ اسی انٹروگیشن سنٹر میں کرنل دوبے مجاہدین کے ہاتھوں لگے زخم چاٹ رہا تھا۔

جہانگیر نے یہاں پر بجی دکانوں میں سے ایک سے کھانے کیلئے کچھ خریدا اور کشمیری قہوہ کی ایک کیتلی بھی بھر کرلے آیا۔ دونوں نے زیارت گاہ کے ایک کونے میں بیٹھ کر بڑی بددلی سے یہ سب کچھ زہر مار کیا تھا..........

دونوں ہی کا دل کچھ کھانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

لیکن..............

جہانگیر کو اب احساس ہوا تھا جیسے یہ اس کی زندگی کا سب سے اہم اور خوشگوار حادثہ بن گیا تھا زینب کیلئے اس کے دل میں موجود بے پناہ عقیدت پر اب ایک اور جذبہ بھی شدت سے غالب آنے لگا تھا..............

ابھی وہ اس جذبے کو نام دینے کیلئے تیار نہیں تھا............ لیکن اسے احساس ہونے لگا تھا جیسے بڑے نامحسوس انداز میں زینب نے اس کے دل و دماغ پر اپنی گرفت بڑی مضبوط کر لی تھی۔

جہانگیر کیلئے یہ احساس بڑا خوش کن تھا وہاں اس نے خود کو بڑی آزمائش میں بھی ڈال لیا تھا۔ اسے ایک ہی خوف دامن گیر تھا کہ کہیں اس کے دلی جذبات کا ہلکا سا پرتو بھی اس کے چہرے پر نہ آ جائے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زینب کو اس مرحلے پر اس کے اندر آہستہ آہستہ جنم لینے والی اس کش مکش سے آگاہی ہو......

فی الوقت اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو زینب کو محفوظ ہاتھوں تک پہنچائے۔ اسکے دل و دماغ پر بوجھ اچانک آن پڑا تھا اس سے تب ہی نجات ممکن تھی جب زینب جو ایک امانت بن کر اس کے پاس آ گئی تھی بخیر و خوبی اور بحفاظت اپنوں میں پہنچ جائے۔

وہ ایک امین کی طرح ذمہ داری کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا۔ جہاں ایک طرف سے اسے اپنے ساتھیوں کی فکر کھائے جا رہی تھی وہاں دوسری طرف یہ احساس بھی جان لیوا تھا کہ مجاہدوں کے ساتھ کمانڈر مختار کی بہن ابھی تک غیر محفوظ تھی.............!!

☆☆☆

دونوں نے بہت کم کھایا تھا...... لیکن قہوے نے ان کے بدن میں قدرے حرارت اور زندگی کا احساس پیدا کر دیا تھا ورنہ تو یہاں کی سردی خون منجمد کیے دیتی تھی۔

جہانگیر نے فیرن پہنے اور "کانگڑیاں" سنبھالے اپنے گرد اگرد چکر لگاتے کشمیریوں میں سے دو تین کو "مارک" کر لیا تھا۔ اس کی چھٹی

حس نے بتا دیا تھا کہ ان میں بھارتی انٹیلی جنس کے لوگ موجود ہیں اور گزشتہ رات والے معرکے کے بعد سے بھارتیوں کو صدفی صد امید ہوگی کہ اس طرف کوئی نہ کوئی مجاہد پناہ لینے آئے گا............

یہی سوچ کر انہوں نے شاید زیارت گاہ پر معمول سے زیادہ سخت چیک رکھا ہوا تھا۔ لیکن............ کیا مجاہدین نے اس مفروضے پر غور نہیں کیا ہوگا؟............

یہ سوچ کر جہانگیر کے دل کو تسلی سی ہوئی اور اس نے سوچا اگر کمانڈر مختار زندہ ہے تو اس نے کبھی اس اہم پہلو کو نظر انداز نہیں کیا ہوگا۔ جہانگیر کی تلاش میں ضرور مجاہدین بھی یہاں پہنچے ہوں گے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ زینب اس کے ساتھ تھی جوان کے کمانڈر کی بہن تھی اور وہ جانتے تھے کہ جہانگیر پر کتنی اہم ذمہ داری آن پڑی ہے۔

''اف میرے خدایا......''

اچانک ہی زینب کے منہ سے یہ الفاظ نکلے اور جہانگیر نے چونک کر اس طرف دیکھا جدھر زینب نے نظریں گاڑی ہوئی تھیں۔ اسے بل کھا کر اس سمت کی سڑک پر آرمی کے ٹرک اور جیپیں آتی دکھائی دیں اور دوسرے ہی لمحے اسے صورتحال کی سنگینی کا ادراک ہو گیا۔

یہ آرمی کنوائے یقیناً اس طرف آ رہا ہوگا۔ گو کہ بھارتی فوج کی یہ معمول کی پریکٹس تھی وہ کسی بھی لمحے کسی بھی علاقے کو گھیرے میں لے کر وہاں کی ساری آبادی کو ایک جگہ اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد کالے شیشوں والی ایک جیپ وہاں آ جاتی تھی جس میں کوئی غدار یا گھر کا بھیدی فوج نے چھپایا ہوتا تھا۔ یہ عموماً آستین کے سانپ وہ تھے۔ جو چند ٹکوں یا پھر اپنی مجبوریوں کے لئے بکاؤ مال بن کر اپنے ہی لوگوں کے خون سے ہولی کھیلا کرتے تھے............!!

کالے شیشوں والی جیپ میں چھپے ہوئے آستین کے سانپ کے سامنے سے تمام لوگوں کو قطار کی صورت میں گزارا جاتا تھا۔ جس کو وہ مشتبہ قرار دیتا اسے بھارتی درندوں کی طرح جھپٹ کر اٹھا لے جاتے اور پھر کئی ماہ تک اس بدنصیب کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

کچھ عرصے بعد اس کی لاش کسی ویرانے میں یا پھر کسی دریائی ندی نالے میں مل جاتی۔ ایسے مشتبہ کو بھارتی مجاہدین انٹیلی جنس وحشیانہ انداز میں تفتیش کے مراحل سے گزارتی۔ ان کے جسموں کے مختلف حصوں کو جلانا' ان میں سوراخ کر دینا' ہڈیاں توڑ دینا یا جسم کے مخصوص مقامات پر اذیت ناک ضرب لگانا ان کے معمول کی ریکٹس تھی۔

آج تک ایسے اغوا ہونے والے نوجوانوں میں سے کسی کی لاش بھی صحیح حالت میں نہیں ملی تھی۔

جہانگیر کو سمجھ آ گئی تھی کہ زینب کے منہ سے بے ساختہ یہ فقرہ کیوں نکلا ہے۔

☆☆☆

''ہمیں فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا............''

زینب نے اس سے نظریں دو چار ہوتے ہی کہا۔

''ٹھیک ہے...... چلو''

جہانگیر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

زینب حسب سابق آگے آگے تھی اور جہانگیر اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ زینب کی رفتار معمول سے زیادہ تیز تھی اور جہانگیر محسوس کر رہا تھا کہ وہ گھبراہٹ کی شکار بھی ہے۔ اسے اب ایک ہی خوف دامن گیر تھا کہ کہیں یہاں موجود کسی ''سفید پوش'' کو یہ گھبراہٹ شک میں مبتلا نہ کر دے۔

یہ سوچ کہ وہ تیزی سی قدم بڑھاتے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

''زینب حوصلہ رکھو............انشاء اللہ کچھ نہیں ہوتا......میرے جیتے جی کسی کی جرأت نہیں کہ تمہاری طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھ سکے......خود کو سنبھالو......اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بڑی آزمائش سے سرخرو کر دیا ہے......انشاء اللہ ہم اس آزمائش میں بھی کامیاب رہیں گے............''

اس کے لہجے کا اعتماد زینب کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا............

اچانک ہی گھبرائی ہوئی زینب نے یوں محسوس کیا جیسے اس کے جسم میں کوئی برقی رو سرایت کر گئی ہے۔ اس کی ساری گھبراہٹ کافور ہوگئی۔

ایک کرشمہ ہو گیا تھا۔

جہانگیر کے کہے چند الفاظ کھویا ہوا اعتماد لوٹا دیا تھا اور وہ دوسرے ہی لمحے ایک مکمل مجاہدہ بن چکی تھی۔

ایک مرتبہ پھر وہ نپے تلے قدموں سے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔

''اگر ہمارے یہاں سے نکلنے سے پہلے وہ لوگ یہاں پہنچ جائیں تو تم فوراً مجھ سے الگ ہو جانا......میں کوشش کروں گا کہ جتنی دیر ممکن ہے ان کا مقابلہ کروں......اس درمیان کچھ لوگوں کو تو بچ نکلنے کا موقع ملے گا............''

جہانگیر اتنا کہہ کر اس کا جواب سنے بغیر اس کے اور اپنے فاصلہ درمیان رکھ کر چلنے لگا۔

فوجی قافلے کو یہاں تک پہنچنے میں بمشکل چند منٹ اور لگتے............

زینب نے قدرے محفوظ اور گنجان راستہ اختیار کیا تھا۔ گو کہ وہ بڑی پر اعتماد تھی لیکن اسے محسوس ہو رہا تھا کہ شاید وہ فوجیوں کے وہاں پہنچنے تک یہاں سے نہ نکل پائیں۔

اچانک ہی ایک آواز نے اس کے قدم تھام لئے۔

''زینب......''

آواز شناسا تھی۔ چلتے چلتے اس نے غیر اختیاری انداز میں گردن گھمائی تو اپنے دائیں طرف عابد کو موجود پایا۔

اس کے چچازاد بھائی کمانڈر مختار کے ساتھی کو قدرت نے ''تائید غیبی'' بنا کر بھیج دیا تھا۔

''عابد تم............''

زینب نے مسرت اور حیرت کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

جہانگیر ان کے نزدیک آ گیا تھا............

''میرے پیچھے آؤ............''

اس نے مزید سوالوں سے بچنے کیلئے کہا۔

جہانگیر نے استفہامیہ نظروں سے زینب کی طرف دیکھا جس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

عابد آگے آگے تھا اور دونوں اس کے پیچھے۔ وہ اچانک ہی ایک گلی میں گھوم گیا۔ یہ راستہ بلندی کی طرف جا رہا تھا تین چار منٹ تک تیز رفتاری سے چلنے کے بعد وہ اچانک ہی وہ ایک مکان کے کھلے دروازے میں داخل ہو گیا......!

دروازہ شاید ان کو دیکھ کر کھولا گیا تھا......!!

جہانگیر کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ان کے سامنے کمانڈر مختار کھڑا تھا............

''مختار''۔

جہانگیر نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے کہا۔

''جہانگیر تم............الحمدللہ'' دوسری طرف مختار کے جذبات بھی وہی تھے دونوں ایک دوسرے سے گرمجوشی سے بغل گیر ہو گئے۔

''باقی ساتھی کہاں ہیں؟

جہانگیر نے اس سے لپٹتے ہوئے اپنے دوسروں ساتھیوں کی خیریت دریافت کی۔

''جہانگیر............میرے بھائی مجھے بہت دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے دو ساتھی شہید ہو چکے ہیں۔ دشمن کی گولہ باری سے تو ہم محفوظ رہے تھے لیکن جب انہوں نے حملہ کیا اور ہم پسپائی اختیار کر رہے تھے تو حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم اپنا سارا سامان بحفاظت نکال سکیں۔ دونوں شہید ساتھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا سامان دشمن کے ہاتھ لگے۔ وہ دونوں بڑی گنیں اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے......میں نے پہلے تو انہیں اجازت نہیں دی پھر بادل نخواستہ انہیں اجازت دیدی......دشمن قریب آرہا تھا۔ دونوں شہید شاید یہ سنہری موقع گنوانا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے وہیں مورچہ جمالئے اور ہم سے کہا کہ سر نکل جائیں......ہم نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ دونوں اگر دشمن کو نہ روکتے تو شاید ہم میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ ملاقات کیلئے باقی نہ بچتا۔ انہیں بھی شاید اس حقیقت کا احساس ہو گیا تھا...........اف میرے خدایا! مجھے تو اب احساس ہوا ہے کہ انہوں نے سامان اٹھانے کا تو صرف بہانہ بنایا تھا......جس طرف وہ موجود تھے شاید ادھر سے انہوں نے دشمن کو اپنی سمت آتے دیکھ کر اندازہ کر لیا تھا کہ اگر دشمن کو یہاں نہ روکا گیا تو ہم میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر نہیں جانے پائے گا......جہانگیر بھائی! وہ بہت عظیم نوجوان تھے۔ اپنے باقی ساتھیوں کو بچانے کیلئے وہ اللہ کی راہ میں قربان ہونے پر تل گئے تھے۔ ہمارے لئے وہاں ایک پل رکنا بھی ناممکن تھا کیونکہ تین سمتوں سے بھارتی ہماری طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور چند منٹ اگر مزید ہم وہاں رکے رہتے تو شاید...........''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور اس کا گلا رندھنے لگا تھا...........

جہانگیر ابھی تک استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اپنے ساتھیوں کے آخری لمحات کی کہانی سننا چاہتا تھا!!

مختار نے بڑی ہمت سے خود پر قابو پایا۔

''اس سے پہلے کہ فرار کے بعد واحد راستے تک وہ پہنچتے میں نے دل پر جبر کر کے یہی فیصلہ کیا کہ باقی ساتھیوں کو بچاؤں۔ ہم نے آخری منظر یہی دیکھا کہ گرفتاری کیلئے انہیں ہاتھ کھڑے کر کے مورچوں سے باہر نکلنے کا حکم دینے والے ہراول دستے کے چار پانچ کمانڈوز کو انہوں نے پہلے ہی ہلے میں جہنم واصل کر دیا......اپنے کمانڈوز کی موت پر بھارتیوں نے عالم وحشت میں ان پر بے پناہ فائر کیا......یقیناً انہوں نے واصل حق ہونے سے پہلے کچھ اور بھارتیوں کو بھی جہنم رسید کیا ہوگا۔ ان کے دشمن کو للکارنے اور روکنے سے ہمیں چند منٹ کی مزید مہلت مل گئی اور ہم وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے......کاش ہم ان عظیم شہیدوں کی لاشیں بھی حاصل کر سکتے......''

یہ کہتے ہوئے اس کا گلا رندھ گیا......اس کی آواز بھرا گئی۔ اب اس کیلئے اپنے آنسو روکنا شاید ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

جہانگیر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

راہ حق کے پہلے دو ساتھیوں نے بہت جلد اپنی منزل پالی تھی.......اسے اب اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ یہ راہ طے کرنی تھی۔

اسے دم رخصت اپنے کمانڈر کے یہ الفاظ نہیں بھول رہے تھے.......کہ دشمن کو فراغت مل گئی تو وہ زخم خوردہ بھیڑیوں کی طرح مقبوضہ کشمیر کے بے بس اور مقہور مسلمانوں کی رگوں سے خون کے آخری قطرے بھی نچوڑ لے گا.......جہانگیر دشمن کو یہ احساس نہ ہونے دینا کہ اس نے ہماری ''لائف لائن'' کاٹ دی ہے۔ اس لائف لائن کو کبھی نہ کٹنے دینا۔

''میں آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا جناب''...........

جہانگیر نے کہا تھا.........

اس اثناء میں زینب دوسرے کمرے میں جا چکی تھی اور کمانڈر مختار کا ایک مقامی ساتھی وہاں آ گیا تھا۔

اس نے جہانگیر کو بڑی محبت سے سلام کہتے ہوئے خوش آمدید کہا۔

''میرے باقی ساتھی کہاں ہیں؟''

جہانگیر نے کمانڈر مختار کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یہیں لے آؤ.........''

کمانڈر مختار نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنے مقامی ساتھی کی طرف دیکھ کر کہا کہ جس نے اثبات میں گردن ہلائی اور وہاں سے چلا گیا۔

اچانک ہی دوسرے کمرے سے زینب وہاں آ گئی جس نے کوئلوں کی ایک چھوٹی سی انگیٹھی لا کر جہانگیر کے سامنے رکھ دی۔

''میرے پاس بھی کوئی اچھی خبر نہیں''

جہانگیر نے اسے اپنی کہانی سنانے کیلئے ایک طویل سانس لیا۔

''میں جانتا ہوں جہانگیر .... مجھے علم ہے حفیظ اور چاچا امیر بھی شہید ہو چکے ہیں لیکن ہمارے لئے اب یہ کوئی اہم خبر نہیں رہ گئی۔ یہاں اپنے کسی پیارے کی شہادت کی اطلاع روزانہ کا معمول ہے۔ جو بچ جاتے ہیں انہیں علم ہے کہ کسی روز ان کی اطلاع کوئی دوسرا کسی دوسرے کو پہنچا رہا ہوگا۔ اللہ کی مشیت شاید یہی ہے۔ ہماری تو دم مارنے کی مجال نہیں ....

میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے آخری لمحات تک میری بہن کی حفاظت کی ورنہ خدا جانے یہ بھی ....''

اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

چند لمحوں تک وہاں موت کا سا سکوت طاری رہا۔

دونوں اپنے پیاروں کا ''خاموش نوحہ'' الاپ رہے تھے۔

دونوں کے دلوں میں ماتم بپا تھا............!!

مقبوضہ کشمیر کی وہ کہر آلود صبح سورج کی کپکپاتی روشنیوں کے ساتھ یہاں کے مکینوں پر حسب معمول شام غریباں بن کر طلوع ہوئی تھی۔

یہ معمول کی مشق تھی۔

اب یہاں کے بڑے بوڑھے اکٹھے ہو رہے تھے۔ انہیں حسب معمول جلوس کی شکل میں بھارتی فوج کے کمانڈر کے پاس جا کر وہاں سے اپنے شہیدوں کی لاشیں حاصل کرنا تھیں۔

ان شہیدوں کے کیا نام تھے؟

خدا کے پراسرار بندے کون تھے؟

کہاں سے آئے تھے؟

کیسے آئے تھے؟

ان کے گھربار، عزیز اقربا کون تھے؟

کن ماؤں کے جائے تھے؟

کن بہنوں کے ویر تھے؟

کن سہاگنوں کا سہاگ تھے؟

کسی نے کبھی ان سوالوں کے جوابات تلاش نہیں کئے تھے۔

یہاں کوئی اپنے گلے میں اپنے نام اور نمبر کی تختی ڈال کر راہ شہادت پر گامزن نہیں ہوتا تھا۔

ان سب کی صرف ایک شناخت تھی کہ وہ مسلمان تھے اور اللہ کی اس وعید پر'

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تمہارے پڑوس میں مظلوموں پر قہر ٹوٹ رہا ہے اور تم غافل پڑے ہو''............

اپنے جاگنے کا ثبوت دینے............

اپنے باغیرت مسلمان ہونے کی دلیل بن کر برف کے جہنم زار عبور کر کے یہاں آ گئے تھے۔

وہ یہاں کسی کو نہیں جانتے تھے۔

انہیں یہاں کوئی نہیں جانتا تھا۔

ان کی زبانیں مختلف تھیں۔

ان کی شکلیں بھی شاید ایک جیسی نہیں تھیں۔

لیکن............

وہ ''بنیان مرصوص'' کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ایمان کے رشتے سے بندھے تھے کہ دشمن کیلئے ''سیسہ پلائی دیوار'' بن گئے تھے۔

نزدیک دور کے دیہاتوں میں خبر پہنچ گئی تھی کہ رات پھر گھمسان کا رن پڑا ہے۔ لوگ جان گئے تھے کہ اللہ کے پراسرار بندے جوان کی مدد کو انہیں دشمن کے چنگل سے نجات دلانے کیلئے' ان کی عزتوں' عصمتوں' جانوں اور مال کو محفوظ کرنے کیلئے فرشتوں کی صورت میں آسمان سے اترے تھے' اپنی جانیں راہ وفا میں ہار گئے ہیں............!!

منادی ہو گئی تھی............!!

لوگو! جان لو کہ ابھی غیرت اسلامی زندہ ہے۔

کشمیر کے مقہور مسلمانو! تم اکیلے نہیں ہو۔

وہ تمہاری مدد کو آئینگے............

تمام انسانی ضابطے' قانون اور دیواریں توڑ کر............!!

کوئی زنجیر ان کے قدموں کو نہیں باندھ سکتی............ کوئی مجبوری ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

سوپور میں فوج کی آمد کے ساتھ ساتھ اور ارد گرد کے دیہاتوں سے ہزاروں کی تعداد میں عورتیں اور مرد اکٹھے ہو رہے تھے۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

خوفناک عمارت

اردو جاسوسی ادب کے بانی، ابن صفی کی عمران سیریز سلسلے کا پہلا ناول۔ ایک پراسرار اور خوفناک عمارت پر مبنی کہانی، جہاں راتوں کو قبر کھول کر مردے باہر آتے اور خوف وہراس پھیلاتے۔ ابن صفی کے جادوئی قلم کا کرشمہ۔ طنز و مزاح، حیرت اور تجسس سے بھرپور یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ڈگری کالج کی گراؤنڈ کے باہر جوان لاشے ایک قطار کی صورت میں رکھے تھے۔ یہ وہ سرفروش تھے جو رات جان کی بازی ہار گئے تھے۔ ان میں سے صرف چاچا امیر کی شناخت ممکن تھی۔ باقی تمام لاشیں ایک ایک کر کے سامنے لائی جا رہی تھی۔ بھارتی فوج کا مقامی کمانڈر مجمع کے سامنے ایک لاش رکھ کر سوال کرتا..........

یہ کون ہے؟

کس کا رشتہ دار ہے؟

اس کا والی وارث کون ہے؟

اسے یہی امید ہوتی تھی کہ ادھر سے کوئی جواب نہیں آئے گا اور وہ لوگ بین الاقوامی پریس کو اپنی گردنیں پھلا کر بتائیں گے کہ گھس ''بیٹھیے'' .... یہ دہشت گرد تھے.......... کرائے کے فوجی تھے.......... جنہیں بھارت ماتا کے سپوتوں نے مار ڈالا۔

لیکن..........

اس کی امیدوں پر اوس پڑنے لگتی جب اچانک مجمع میں سے سینکڑوں عورتیں بین ڈالتی باہر آتیں۔

''یہ میرا بھائی ہے.......... یہ میرا بیٹا ہے.......... یہ میرا بیٹا ہے''۔

وہ چلا چلا کر سا مان آسمان سر پر اٹھا لیتیں۔

ان گمنام شہیدوں کے ہزاروں رشتہ دار وہاں ایک پل میں پیدا ہو جاتے تھے۔ آج بھی ایسا ہی ہوا..........!!

ہر شہید کے سینکڑوں رشتہ دار یہاں موجود تھے۔ انہیں آج سے چودہ سو سال پہلے جس رشتے میں باندھا گیا تھا اس کے آگے سارے دنیاوی رشتے ہیچ تھے..........!!

پلک جھپکتے میں ان شہیدوں کے جنازے تیار ہو گئے۔ ہزاروں کی تعداد میں کشمیری وہاں جمع ہو جاتے۔ ان کے جنازوں کو چھونے کی سعادت کسی قسمت والے کو ملتی تھی۔

سوپور کے قبرستان میں تازہ قبریں کھدی تھیں۔ یہاں شہیدوں کے لاشے امانت کی صورت میں زمین کو لوٹائے جا رہے تھے.......... یہاں سے آسمان تک سرخ قالین بچھے تھے۔ جن کے دو رویہ کھڑی حوریں اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

کلمہ شہادت کے ورد سے کفر لرزہ براندام تھا.......... پہاڑی سلسلوں میں گونج پیدا کرتی کلمہ شہادت کی پکار فضاؤں میں دور دور تک پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ یہ گواہی تھی جو اس امر پر دلالت کر رہی تھی کہ سارے جہانوں کی طاقت مل کر بھی خدائے وحدہ لاشریک کے سامنے بے حیثیت ہے۔

ڈگری کالج سے قبرستان تک راستے میں آنے والا ہر پتھر، پہاڑ اور درخت اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ سچ وہ نہیں جو بھارتی سورماؤں نے اپنی چھ لاکھ فوج کی صورت میں یہاں جمع کر لیا ہے بلکہ سچ یہ ہے جس کی گواہی ہم دے رہے ہیں..........

تینوں بچ جانے والے مجاہد جہانگیر سے باری باری بھیگی آنکھوں کے ساتھ بغلگیر ہو رہے تھے..........

یہ پشیمانی کے آنسو نہیں تھے..........

بزدلی کا رونا نہیں تھا..........

یہ تو راہ حق میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ جانے کا غم تھا۔ کمانڈر مختار کی تقلید میں ایک مرتبہ پھر ان کے ہاتھ دعا کیلئے بلند ہوئے اور انہوں نے جہاں اپنے ساتھیوں کے درجات کی بلندی کیلئے خدا سے التجا کی وہاں اس عزم کا بھی اعادہ کیا کہ وہ بھی بہت جلد راہ حق کی اس مسافت میں ان کے ہم رکاب ہوں گے۔

زینب ان سب کیلئے ایک مقامی مجاہدہ کے ساتھ قہوہ بنا کر لے آئی تھی۔ اس کے کمال ضبط پر جہانگیر دنگ تھا۔

کیا مجال جو دونوں بہن بھائیوں نے ایک مرتبہ بھی اپنی شہید ماں یا شہید چچا کا نوحہ الاپا ہو..........

کیا مجال جوان کے رویئے سے ایک ساعت کیلئے بھی کسی کم ہمتی کی جھلک دکھائی پڑتی ہو۔

وہ اپنے مجاہد ساتھیوں کی خدمت کیلئے کمر بستہ تھے۔ ان کی ایک ہی خواہش تھی کہ ان غازیوں کی جتنی بھی خدمت ان سے ممکن ہے وہ کر لیں۔

''محترم کمانڈر! بھائی منصور نے آخری لمحات میں یہ خط آپ کیلئے لکھا تھا''

یہ کہتے ہوئے جواد نے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ اسے تھما دیا...... جہانگیر نے بڑی عقیدت سے بڑے حوصلے سے اسے کھولا اور پڑھنے لگا۔

شہید منصور نے لکھا تھا

''محترم کمانڈر بھائی!

یہ خط بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں۔ ہم پر قیامت کی گولہ باری ہو رہی ہے۔ جس نوعیت کا حملہ کیا گیا ہے اس میں بچ نکلنے کے امکانات بہت کم ہیں۔ بظاہر ممکن دکھائی نہیں دیتا کہ اب اس دنیا میں کوئی ملاقات ہو۔ ہم نے روانگی پر اکٹھے جینے اور مرنے کا عہد کیا تھا۔ افسوس اس کی پاسداری نہیں کر سکے۔ یوں بھی آپ جانتے ہیں مجھے دوران تربیت بھی ہر کام کی جلدی رہتی تھی۔ میں کوشش کروں گا کہ غازی بن کر یہاں سے نکلوں۔ اگر اللہ کی طرف بلاوا آ گیا تو اپنے شہید بھائی کی آخری خواہش ضرور پوری کرنا۔ ہم نے شمشیر نگر کی دشمنوں کے ہاتھوں تباہی کے بعد ''را'' کے مقامی مرکز کو تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ مجھے آپ کی صلاحیتوں سے امید ہے کہ آپ ضرور اس عہد کی پاسداری کر کے سینکڑوں شہیدوں کی روحوں کو سکون بہم پہنچائیں گے اور ہزاروں کشمیری مسلمانوں کے دلوں کو جن کے پیاروں کو ان سورموں نے درندوں کی طرح چیر پھاڑ کر شہید کیا' چین میسر آئے گا۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامتی کے ساتھ واپس لے جائے۔ میرے گھر والوں کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ میں اپنے دل پر کوئی بوجھ لئے بغیر اس دنیا سے جا رہا ہوں۔ میری ماں سے کہنا میں اس دنیا میں تو ان کے کسی کام نہیں آ سکا عین ممکن ہے کہ اگلے جہان میں اللہ اپنے راستے میں دی گئی میری قربانی کو قبول فرما لیں تو ان کے کام آ سکوں۔ میری موت کا غم نہ کریں بلکہ سجدہ شکر بجا لائیں۔ ان کے اس عمل سے انشاء اللہ دین و دنیا دونوں میں سرخرو ہوں گے۔ خدا کرے کشمیر جلد آزاد ہو تو میرے والد صاحب اور چھوٹا بھائی نوید میری قبر پر آ کر مجھے با آواز بلند یہ خوشخبری سنائیں۔

میری درخواست ہے کہ اپنا خیال رکھئے دشمن قریب آ رہا ہے۔ خدا حافظ

خط پڑھتے ہوئے جہانگیر کو احساس نہ ہو سکا کب اس کی آنکھوں نے اس شہید وفا کے حضور آنسوؤں کے نذرانے پیش کئے۔ اس کے گالوں سے آنسو بہتے ہوئے اب موتیوں کی صورت میں اس کے دامن پر گر رہے تھے۔

☆☆☆

بڑے احترام سے اس نے خط کو دوبارہ تہہ کر کے کمانڈر مختار کے حوالے کر دیا۔

''بیس کیمپ کی طرف جانے والی کسی بھی مجاہد کے ہاتھ یہ خط ادھر پہنچا دیجئے'' اس نے آہستگی سے کہا۔

''انشاء اللہ جلدی یہ امانت دوسری طرف پہنچ جائیگی۔ آپ کا اگلا پروگرام کیا ہے؟''

کمانڈر مختار نے دریافت کیا۔

''مختار بھائی میں اپنے شہید بھائیوں کا حساب بے باق کر کے ہی آگے جاؤں گا...... ہمیں ''را'' کے ریسٹ ہاؤس کو تباہ کرنا ہے''

جہانگیر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''الحمدللہ''

کمانڈر مختار کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

Captured by Qamar Abbas

چھٹا باب

''ویٹ لیب'' کے ہال نما کمرے میں کرنل دوبے اور کیپٹن تاراچند خوش گپیوں میں مشغول تھے۔

''میرے خیال سے سر! اس حملے کے بعد اب انہیں اس علاقے میں تو سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی............''

کیپٹن تاراچند نے چاپلوسی کے انداز میں کہا۔

وہ جانتا تھا کہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسے علم تھا کہ ان کا یہ ''تباہ کن حملہ'' ناکام رہا تھا۔ کمانڈر مختار کی لاش بھی ان کو نہیں ملی تھی اور ''بیس کیمپ'' سے آنے والے مجاہدین میں سے بھی کوئی زندہ ہاتھ نہیں لگا تھا۔

جن شہدا کی لاشیں ملی تھیں ان میں سے صرف دو قابل شناخت تھے یا پھر امیر علی کی شناخت ممکن ہوئی تھی جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ لوگ بچ کر نکل گئے ہیں۔

لیکن............

وہ گئے کہاں......؟

انہیں زمین کھا گئی؟ یا آسمان نے نگل لیا۔

کیپٹن تاراچند بھی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔

اس کی درخواست پر ہائی کمان نے جتنا بڑا آپریشن کیا تھا اور جس نوعیت کی گولہ باری کی گئی تھی اس کے بعد تو اس علاقے میں موجود فوج کی بٹالین کا صفایا ہو جاتا۔ اعلیٰ سطح پر اس گولہ باری کا سختی سے نوٹس لیا گیا تھا۔

اس نوعیت کی گولہ باری اس سے پہلے اس علاقے میں کیا' کشمیر کے کسی علاقے میں نہیں کی گئی تھی لیکن............ اب بھی انہیں مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوئے تھے۔

کرنل دوبے نے یہ کہہ کر ان کی تسلی کروا دی تھی کہ اس سے اردگرد موجود ''دہشت گردوں'' کا مورال ڈاؤن ہوگا اور اب انہیں کھل کر حملے کرنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اس کے باوجود اعلیٰ افسران ناک بھوں چڑھا رہے تھے............

''وہ تو ٹھیک ہے تاراچند............ لیکن مجھے بہرصورت زینب چاہیے۔ جب تک میں اسے سبق نہیں سکھاؤں گا' میرے دل کو چین نہیں پڑے گا............ چھ نمبر والے او۔ پی کی رپورٹ ہے کہ اس نے مرنے والے بوڑھے کے ساتھ ایک لڑکے اور لڑکی کو بھی دیکھا تھا............ مجھے یقین ہے کہ وہ لڑکی زینب ہی تھی............ اس نے اپنے پوسٹ کمانڈر کو اطلاع دی تھی جس کا کہنا ہے کہ اس نے فائرنگ اس طرح کروائی تھی کہ وہ لوگ بوکھلا کر ان کے گھیرے میں آ جائیں............ لیکن............ وہ کمبخت لڑکا بہت تیز دکھائی دیتا ہے۔ خود بھی نکل گیا اور اس لڑکی کو بھی نکال کر لے گیا............ ہمارے لئے ایک بوڑھی لاش چھوڑ گیا............''

کرنل دوبے نے نفرت اور غصے سے قریباً چیختے ہوئے کہا۔

''کمانڈر مختار کی چالاکی اور بہادری سے انکار نہیں سر! لیکن میں بھی یہی کہنے والا تھا کہ وہ ابھی بالکل مفلوج ہے............ اس کے تینوں ''ہائیڈ

آؤٹ‘‘ ہماری نظروں میں آ چکے ہیں۔ اس کے ساتھی قریباً مارے جا چکے ہیں اور اسلحے کے دونوں ذخیرے ہمارے قبضے میں ہیں...... پھر سمجھ نہیں آتی۔ اس مورچے سے جوابی فائرنگ کس طرح ہوئی؟ وہ دونوں لڑکے جن کی لاشیں ایل ایم جی والے مورچے سے ملی ہیں تازہ دم لگتے تھے ...... ہمارے تمام ٹاؤٹوں کیلئے اجنبی تھے...... سر! میرا تو شروع سے یہی تھیسس ہے کہ سرحد پار سے ان لوگوں کو کمک پہنچائی گئی ہے......‘‘

تارا چند نے پھر چاپلوسی کا انداز اختیار کیا۔

کرنل دوبے بڑا منہ پھٹ آدمی تھا۔

لیکن..............

تارا چند کے سامنے وہ زیادہ بدتمیزی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کے بہت سے خفیہ حساب کتاب تارا چند کے علم میں تھے اور اور خفیہ فنڈز کا ہیر پھیر بھی اس کے بغیر ممکن نہیں تھا۔

’’کچھ بھی ہو تارا چند............ مجھے تو زینب چاہیے اور ہاں .... یہ جو سالا نیا لونڈا آیا ہے‘ بڑا منجھا ہوا لگتا ہے...... اس سے ہوشیار ہی رہنا............ آج کل سرحد پار سے بہت ٹرینڈ لوگ آ رہے ہیں .... اس نے بڑے ماہر کمانڈروں کی طرح کل کی لڑائی لڑی ہے۔ مجھے تو ان کی آرمی ہی کا کوئی آفیسر لگتا ہے‘‘

کرنل دوبے نے جہانگیر کے متعلق اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

’’آپ مطمئن رہیے سر! میرا سرچ آپریشن جاری ہے............ بچ کر نہیں جا سکتے۔ سوپور سے نکلنے والے ہر راستے پر میں نے جاسوسوں کا جال پھیلا دیا ہے اور رہی اس لڑکی کی بات تو مجھے بھی اس کا بہت سا قرض سود سمیت لوٹانا ہے‘‘۔

تارا چند نے کہا

’’لیکن............ پہلے مجھے............‘‘

کرنل دوبے نے وہسکی کا گھونٹ حلق سے نیچے انڈیلتے ہوئے کہا۔

’’یس سر............ باس فسٹ......‘‘

تارا چند نے شیطانی قہقہہ بلند کیا۔

دونوں زینب اور سرحد پار سے آنے والی نئی کمک کی باتیں کرتے رہے جس کے بعد بیرے نے ’’لنچ تیار ہے‘‘ کی اطلاع دی۔

’’ٹھیک ہے...... لگا دو......‘‘

کرنل دوبے نے بیرے سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک ہی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا تھا............!!

’’ذرا اس بیرے کو بلاؤ............‘‘

اس نے فوراً کیپٹن تارا چند سے کہا۔

’’خیریت سر............‘‘

تارا چند نے حیرانگی سے دریافت کیا۔

’’بی ریڈی............‘‘

کرنل دوبے نے اپنا پستول بھی بڑی پھرتی سے اپنے میز کی دراز کھول کر سامنے رکھ لیا تھا اور اب اپنی کرسی پر بڑا محتاط ہو کر بیٹھ گیا۔

تارا چند کو فوراً ہی سارے معاملے کی سمجھ آ گئی۔

اس نے اطلاعی گھنٹی بجائی اور فوراً ایک اردلی اندر آ گیا۔

''بیرے کو بلاؤ اور دو جوانوں سے کہو اندر کمرے میں پوزیشنیں لے لیں''۔

تاراچند نے حکم دیا۔

یہاں موجود تمام لوگوں کا تعلق چونکہ ''را'' سے تھا اس لئے انہیں بات سمجھنے میں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔

پلک جھپکتے میں دو ''بلیک کیٹس'' نے کمرے کے دونوں کونے سنبھال لئے............ اس کے ساتھ ہی ایک جوان بیرے کو لینے چل دیا۔

بیرا اندر آیا تو مطمئن دکھائی دے رہا تھا............ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار اگر تھے بھی تو کم از کم ان کی نظروں سے اوجھل تھے۔

''کیا نام ہے تمہارا''۔

کرنل دوبے نے کڑک کر پوچھا۔

''جی............ میر حسین............''

اس نے سہم کر جواب دیا۔

''کب سے ہو یہاں............''

تاراچند نے پوچھا۔

''سر! آج ساتواں دن ہے......''

اس نے کہا۔

دوبے کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

''ٹھیک ہے............ اسے الگ رکھو ابھی............''

اس نے اپنے جوانوں کو حکم دیا............ جو اسے قیدی کی طرح گھیرے میں لے کر باہر نکل گئے۔

''ان کا سکیورٹی انچارج کون ہے؟''

دوبے نے تاراچند سے دریافت کیا۔

''سر! لکھن لال......''

تاراچند نے اسے ہیڈ باورچی کا نام بتایا۔

''کرنل دوبے لکھن لال کو اچھی طرح جانتا تھا۔ گزشتہ تین سال سے وہ اس ریسٹ ہاؤس میں ''ہیڈ کک'' تھا۔

''بڑے اعتماد کا آدمی ہے سر!''

تاراچند نے اس کے چہرے پر الجھن کے آثار دیکھ کر خود ہی کہہ دیا۔

''اسے بھی بلانا ذرا............''

لکھن لال تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے حاضر تھا۔

''یہ نیا باورچی کون ہے......''۔

کرنل دوبے نے پوچھا۔

''سر! اپنے میر زمان کا بھائی............ کیپٹن صاحب کے علم میں ہے۔ وہ پندرہ دن کی چھٹی پر سری نگر گیا ہوا ہے............ اسی کک کی جگہ رکھا ہے اسے............ میر زمان نے خود ہی اس کا انتخاب کیا تھا............ بڑا ماہر آدمی ہے...... اپنا کام اچھی طرح سمجھتا ہے......''۔

Captured by Qamar Abbas

کھنہ لال نے کہا۔

''میری ں ں.........سکیورٹی چیک کروالیا تھا......''۔

کرنل دوبے نے پوچھا۔

''سر! یہ کیسے ممکن ہے......اس کے بغیر یہاں کون آسکتا ہے۔ بے چارے ''بکروال'' ہیں۔ میر زمان دس سال سے آرمی کے میس میں کام کررہا ہے سر......''۔

کھنہ لال کو الجھن سی ہونے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے......ٹھیک ہے......ذرا محتاط رہا کرو۔ نئے لوگوں کی ڈیوٹی ادھر نہ لگایا کرو......''۔

تارا چند کو خطرہ تھا کہیں کھنہ لال چھٹی پر نہ چلا جائے۔ وہ بڑا اکھڑ قسم کا باورچی تھی اور عام قسم کے افسروں کو خاطر میں نہیں لاتا تھا............

اگر کھنہ لال بھی چلا جاتا تو انہیں دال روٹی اپنے ''لانگریوں'' کی تیار کردہ کھانی پڑتی جس سے کم از کم تارا چند فاقے کرنا زیادہ پسند کرتا تھا

☆☆☆

میر حسن کی تو جان ہی نکل گئی تھی جب اسے کرنل دوبے نے طلب کیا۔ وہ تو بھلا ہو کھنہ لال کا جس نے پرانے دوست میر زمان کی لاج رکھ لی ورنہ شاید اب کسی انٹروگیشن سنٹر میں ہوتا۔

میر حسن کو اس بات کا افسوس ضرور تھا کہ اس نے میر زمان کو دھوکے میں رکھا لیکن ....اسے اس بات کی خوشی بھی تھی کہ میر زمان کو وہ محفوظ ہاتھوں تک پہنچا چکا ہے............

مختار سے اس کی ملاقات سر راہے ہو گئی تھی............

وہ سوپور میں اپنی بہن کے گھر آیا ہوا تھا جب اسے علم ہوا کہ کمانڈر مختار آج اس علاقے میں آیا ہوا ہے۔ اس نے بڑی منت سماجت سے اپنے بہنوئی کو جو مجاہدین کا ساتھی تھا اس بات پر راضی کیا کہ وہ اس کی ملاقات کمانڈر سے کروا دے جو کسی افسانوی کردار کی طرح اس علاقے میں مشہور ہو چکا تھا۔

رات کے دوسرے پہر جب سارا گاؤں گہری نیند سو رہا تھا تو وہ اپنے بہنوئی کے ساتھ گاؤں کے دوسرے کونے میں پہاڑی کے دامن میں بنے اس گھر کی طرف جا رہا تھا جہاں آج رات کمانڈر مختار کا قیام ہوا تھا۔

دروازے پر اس کے بہنوئی نے مخصوص دستک دی تو ایک بوڑھے آدمی نے اپنا سر باہر نکال کر ان کی شناخت دریافت کی اور اس کے بہنوئی کو پہنچان کر اندر بلا لیا......!

ایک قدرے اندھیرے کمرے میں بڑی مدھم سی روشنی میں اسے کمانڈر مختار دکھائی دیا جو اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ کسی منصوبے پر بحث کر رہا تھا۔

اس کے بہنوئی نے میر حسن کا تعارف اپنے نئے ساتھی کی حیثیت سے کروایا تھا۔

''الحمد للہ............اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے جس نے آپ کو صراط مستقیم پر چلایا......'' کمانڈر مختار نے کہا۔

میر حسن نے اس کیلئے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اسے بتایا کہ وہ سوپور چھاؤنی میں باورچی کے فرائض انجام دے رہا ہے اور مجاہدین کی کوئی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اگر مختار حکم دے تو وہ فوجیوں کے کھانے میں زہر ملا دے............

''نہیں............میرے دوست ہرگز نہیں۔ ان کی اور ہماری لڑائی میں یہی تو فرق ہے......ہم اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور وہ

درندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں............ میں کسی ایسے بے گناہ بھارتی فوجی کو مارنے کے حق میں نہیں ہوں جس کا صرف اتنا جرم ہے کہ اس نے ایک بھارتی شہری ہونے کے ناتے فوج کی نوکری اختیار کی ہے............ یہ تو ہندو سامراج ہے جو اپنی فطرت کے مطابق وحشت اور درندگی کا مظاہرہ کررہا ہے۔ تم خاموشی سے نوکری کرتے رہو............ کوشش کرو ان کی نقل و حرکت خصوصاً کمانڈروں کی نقل و حرکت تمہارے علم میں رہے............ یوسف تم سے رابطہ رکھے گا............ اس سے پہلے تمہاری رشتہ داری کی نوعیت مختلف تھی لیکن اب تم ایک نظم سے بندھ گئے ہو...... اس کے احکامات کی پابندی کرنا......"

مختار نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

میر حسن تو بضد تھا کہ اسے تربیت کیلئے بیت کیمپ میں بھیجا جائے۔

لیکن............

کمانڈر مختار کچھ اور ہی سوچ رہا تھا............

وہ جانتا تھا کہ بھارتی فوج کے بگڑے ہوئے افسران کو اگر اپنی پسند کا باورچی مل جائے تو اس کی جان نہیں چھوڑتے اس کے نخرے بھی اٹھاتے ہیں۔

میر حسن خاندانی باورچی تھی۔

اس میں یہ صلاحیت موجود تھی کہ معدے کے راستے فوجی افسروں کے دل میں اتر جائے............

میر حسن کا دل وہاں سے واپس جانے کو نہیں چاہتا تھا۔

لیکن............ بادل نخواستہ اسے وہاں سے آنا ہی پڑا' البتہ اس کی خواہش پر اس کے بہنوئی یوسف نے اسے فجر کی نماز کمانڈر مختار کی امامت میں ادا کرنے کی اجازت دلا دی تھی۔ فجر کی نماز پڑھنے کے فوراً بعد کمانڈر مختار نے اسے اس دعا کے ساتھ رخصت کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس سے مجاہدین کی کوئی بڑی خدمت لے لے۔

دو ماہ تک اس کا رابطہ دوبارہ کمانڈر مختار سے نہیں ہوسکا......!

یوسف کو البتہ وہ چھاؤنی میں آنے جانے والے مختلف افسران کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہا۔ اس روز جب اسے کمانڈر مختار نے ملاقات کیلئے طلب کیا تو وہ سجدہ شکر بجالایا...... اس مرتبہ اسے سوپور کے بجائے بانڈی پورہ جانے کی اجازت ملی تھی............

بانڈی پورہ کے بس سٹاپ پر یوسف اس کا منتظر تھا جو اسے اپنے ہمراہ لے کر پیدل ہی ایک طرف چل دیا۔ پہاڑیوں اور جنگل میں دو دو

پر اسرار خزانہ

پُر اسرار خزانہ...... کہانی ہے ایک حیرت و اسرار میں ڈوبی ہوئی رومانوی داستان کی، جسکا آغاز ہزاروں سال قبل ٹیکسلا (پاکستان) کے محلات (آج کے کھنڈرات) میں ہوا اور اختتام تبت کے پُراسرار جنگلوں اور پہاڑوں میں۔ یہ کہانی گھومتی ہے انسانی محبت اخلاص اور ہمدردی کے جذبات کے گرد، اور اسے سنگین بناتی ہے انسان کی لالچ، طمع اور خود غرضی کے جذبے۔ ایک بے قرار، بھٹکتی رُوح کو سکون اور چین دینے کے لیے کیے گئے دشوار گزار سفر کی داستان، جس میں کچھ لوگوں کے پیش نظر ایک بیش بہا خزانہ بھی تھا۔

پُراسرار خزانہ کو ناول سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

ڈھائی گھنٹے پیدل چلنے کے بعد شام ڈھلے اس "ہائیڈ آؤٹ" تک پہنچے تھے جہاں کمانڈر مختار موجود تھا......!!

میر حسن فرط محبت سے بے قابو ہو کر اس کی طرف بڑھا اور مختار نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا۔

"کیسے ہو میر حسن؟......"

اس نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"الحمدللہ............آپ کو بخیر و عافیت دیکھ کر دل کو سکون مل گیا"

میر حسن نے فرط عقیدت سے کہا۔ اسے ڈھنگ کے الفاظ بھی نہیں مل رہے تھے۔

دونوں تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر کمانڈر مختار نے اسے کام کی بات بتا کر اس کا سسپنس ختم کر ہی دیا۔

"میر حسن جتنی جلدی ہو "ویٹ لیب" تک رسائی حاصل کرو......"ویٹ لیب" کے باورچی خانے میں تمہاری بہت ضرورت ہے......"

میر حسن سوچ میں پڑ گیا............!

"خیریت......"

اس مرتبہ اس کے بہنوئی یوسف نے دریافت کیا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں............میں سوچ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے کس طرح مہربانی کر دی ہے کہ رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ بھی مل گیا......"

اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟"

کمانڈر مختار نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"میرا بھائی میر زمان وہاں باورچی ہے......اور ہیڈ باورچی کھنہ لال اس کا پرانا ساتھی ہے۔ ایک ترکیب ذہن میں آتی ہے اگر قابل عمل ہو......"

"کیا......"

یوسف نے بے چینی سے پوچھا۔

"اگر میر زمان پندرہ بیس دن کی چھٹی پر چلا جائے تو کھنہ لال مجھے وہاں رکھ لے گا' کیونکہ کرنل دو بے اور اس کا ماتحت کیپٹن تارا چند دونوں بہت چٹورے اور گوشت خور ہیں......"

میر حسن نے بتایا

"اس میں قباحت کیا ہے......"

کمانڈر مختار نے دریافت کیا۔

"اگر اسے سرحد پار پہنچانے کی گارنٹی دی دی جائے تو وہ ہر بات ماننے کے لئے تیار ہے کیونکہ اسے دن رات ایک ہی لگن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ سرحد کے پار چلا جائے۔ جب سے اس کے گاؤں میں تین لڑکیوں کو بھارتی اٹھا کر لے گئے ہیں' اس کا دھیان اپنی جوان بیٹیوں کی طرف سے ہٹتا ہی نہیں......"

میر حسن نے بتایا۔

"تم سمجھو یہ کام ہو گیا......"

کمانڈر مختار کے ایک اور ساتھی نے جواب دیا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

اور..............

اس کا کام واقعی ہو گیا۔

تیسرے ہی روز میر زمان اسے کھنہ لال سے ملانے لے گیا۔اس نے میر حسن کا تعارف اپنے بھائی کی حیثیت سے کرواتے ہوئے بتایا کہ وہ کھانا پکانے میں اس کا بھی استاد ہے۔کھنہ لال بھی خاندانی باورچی تھی......لیکن............میر زمان جس جس انداز کے گوشت پکا کر افسران کو کھلایا کرتا تھا اس کے بعد سے تو اس نے میر زمان ہی کو اپنا استاد بنالیا تھا۔

کھنہ لال کیلئے یہ بات باعث اطمینان تھی کہ میر حسن بھی فوجی چھاؤنی میں آفیسرز میس میں کھانا پکاتا ہے جس کا مطلب یہی تھی کہ اس کو ''سکیورٹی کلیرنس'' کیلئے بھی زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

اس نے بڑی آسانی سے اپنے دیرینہ دوست میر زمان کی چھٹی منظور کروادی اور مقامی سکیورٹی آفیسر سے میر حسن کا سکیورٹی سٹرٹیفکیٹ بھی حاصل کرلیا......!

چھاؤنی والے میر حسن کو چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہو رہے تھے۔

لیکن............دوسری طرف انہیں بتایا گیا کہ اسے کرنل دوبے کی خدمات کیلئے لے جایا جارہا ہے کیونکہ ان کا اپنا باورچی پندرہ بیس روز کی چھٹی پر چلا گیا ہے اور جیسے ہی وہ آیا میر حسن یہاں واپس لوٹ آئے گا......

چارج سنبھالنے کے پہلے ہی روز اسے کرنل دوبے نے چیک کرلیا تھا۔

لیکن............جب رات کو اس کے ہاتھ کا بھنا ہوا گوشت کرنل دوبے کے سامنے رکھا گیا تو شراب کے نشے میں مدہوش کرنل دوبے نے تاراچند کو حکم دیا تھا کہ اب میر حسن کو مستقل اس کے ساتھ اٹیچ کردیا جائے اور اگر وہ یہاں سے دہلی بھی واپس گیا تو بھی اسے اپنے ساتھ لے کر جائیگا۔

تاراچند نے اثبات میں گردن ہلادی۔

تین چار دن میں ہی وہ میر حسن کے دیوانے ہو گئے جس نے انہیں ایسے ایسے چٹخارے دار سالن کھلائے کہ اب وہ ان کیلئے ناگزیر ہو چکا تھا۔

میر حسن کو بے چینی سے کمانڈر مختار کے دوسرے حکم کا انتظار تھا۔ یہ بات تو وہ جانتا ہی تھا کہ کمانڈر مختار نے اسے کسی مصلحت کے تحت ہی یہاں پہنچایا ہے۔کمانڈر مختار کی یہ عادت تھی کہ وہ کبھی اپنے کسی ساتھی کو منصوبے کی مکمل تفصیلات سے آگاہ نہیں کرتا تھا۔انہیں ان کے حصے کی تفصیلات ہی بتائی اور سمجھائی جاتی تھیں۔

میر حسن کچھ نہ کچھ کر گزرنے کیلئے بے قرار ہو رہا تھا۔

جب سے اس نے شمشیر نگر والے ''کریک ڈاؤن'' کی تفصیلات سنی تھیں اس کیلئے خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔یہ احساس اس کی جان کو آ گیا تھا کہ شمشیر نگر کے بے گناہ مسلمانوں کے قاتل اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں اور وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا؟میر حسن خدا سے دن رات یہی دعائیں مانگ رہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو اسے میدان عمل میں کودنے کی اجازت مل جائے۔

اگلے ہی روز اسے ٹیلی فون پر میر زمان کی جوش بھری آواز سنائی دی تھی جس نے اسے بتایا تھا کہ اللہ کے فضل و کرم سے وہ اپنی دونوں بیٹیوں سمیت بحفاظت آزاد علاقے میں پہنچ چکا ہے تو اس کے دل پر پڑا پتھر بھی ہٹ گیا تھا..............

اب اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں بچی تھی۔اب اسے کمانڈر مختار کے حکم کا انتظار تھا جس پر عمل کرکے وہ اپنی بے قراری کو قرار میں تبدیل کرسکتا تھا۔

☆☆☆

اس روز جب یوسف نے اسے سوپور آنے کی دعوت دی تو اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ آج کمانڈر مختار نے اسے خاص کام کیلئے ہی طلب کیا ہے۔

شمشیر نگر والے حادثے کو آج پانچواں روز ہونے کو آیا تھا اور یہ چار دن جس طرح جہانگیر نے بے چینی سے بسر کیے تھے اس کا حال کچھ وہ ہی جان سکتا تھا............ اسے اپنے تینوں ساتھیوں سمیت ایک مکان کے تہہ خانے میں بند ہونا پڑا تھا............ اس دوران ان کے دو ٹھکانے تبدیل کروائے گئے تھے۔

جہانگیر جانتا تھا کہ کمانڈر مختار سے زیادہ اس علاقے کو اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ کمانڈر مختار نے اسے بتایا تھا کہ ''را'' کو یقین ہے کہ ان کے باقی ماندہ ساتھی ابھی تک یہیں موجود ہیں اور اس نے سوپور کے چپے چپے پر اپنے ٹاؤٹوں کا جال پھیلا دیا ہے۔ ان حالات میں انہیں سوائے ''دیکھو اور انتظار کرو'' کے اور کچھ نہیں کرنا چاہیے۔

جہانگیر نے اس دوران اللہ تعالیٰ سے ایک ہی التجا بار بار کی تھی کہ وہ اپنے شہید ساتھیوں کی خواہش پوری کر کے انہیں اور دوسرے درجنوں شہدا کی روحوں کو تسکین پہنچانے کا باعث بن جائے۔

وہ اگلی منزل پر گامزن ہونے سے پہلے ''ویٹ لیب'' کو اس میں موجود شیطانوں سمیت تباہ کر دینا چاہتا تھا............

کمانڈر مختار نے بھی اس علاقے میں اپنی جاسوسی کا جال بچھا رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ابھی تک جہانگیر کو سگنل نہیں دیا تھا۔ اس روز جب اس نے جہانگیر کو بتایا کہ اب کچھ امن ہو چلا ہے اور دشمن یہ سمجھنے لگا ہے کہ مجاہدین یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو جہانگیر نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا تھا۔

اس نے زمین پر کاغذ بچھا کر جہانگیر کو ''ویٹ لیب'' اور اس کے نزدیک چھپنے کی ممکنہ جگہوں کی نشاندہی کرنے کے بعد اس کی رائے طلب کی تھی............

''میں اس ریسٹ ہاؤس میں ڈائنامائیٹ لگاؤں گا......''

جہانگیر نے تمام جزئیات سمجھنے کے بعد کہا۔

''لیکن میرے بھائی ہمارے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے' اگر اندر ہی داخل ہونا ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا......''

کمانڈر مختار نے کہا۔

''نہیں مختار بھائی............ آپ کو باہر سے حملہ کرنا ہے............ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے اگر میری زندگی ابھی باقی ہے تو مجھے اپنے مقصد میں ضرور کامیابی ہوگی......اور یہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ پائیں گے......''

جہانگیر کے لہجے میں موجود بے پناہ اعتماد نے مختار کو خاموش کر دیا۔

دونوں خاصی دیر تک حملے کی منصوبہ بندی کرتے رہے......!

نزدیک دور سے مجاہدین کو جمع کرنے کے بعد ان کے پاس 20 مجاہدین کی نفری موجود تھی۔

ان لوگوں کے پاس بھی زیادہ موثر ہتھیار نہیں تھے۔ صرف وہ ہتھیار ہی کارگر تھے جو جہانگیر اور اس کے ساتھی لے کر آئے تھے............

مقامی مجاہدین کے پاس اسلحہ اور بارود تو کم تھا۔

لیکن......ان کے حوصلے کشمیر کے بلند و بالا پہاڑی سلسلوں سے بھی بڑے اور مضبوط تھے۔

ان سب کے دلوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔

ان سب کے پیاروں کو ان کی آنکھوں کے سامنے سسکا سسکا کر مارا گیا تھا۔ ان کا اتہ پتہ ٹھکانہ جاننے کیلئے ان کے رشتہ داروں کو ''ویٹ لیب'' میں لے جایا جاتا تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

Captured by Qamar Abbas

اور.............

جب پندرہ بیس روز کے بعد ان کی مسخ شدہ لاشیں کسی ندی نالے یا پہاڑی کے دامن ملتی تھیں تو ان کی شناخت مشکل ہو جاتی تھی۔ ان کے جسموں میں سوراخ کر کے ان پر تشدد کیا جاتا تھا۔

کرنل دوبے کیلئے ان کے جسم کی ہڈیاں ایک ایک کر کے توڑنا معمول کی بات بن کر رہ گئی تھی۔ وہ سب تو نجانے کب سے اس ساعت سعید کے منتظر تھے جب انہیں اپنے دل کے ارمان نکالنے کا موقع ملتا جب انہیں اپنے پیاروں کی بے رحمانہ موت کا قرض چکانے کی مہلت میسر آتی۔

جب ان لوگوں کے جمع ہونے کے بعد کمانڈر مختار نے جہانگیر کا تعارف کراتے ہوئے اس منصوبے سے آگاہ کیا کہ وہ اپنے نئے ساتھی جہانگیر کے حکم اور خواہش پر ''را'' کے اس وحشت کدے کو نیست و نابود کرنے جا رہے ہیں تو جوش' غضب اور خوشی سے ان کے چہرے تمتمانے لگے تھے۔

انہیں تو ایک مرنا ہی تھا............ وہ تو اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے اس راہ حق پر گامزن ہوئے تھے۔ اس راہ میں شہادت تو بہر حال ان کا نصیب بننے والی تھی............ جلد یا بدیر انہیں شہید تو ہونا ہی تھا۔

لیکن............ راہ شہادت پر گامزن ہونے سے پہلے اگر انہیں اپنے دل کے ارمان نکالنے کا موقع مل جاتا تو اس سے زیادہ ان کی نیک نصیبی اور کیا تھی............

وہ فرط جذبات سے جہانگیر سے باری باری لپٹ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہی میر حسن کی آمد کی اطلاع مل گئی جسے کمانڈر مختار نے کسی اور جگہ ٹھہرایا تھا اور اب وہ جہانگیر کے ساتھ اس سے ملنے جا رہا تھا۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

کمانڈر مختار نے جس عقیدت و محبت سے اس کا تعارف کروایا تھا' اس نے میر حسن کو بے اختیار جہانگیر سے بغل گیر ہونے پر مجبور کر دیا۔

''میر حسن بھائی...... وہ وقت آ گیا جس کا ہم سب کو بے چینی سے انتظار تھا۔ جب تمہیں وہاں بھیجا گیا تھا تب میرے ذہن میں اپنی کم مائیگی کی وجہ سے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ہم اس شیطان کدے کو غارت کرنے کیلئے حملہ کریں گے............ لیکن ہمارے اس مجاہد کے حوصلے اور عزم نے ہمیں آج یہ حوصلہ دے ہی دیا۔ میر حسن تمہیں جہانگیر کے کو اپنے ساتھ ''ویٹ لیب'' کے کچن تک لے جانا ہے............ اس کے بعد کا سارا کام جہانگیر بھائی کریں گے۔ تمہیں ان کی حفاظت کرنی ہے۔ تمہارے ایک ساتھی اور کمانڈر کی حیثیت سے میرا یہ حکم ہے کہ تم زندگی کے آخری سانس تک جہانگیر کی حفاظت کرو گے...... اگر کوئی مشکل بنے تو اسے بہر صورت زندہ نکالنے کی کوشش کرنا............ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے............ لیکن دنیاوی طور پر اگر ہم ناکام بھی رہے تو بھی کوئی غم نہیں کہ ہم انشاءاللہ سرخرو ہو جائیں گے......''

کمانڈر مختار نے اسے سمجھایا۔

''الحمدللہ............ انشاءاللہ آپ مجھے اپنے حکم پر پورا پائینگے......''

میر حسن نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔

تینوں زمین پر کاغذ بچھا کر بیٹھ گئے۔ میر حسن نے انہیں ''ویٹ لیب'' کے اندر کی ایک ایک تفصیل سے آگاہ کر دیا تھا۔ یوں دکھائی دیتا تھا جیسے وہ اس عرصے کے دوران بڑی ہوشیاری سے اندر کی صورتحال کا جائزہ لیتا رہا ہے...... دھماکہ خیز مواد اور جہانگیر کو اپنے ساتھ اندر تک لے جانے کا اس نے جو طریقہ بتایا اس پر دونوں ہی عش عش کر اٹھے...... انہوں نے باری باری بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ میر حسن کچھ دیر بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

Captured by Qamar Abbas

''ویٹ لیب'' کی نزدیکی پہاڑی کے دامن میں موجود پوسٹ پر ایک مشین گن نصب تھی جہاں دو سپاہی اور ایک حوالدار مستقل ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔

یوں تو اس علاقے میں معمول کی سردی بہت زیادہ پڑتی تھی......لیکن آج کی سردی نے تو بھلے بھلوں کے کس بل نکال دیئے تھے۔

ان بے چاروں کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں یہاں انگیٹھیاں مل سکتی تھیں نہ ہی ان کی مرضی کے مطابق چائے..........

چائے انہیں دن میں صرف دو مرتبہ ملتی تھی۔ صبح ناشتے کے ساتھ اور سہ پہر کو۔ اس علاقے میں سی آر پی ایف کی یہ واحد پوسٹ تھی......

انہیں آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی کہ آخر اس پوسٹ کو یہاں رکھنے کا کیا جواز ہے......باقی پوسٹوں پر بھی آرمی اور بی ایس ایف کے جوان پہرہ دیتے تھے۔ یہاں بھی انہی کو ڈیوٹی کیوں نہیں سونپ دی گئی۔

ان کی واحد امید وہ بکروال کشمیری تھے جو کبھی کبھی اپنی بھیڑ بکریاں چراتے اس طرف آنکلتے اور جب وہ قہوہ یا چائے بناتے تو جذبہ خیر سگالی کے تحت انہیں بھی پیش کر دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ اس علاقے پر ان کی حکومت بھی تھی کیونکہ قانوناً تو یہاں بکریاں چرانا منع نہیں تھا۔

لیکن..........عموماً یہ پوسٹ والوں کی مرضی پر منحصر ہوتا۔ اگر وہ چاہتے تو ان بے چاروں کو واپس بھگا دیا کرتے تھے۔

تین چار روز سے اس طرف کوئی بکروال بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔

آج جب دوپہر کے بعد انہیں کچھ فاصلے پر چند بکریاں دکھائی دیں تو حوالدار مکھن لال کے نیم مردہ چہرے پر رونق آ گئی۔

''لو بھئی بھگوان نے ہماری آج چار روز بعد سن ہی لی......''

اس نے اپنے ایک جوان کو اس طرف بھیجا کہ اگر تو یہ لوگ اپنی مرضی سے چائے وغیرہ دیدیں تو ٹھیک ہے۔ بصورت دیگر زبردستی بھی کرنی پڑے تو کر لینا۔ کوئی قیامت نہیں آ جائیگی۔ یہاں ہماری ماں تو بیٹھی نہیں جو ہمیں چائے دودھ کا پوچھے گی۔

''سر! آپ مطمئن رہیں......یہ سالے دن میں دس مرتبہ یہاں چائے بناتے ہیں۔ میری شکل دیکھ کر ہی مان جائینگے..........'' سپاہی کنہیا نے کہا۔

''بس اب جا..........زیادہ باتیں نہ کر......سردی میں زیادہ منہ کھولا تو برفیلی ہوا اندر جانے سے نمونیہ ہو جائے گا......''

حوالدار مکھن لال نے قہقہہ لگایا۔

کنہیا اپنی رائفل سنبھالتا اس طرف چل دیا۔

قدرے اونچائی پر اسے کچھ بھیڑ بکریاں دور دکھائی دیں اور چار بکروال بھی دکھائی دیئے جو ایک کونے میں درخت کے نیچے اینٹوں کا چولہا بنا کر شاید کچھ پکا رہے تھے جیسے ہی ان کی نظر کنہیا پر پڑی وہ محتاط ہو گئے۔

''آپ مہاراج..........آیئے مہاراج..........جے ہند......جے ہند......''

ان میں سے ایک نے جو عمر میں سب سے بڑا تھا اسے دیکھتے ہی چاپلوسی اختیار کر لی۔

''جے ہند..........کون لوگ ہو تم......کس گاؤں سے آئے ہو......''

کنہیا نے اکڑنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''مائی باپ ہم تو بکروال ہیں......ہمارا کون سا گاؤں اور کیا ٹھور ٹھکانہ۔ گھوم پھر کر روزی کماتے ہیں۔ سوپور کی منڈی کیلئے آئے ہیں۔ پرسوں منڈی لگنی ہے۔ رات یہاں بکریاں چرتی رہیں گی۔ کل منڈی میں لے جائینگے......''

اس نے دوبارہ بڑی انکساری سے کہا۔

''تمہیں علم نہیں......ادھر آرمی کا علاقہ ہے......چلو بھاگ جاؤ......نہیں تو اندر کر دوں گا..........'' کنہیا نے ڈانٹنے کی اداکاری کی......

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

''حضور...... مائی باپ بیٹھے بیٹھے کوئی خدمت کا موقع تو دیجئے ۔ پھر چلے جائیں گے۔ہم تو آپ افسروں کے تابعدار ہیں......اوئے چائے لاؤ گلاس بھر کے حوالدار صاحب کیلئے..........''

اس نے بڑی منت سماجت سے کنہیا کو کہا۔

چائے کا سنتے ہی کنہیا کی رال ٹپک پڑی۔

اس کے کچھ مزید کہنے سے پہلے چائے بھی آ گئی...........

''اوئے یہ کیا......افسروں کو رشوت دے رہے ہو......اچھا تم بھی کیا یاد کرو گے۔لاؤ پی لیتے ہیں......''

کنہیا نے بے شرمی سے دانت نکالے۔

گرم گرم چائے پیتے ہوئے اس کی زبان بھی جل گئی تھی۔

لیکن.........

یہ کوئی مہنگا سودا نہیں تھا۔

اس نے تین چار منٹ میں ہی گلاس خالی کر دیا پھر ان سے مخاطب ہوا:

''اوئے دیکھو ادھر دو افسر اور ہیں' ان کیلئے بھی چائے لاؤ ......خبردار انہیں یہ نہ بتانا کہ میں نے پہلے بھی چائے پی ہے میرے لئے ایک گلاس اور لے آنا......''

''جو حکم مائی باپ آپ پرواہ نہ کریں......''

اس نوجوان نے کہا۔

کنہیا نے انہیں ہاتھ کے اشارے سے اپنی پوسٹ دکھائی اور لوٹ گیا......کنہیا اندازہ ہی نہ کر سکا کہ انہوں نے اپنے سفری سامان میں دراصل ان کی موت کا سامان چھپا رکھا تھا..........!

☆☆☆

بمشکل تین چار منٹ بعد ہی انہیں وہی ڈھلتی عمر کا بکروال اپنی پوسٹ کی طرف آتا دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ساوا پکڑ ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تین پیالیاں۔

پوسٹ پر موجود تین جوانوں نے اس طرح چائے پی جیسے انہیں زندگی میں آخری مرتبہ چائے پینے کا موقع مل رہا ہو اور اس کے بعد لمبے عرصے تک اس کے بغیر رہنا پڑتا۔

''بندے تو تم کام کے لگتے ہو......کہاں سے آئے ہو؟..........''

حوالدار مکھن لال نے آخری گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''سرکار سوپور کی منڈی کیلئے بڑی دور سے آئے ہیں......''

اس نے جواب میں وہی کہانی دہرا دی جو اس سے پہلے کنہیا کو سنائی تھی۔اس کے ساتھ ہی درخواست کر دی کہ اگر وہ انہیں رات اپنی پوسٹ کے قریب خیمہ لگا کر گزارنے کی اجازت دیدیں تو وہ ساری زندگی ان کا یہ احسان نہیں بھول سکتے..........

''ادھر سوپور میں ہمارے بیوپاری ہیں مالک......آپ کی ہر طرح سیوا کر دیں گے۔ایک بوتل تھی آپ کیلئے ہی لایا ہوں......''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے فیرن میں ہاتھ ڈالا اور ''رم'' کی ایک بوتل نکال کر حوالدار مکھن لال کی طرف بڑھا دی۔

Captured by Qamar Abbas

مکھن لال کی آنکھوں کی چمک دوگنا ہو گئی تھی۔

ان نے ندیدے بچوں کی طرح بوتل لپک کر پکڑ لی۔

''جاؤ موج کرو..............ادھر اپنی حکومت ہے.........کوئی سالا تمہاری طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا.......!!

حوالدار مکھن لال نے اپنی مونچھوں کو الٹے ہاتھ سے تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

''بھگوان آپ کا بھلا کرے مہاراج.......جے ہند.......''

کہہ کر وہ بکروال جدھر سے آیا تھا اس طرف لوٹ گیا..............

''لو بھئی..............آج کی رات تو سالی مزے میں کٹے گی..............اوئے کنہیا اسے نیچے مورچے میں چھپا دے.......شام کی گشت گزر جائے پھر موج مستی کریں گے.......''

مکھن لال نے اپنے ماتحت کو حکم دیا۔''آل رائیٹ سر.......''

کنہیا بھی خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

وہ جانتے تھے کہ یہ بکروال اپنے ساتھ رات بھر کرنے کا سامان لے کر سفر کرتے ہوئے دیہاتوں سے آتے ہیں اور منڈیوں میں اپنا مال فروخت کر دیتے ہیں۔

مکھن لال نے انہیں بطور خاص ہدایت کی تھی کہ وہ پانچ بجے کے بعد پہاڑی سے نیچے آئیں اور اپنا خیمہ لگالیں۔اس نے بکروال کو بتایا تھا کہ پانچ بجے سے پہلے یہاں سے گشت گزرے گی جسے وہ''سب اچھا'' کی رپورٹ دیدیں گے۔اس گشت کے ذریعے ہی انہیں رات کا کھانا پہنچایا جاتا تھا..............

شام پانچ بجے سے پہلے معمول کے مطابق ایک انسپکٹر اور چار جوان اس طرف آئے انہوں نے جیپ نیچے سڑک پر ہی کھڑی کر دی تھی اور اب پیدل اوپر آ رہے تھے پوسٹ پر پہنچ کر انسپکٹر نے ان سے''سب اچھا'' کی رپورٹ لی۔اپنے ہاتھ میں پکڑے''واکی ٹاکی'' پر یہ رپورٹ آگے ''ویٹ لیب'' کو پہنچائی اور انہیں''شاباش ڈٹے رہو'' کا حکم دیکر ان کا کھانا سون کر آگے چل دیا۔

آج انہیں بطور خاص حاتم طائی کی قبر پر لات مارتے ہوئے انہوں نے دو کانگڑیاں اور کچھ کوئلے بھی دے دیئے تھے تا کہ اپنا کھانا گرم کر کے کھا سکیں..............

''سالا.......الو کا پٹھا.......''

اس کے جاتے ہی حوالدار مکھن لال بڑبڑایا.......!

جیپ کی روانگی کے قریباً بیس منٹ بعد بکروال بھی وہیں آگئے۔انہوں نے اپنی بکریوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ایک ڈربے نما خیمے میں بند کر دیا تھا اور دوسرا خیمہ اپنے لئے لگا لیا تھا..............

''سر! آج آپ کا کھانا ہماری طرف ہے.......بڑی شاندار سبزی کھلائیں گے.......''

اس ڈھلتی عمر کے کشمیری نے کہا۔

''دھن باد.......دھن باد.......بس چائے نہ بھولنا.......باقی سب تو ٹھیک ہے.......''

حوالدار مکھن لال نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''دو دن کیلئے تو آپ یہ سمجھئے کہ اپنے گھر میں موجود ہیں.......کسی چیز کی فکر نہ کریں۔صبح میں سوپور سے دو بوتلیں اور لے آؤں گا.......ادھر ہمارے ایک بندے کے پاس''ٹھیکہ'' ہے.......خوش کر دیں گے آپ کو.......''

بکروال نے شیخی بگھاری۔

اور............

وہ تینوں واقعی خوش ہو گئے......!!

ان کی تعداد پانچ تھی اور اس وقت وہ پانچوں خیمے میں سکڑ سمٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ پانچوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''الحمدللہ..................''

ان میں سے ایک نے کہا۔

پانچوں نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ جب وہ دعا مانگ رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے مرحلے پر انہیں توقع سے زیادہ آسانی سے کامیابی عطا فرمائی تھی۔ دعا کے اختتام پر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دوبارہ دیکھ کر ایک دوسرے سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

''چلو............اللہ اکبر......''

عابد نے اٹھتے ہوئے کہا جو اس گروپ کا کمانڈر تھا۔

''اللہ اکبر...........''

باقی چاروں نے باری باری کہا اور رینگتے ہوئے باہر آ گئے۔

ان کے پاس صرف تین کلاشنکوفیں تھیں یا کچھ ہینڈ گرنیڈ جو انہوں نے ممکنہ مزاحمت کے پیش نظر حملے کیلئے تیار رکھے تھے۔

''وحید بھائی تم اپنا کام شروع کرو......''

مورچے سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر عابد نے کہا۔

''خدا حافظ......''

اس بکروال کشمیری نے جو کوئی مقامی دکھائی دے رہا تھا اور اب تک ان کے اور ''سی آر پی ایف'' کے درمیان رابطہ بنائے ہوا تھا کہا اور آگے بڑھ گیا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں وہی ساوار پکڑ رکھا تھا اور اب مورچے کی طرف جا رہا تھا جس میں شراب کے نشے میں دھت تینوں بھارتی سورمے سکڑے سمٹے بیٹھے تھے......

''آؤ یار......آؤ......لو بیڑی پیؤ......''

حوالدار مکھن لال نے اپنی دانست میں بڑی مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا۔

لیکن............دوسرے ہی لمحے اس کا نشہ ہرن ہو گیا جب کلاشنکوف کی ٹھنڈی نال اس کی گردن سے چپک گئی۔

اس طرح کی دو اور بندوقیں باقی دونو جوانوں نے ان کی طرف تانی ہوئی تھیں۔

''کک کک کیا مطلب......یہ کیا مذاق ہے؟''

مکھن لال نے کپکپاتی اور نشلی آواز میں کہنا چاہا۔

''یہ مذاق نہیں ماکھن لال جی......حقیقت ہے اور اگر اب تم نے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالا تو............کتے کی موت مارے جاؤ گے......خاموشی سے ہمارے احکامات کی تعمیل کرتے رہو......میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں اپنا کام ختم ہونے پر بھاگ جانے کا موقع دیدوں گا......لیکن......

اگر چالاکی دکھائی تو تمہیں اب یقین ہو جانا چاہیے کہ تم ہم سے زیادہ چالاک ہوشیار نہیں ہو......''

عابد نے اس کی بات کا جواب دیا۔

حوالدار مکھن لال کو سمجھ آ گئی تھی کہ بازی الٹ چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی دھن کے پکے معلوم ہوتے تھے یوں بھی وہ ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا انہوں نے پلک جھپکتے ہی اس کے دونوں جوانوں کی مشکیں کسیں اور انہیں اپنے خیمے میں پھینک کر اس طرح باندھ آئے کہ وہ اپنی مرضی سے حرکت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

''حوالدار مکھن لال...........تمہیں صرف ایک کام کرنا ہے۔ وائرلیس پر کسی بھی پیغام کا جواب اسی طرح دو گے جس طرح یہاں کچھ نہیں ہوا...........اگر تم نے کوئی سگنل یا اشارہ دینے کی کوشش کی تو..................''

عابد نے اپنی بات نامکمل چھوڑ دی تھی۔

اس کے تیور بتا رہے تھے کہ اس نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرنے کی ہمت بھی رکھتا ہے۔

''ٹھیک ہے.....''

مکھن لال نے سر جھکا دیا۔

انہوں نے احتیاطاً مکھن لال کے دونوں ہاتھ بھی رسی سے باندھ دیئے تھے اور وہ مورچے کے اندر ہی بیٹھا تھا۔

عابد کے ایک ساتھی نے مشین گن پر پوزیشن سنبھال لی تھی باقی اس کے اشارے پر مختلف پوزیشنیں لے رہے تھے۔ یہ پوسٹ خصوصی نگرانی کے تحت قائم کی گئی تھی اور اس پوزیشن میں بنائی گئی تھی کہ نیچے گزرنے والی سڑک پر ہونے والی ساری نقل و حرکت کو آسانی سے کنٹرول کیا جا سکے۔

عابد نے وہاں موجود گولہ بارود کی پیٹیوں سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ وہ کم از کم صبح ہونے تک بھارتی فوج کو یہاں سے ''ویٹ لیب'' کی طرف بڑھنے سے روک سکیں گے۔ اسے کمانڈر مختار نے خصوصی ہدایات کے ساتھ روانہ کیا تھا اور اس مشن کی کامیابی کا انحصار بہت حد تک ان پر بھی تھا۔

اس دوران دو مرتبہ وائرلیس پر حوالدار مکھن لال سے رپورٹ مانگی گئی جو اس نے گن پوائنٹ پر ''سب اچھا'' ہی دی تھی۔

پوسٹ پر موجود دوربین کے ذریعے عابد نے اردگرد کا جائزہ لے کر اپنی دفاعی حکمت عملی ترتیب دے لی تھی اور اب وہ دوربین کو ''ویٹ لیب'' کی عمارت پر نصب کیے دوسری کارروائی کا منتظر تھا..............

اچانک ہی فضا زوردار دھاکوں سے لرزنے لگی.............

''اللہ اکبر...........اللہ اکبر......''

اس کے ساتھیوں نے خوشی سے نعرے بلند کیے۔ دوسری طرف بھی مجاہدین نے کامیاب کارروائی کا آغاز کر دیا تھا۔

جہانگیران کی توقعات پر پورا اترا تھا..............

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

Captured by Qamar Abbas

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

ساتواں باب

شام ڈھلنے پر اچانک ہی میر حسن نے کھنہ لال کو اطلاع دی تھی کہ مسالے اور کچھ سبزیاں ختم ہیں اور بمشکل آج رات کا ہی راشن تیار ہو سکے گا۔

''یار..........یہ تو بڑا خراب معاملہ ہے...... مجھے تو صبح بہت ضروری کام ہے۔ تم ایسا کرو ابھی نکل جاؤ اور سوپور سے سبزی گوشت بھی اٹھا لاؤ...... میں ٹھیکے دار کو فون کروا دیتا ہوں......'' کھنہ لال نے کہا۔

''ٹھیک ہے جیسے آپ کا حکم..........یوں بھی ہمیں کل شام کو بھی تازہ گوشت لانا ہی تھا چلو کل کا چکر بچ جائیگا۔ میں بھی شہر میں ایک دو ضروری کام کرلوں گا......'' میر حسن نے کہا۔

کھنہ لال نے اس کیلئے چھوٹا ٹرک اور ''گیٹ پاس'' بنوا کر دیا تھا اور اسے ہدایت کی تھی کہ رات کو جلدی لوٹ آئے۔

''کھنہ لال جی مہاراج آپ کو علم ہے میری منگیتر آج کل ادھر سوپور میں آئی ہوئی ہے اب جاؤں گا تو ادھر بھی دعا سلام تو کرنی پڑے گی...... رات کا کھانا تو آج آپ ہی کو پکانا پڑے گا......'' میر حسن نے اس کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''اچھا تو یہ بات ہے...... چلو یار تم بھی کیا یاد کرو گے اچھا وہ ذرا مجھے دوبارہ بتا دینا کوفتے میں دہی کا کیا حساب رکھنا ہے......'' کھنہ لال نے اس سے کسی کھانے کی ترکیب پوچھی۔

میر حسن نے اسے وضاحت سے سب کچھ بتا دیا۔ ٹرک آ گیا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ بازار کی طرف چل دیا۔

ٹھیکے دار کو اطلاع مل چکی تھی اور وہ گوشت سبزی تیار کروا رہا تھا ''ویٹ لیب'' میں کھانے پینے کی سپلائی خلاف معمول صبح کے بجائے شام کو جایا کرتی تھی...... ان کی آمد و رفت کیلئے ایک سڑک مخصوص کر دی گئی تھی اور انہیں خصوصی ہدایات تھیں کہ جب بھی وہ بازار جائیں اور واپس آئیں گے تو یہی راستہ اختیار کریں گے...... اس راستے پر صرف ایک چیک پوسٹ تھی جبکہ دوسرے راستوں پر تین تین چیک پوسٹیں لگائی گئی تھیں......!!

ایک چیک پوسٹ پر ڈیوٹی دینے والے تمام جوان میر حسن اور کھنہ لال سے بخوبی واقف تھے جو انہیں کبھی کبھی افسروں سے آنکھ بچا کر افسروں کے حصے کا مال سپلائی کر دیا کرتے تھے۔ میر حسن تو اس معاملے میں کچھ زیادہ ہی فراخدل ثابت ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا کچھ زیادہ ہی احترام کرتے تھے۔

جہاں جہاں سے وہ گزرتا تھا اسے ''میر صاحب آداب...... میر صاحب آداب'' کی آوازیں سنائی دیتیں۔ میر صاحب بھی جواب میں گرمجوشی سے ''تسلیمات'' کہتے ہوئے اپنا راستہ ناپتے تھے۔

اسے امید تھی کہ جہانگیر کے تیار کردہ منصوبے کے مطابق سارا کام آسانی سے ہو جائیگا۔

ٹرک ڈرائیور کو اس نے بڑی فراخدلی سے کھانے اور ناشتہ کرنے کی دعوت دیدی تھی جو اس نے دل و جان سے قبول کرلی اور اب اس کا مسلسل شکریہ ادا کرتا آ رہا تھا۔

سوپور تک وہ لوگ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ ٹھیکے دار کو پہلے سے اطلاع مل چکی تھی اور وہ مال تیار کروا رہا تھا۔ میر حسن نے اس سے آدھے گھنٹے

بعد ملاقات کا وعدہ کیا تھا کیونکہ اسے اپنے لئے گھر سے نیا بستر اور کپڑے بھی لے کر جانے تھے۔

''ٹھیک ہے'ٹھیک ہے......تم تیاری کرلو......''

ٹھیکے دار کو اچانک ملنے والے حکم کی تعمیل نے بوکھلا دیا تھا۔

☆☆☆

''جہانگیر بھائی تیاری کرلیں آپ دس منٹ بعد رخصت ہو رہے ہیں......''

ایک مجاہد نے جو دروازے کے باہر ڈیوٹی دے رہا تھا اسے مطلع کیا۔

جہانگیر نے رات اسی گھر میں قیام کیا تھا۔ کچھ دیر تک کمانڈر مختار اس کے ساتھ رہا پھر حفاظتی اقدامات کے تحت وہ دوسرے ٹھکانے پر منتقل ہوگیا۔

''اب تمہاری راہنمائی زینب کرے گی...... میں تھوڑی دیر بعد نکل رہا ہوں...... انشاء اللہ ہماری ملاقات ویٹ لیب کے کھنڈرات پر ہوگی......اور یہاں نہیں تو پھر جنت میں...... مجھے افسوس رہے گا۔ ہم تمہاری کوئی خدمت بھی نہ کرسکے......لیکن جلد ہی انشاء اللہ وقت آئے گا جب ہم کسی خدمت کے قابل بھی ہو جائینگے......'' مختار نے اس سے بغل گیر ہو کر کہا۔

''انشاء اللہ...... بہت جلد وہ وقت آئیگا......'' جہانگیر نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر ایک دوسرے کو رخصت کر رہے تھے۔ امید کے باوجود دونوں ذہنی طور پر اس بات کیلئے تیار تھے کہ شاید یہ اس دنیاوی زندگی کی آخری ملاقات ہو............

جہانگیر نے اپنے ساتھیوں سے دوپہر کے بعد کے ہی رخصت طلب کرلی تھی اور وہ بھی الگ الگ مجاہدین کی ٹولی کے ساتھ اپنے اپنے ٹارگٹ کی کی طرف جا چکے تھے......''

''ویٹ لیب'' کے اندر کی لڑائی جہانگیر نے لڑنا تھی......اور باہر بھارتی فوج سے کمانڈر مختار نے معرکہ آرا ہونا تھا۔ یہ حملہ بظاہر دیوانگی کی علامت تھا۔

لیکن............

ایسی دیوانگیاں ہی قوموں کی تقدیر کا نقشہ پلٹا کرتی ہیں۔

اس سفر شہادت پر جانے سارے مسافران حق کو علم تھا کہ وہ ایک ''ناممکن مشن'' پر جا رہے ہیں۔

لیکن......ان کے ساتھ اللہ کی تائید و نصرت کا وعدہ بڑا مضبوط تھا۔

قرآن کا یہ حکم ان کے دل و دماغ میں سما گیا تھا:

''اللہ کی راہ میں نکلو...... تم ہلکے ہو یا بوجھل......''

اور پھر انکے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ برحق موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ''کم تعداد کو زیادہ تعداد والوں پر غالب کردے''

جہانگیر نے اس سال مارشل آرٹس کی خصوصی تربیت حاصل کی تھی...... جہاد اس کا عشق تھا۔ اس نے زندگی ایک مقصد کے تحت جینا تھی۔ یہی لگن' یہی جستجو اسے یہاں تک لے آئی تھی۔

اس کا تعلق کسی ملک کی باقاعدہ فوج سے نہیں تھا......لیکن' وہ اللہ کی فوج کا سپاہی تھا جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ زمین پر اللہ کے نظام کو نافذ کرنے میں اپنا فریضہ ادا کرے............!

جہانگیر کو اعتماد تھا کہ وہ ''ویٹ لیب'' کے اندر گھس کر اپنے مقاصد حاصل کرلے گا۔ اسی اعتماد اور اللہ کی طرف سے تائید و نصرت کے

Captured by Qamar Abbas

وعدے نے اسے مضبوطی عطا کی تھی۔

کمرے میں وہ اکیلا اپنے پستول کا جائزہ لے رہا تھا۔ جب آہستگی سے دروازہ کھلا اور زینب اندر آ گئی۔

جہانگیر کی نظریں احتراماً جھک گئیں۔ دونوں نے اکٹھے ہی ایک دوسرے کو سلام کیا تھا۔

''آپ جا رہے ہیں.........'' زینب نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ہاں...... مجھے جانا ہی ہوگا..........''

جہانگیر کو یوں لگا جیسے کسی نے آہستہ سے ان کے دل کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا ہو۔

''اللہ تعالیٰ آپ کو فتح نصیب کرے...... جہانگیر! ویٹ لیب میں کسی درندے کو زندہ نہ چھوڑنا...... وہاں کی ایک ایک اینٹ اور پتھر بے گناہوں کے خون سے رنگین ہے۔ ان وحشیوں کو بری موت مارنا...... کاش اس مشن پر میں تمہارے ساتھ ہوتی...... لیکن ''نظم'' کی طرف پابند ہوں۔ مجھے کچھ اور ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں...... یہ حقیر سا نذرانہ ہے۔ میری طرف سے تمہارے لئے تحفہ بھی..........''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی چادر ہٹائی اور اپنے پہلو سے لٹکی ہوئی چھوٹی سی ''اوزی گن'' اس کی طرف بڑھا دی۔

''جہانگیر یہ گن میں نے اپنے ہاتھوں سے ایک افسر کو مار کر اس سے چھینی تھی تمہارے لئے آئے گی۔ اس سے نکلنے والی ہر گولی جو دشمن کے سینے میں پیوست ہوگی اس سے میرا اور مجھ ایسی ہزاروں کشمیری مظلوم لڑکیوں کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ میری اور مجھ ایسی لاکھوں مسلمان عورتوں کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں...... کسی مرحلے پر بھی دل نہ ہارنا...... میں خدائے ذوالجلال وحدہٗ لاشریک کی قسم کھا کر تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ اگر راہ حق میں تم مجھ سے پہلے اپنی منزل پر پہنچ گئے تو تمہارا ادھورا مشن میں انجام دوں گی...... یہ ایک مسلمان عورت کا تمہارے ساتھ اللہ کے سامنے وعدہ ہے۔

جہانگیر کو اپنے دل کی دھڑکنیں رکتی محسوس ہو رہی تھیں۔

زینب کا یہ روپ اس کیلئے چونکا دینے والا تھا۔

اس کا دل بے پناہ محبت و عقیدت سے زینب کے حضور جھکا چلا جا رہا تھا۔

''ایک مجاہدہ کی طرف سے اس تحفے کو میں اپنی خوش بختی اور زندگی کا حاصل سمجھوں گا۔ میں بھی اللہ کے حضور وعدہ کرتا ہوں کہ سرخرو ہو کر ہی دوبارہ ملاقات ہو...... زینب میں نے آج تک مسلمان مجاہد خواتین کے متعلق تاریخ میں پڑھا تھا۔ آج اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا...... مجھے اپنے انتخاب پر فخر ہے..........''

یہ کہ کر اس نے اقرار محبت کا وہ بھاری پتھر بھی اپنے دل سے الگ کر دیا جو گزشتہ تین چار روز سے اس کے دل پر بوجھ بنا ہوا تھا۔

''اور مجھے بھی..........''

زینب نے نظریں جھکا لیں۔

دونوں ایک دوسرے سے نظریں ملاتے ہوئے گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے۔

''اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو...... فی امان اللہ..........''

یہ کہہ کر زینب باہر نکل گئی۔

ابھی جہانگیر اپنے دل کی بے قابو دھڑکن کو سمیٹ ہی رہا تھا جب باہر کا دروازہ کھلا اور مجاہد ساتھی نے روانگی کا مژدہ سنایا۔

''چلیے..........''

اس نے اپنے فیرن کے نیچے رکھی ''اوزی گن'' اور کمر سے بندھے گولیوں کے تھیلے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

ٹرک گلی کی نکڑ پر کھڑا تھا۔

اس کا ڈرائیور میر حسن کے ''رشتہ داروں'' کے ہاں کشمیری چاول کھانے میں مگن تھا جب جہانگیر کو مجاہد ساتھی نے ٹرک پر سوار کر دیا۔ جہانگیر ٹرک کے ایک کونے میں ڈھیر کے طرح سمٹ کر بیٹھا تھا اس پر میر حسن اور مجاہد ساتھی نے تین چار چادریں اور بستر پھینک دیا تھا...... میر حسن گلی کی دوسری طرف موجود ٹھیکے دار کے آدمی کے سر پر سبزیوں کی گٹھری اٹھوا کر یہاں تک لے آیا تھا اور اب میر حسن ایک ایک شے اٹھا کر جہانگیر کے اردگرد اس طرح رکھ رہا تھا کہ وہ مکمل کیموفلاج ہو جائے......

ٹھیکے دار کی خواہش پر اس نے اگلے روز کیلئے بکریوں کا چارہ بھی اس ٹرک پر رکھ لیا تھا۔

''یہ تائیدِ غیبی'' تھی۔

ٹرک میں اب کچھ اور رکھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں بچی تھیں۔

ڈائنامائیٹ کا سارا سامان ایک تھیلے میں جہانگیر کے ساتھ موجود تھا اور ٹرک اپنی منزل کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔

پوسٹ کے پہرے داروں سے میر حسن نے معمول کے مطابق گرمجوشی سے دوبارہ سلام دعا کی۔ انہوں نے بھی اس کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا اور ٹرک اس نے اپنے لنگر خانے کے نزدیک رکوا دیا۔

''تم آرام کرو منشی رام...... میں سامان اتروالوں گا..........'' اس نے ڈرائیور سے کہا۔

''شکریہ میر صاحب...... بھگوان تمہارا بھلا کرے..............'' ڈرائیور نے نیند سے بوجھل آواز میں جواب دیا۔

ڈرائیور کے وہاں سے جاتے ہی اس نے ٹرک کے دروازے کے پاس جا کر مخصوص سگنل دیا۔ دوسرے ہی لمحے جہانگیر بجلی کی سی سرعت سے باہر نکل آیا......

اس کے ہاتھ میں ڈائنامائیٹ کا تھیلا پکڑا ہوا تھا۔

''ادھر..........''

میر حسن نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

میر حسن اسے اپنے پیچھے ایک چھوٹی سی باڑ تک لے آیا تھا جہاں سے ''ریسٹ ہاؤس'' کا وہ کمرہ دکھائی دے رہا تھا جس میں کرنل دو بے عموماً کیپٹن تاراچند کے ساتھ موجود رہتا تھا۔

''آج انہوں نے لڑکیاں منگوائی ہیں۔ ہفتے کی رات کو عموماً عیاشی کرتے ہیں..........''

تیاگی

تیاگی امنگوں، آرزؤں اور جذبوں سے بھرے ایک نوجوان کی داستان، دُنیا نے اسکے ساتھ بہت سی زیادتیاں کیں، ان رویوں سے تنگ آ کر، اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کا فیصلہ کیا، لیکن قدرت کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ ایک پراسرار اور ان دیکھی قوت اسکے ساتھ شامل ہوگئی۔ اس انوکھی اور پراسرار قوت نے اسکی زندگی کا رُخ یکسر تبدیل کر دیا۔ اسکی زندگی حیرت انگیز واقعات سے پُر ہوگئی۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

میر حسن نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

جہانگیر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اس کی نظریں اسی پہرے دار پر جمی تھیں جو شدید سردی میں سکڑا سمٹا بیٹھا تھا اور اب اچانک ٹہلتا ہوا اس طرف آرہا تھا۔

''اسے باتوں میں لگاؤ..........'' جہانگیر نے میر حسن سے کہا۔

پہرے دار نے میر حسن کی طرف دیکھا جو معمول کے مطابق اس طرف آرہا تھا اور اس سے ''صاحب سلام'' شروع کر دی۔

''یار میر صاحب آج تو داؤ لگا کر چائے پلا ہی دو...... بڑی سردی ہے بھائی..........''

بلیک کیٹ کمانڈر نے میر حسن سے کہا۔

اچانک اسے یوں لگا جیسے کسی نے اس کے سر پر زوردار ہتھوڑے سے ضرب لگائی ہو۔ یہ جہانگیر تھا جو بجلی کی سی پھرتی سے اس پر حملہ آور ہوا تھا۔

بھارتی کمانڈر چکرا کر گرنے لگا تھا لیکن...... اس سے پہلے ہی جہانگیر نے اس کے سر کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر جھٹکا دیا۔

میر حسن کا دل دھک سے رہ گیا۔اس نے کمانڈو کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی آواز صاف سن لی۔ایک لمحے کیلئے وہ دہشت زدہ ہو گیا۔

جہانگیر نے اس کی لاش باہر کی طرف گھسیٹ لی تھی اور بمشکل دو منٹ بعد اس کی وردی جہانگیر کے جسم پر منتقل ہو چکی تھی۔

لاش اس نے جھاڑیوں میں چھپا دی تھی......

''دروازے تک جاؤ' مجھے میدان صاف دیکھ کر سگنل دے دینا..........''

جہانگیر نے بھارتی فوجی کی ''اوزی گن'' کو بھی ہار کی طرح اپنے گلے میں ڈال لیا تھا۔

''ٹھیک ہے' خدا حافظ۔ اپنا خیال رکھنا..........''

میر حسن نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

کمرے کی دوسری طرف موجود پہرے دار نے میر حسن کی طرف دیکھا جس نے ہاتھ ہلا کر اسے ''جے ہند'' کہا تھا۔ پہریدار دوسری طرف چلا گیا۔

اب انہیں چند سیکنڈ کی مہلت تھی...... میر حسن نے جہانگیر کو اشارہ کیا اور وہ چراغ کے جن کی سی تیزی سے وہاں پہنچا۔

میر حسن نے اپنے کپڑے میں چھپایا پستول ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔اس کی ساتھ ہی اس نے دروازے کو دھکا دیا اور جہانگیر اندر داخل ہو گیا۔

کمرے میں دو نیم برہنہ لڑکیاں کرنل دوبے اور کیپٹن تارا چند شراب نوشی میں مصروف تھے۔ جہانگیر بلائے ناگہانی کی طرح ان پر نازل ہوا تھا۔

''ہینڈز اپ'' اس کی دھاڑ گونجی..........''

دونوں نے اس طرح گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا جیسے کسی برقی عمل کے تابع جسم کو حرکت دے رہے ہوں۔

''کون ہو تم..........''

کیپٹن تارا چند نے یہ کہہ کر اپنا ہاتھ میز کی طرف بڑھانا چاہا تھا لیکن اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پسلی ٹوٹ گئی ہو۔

جہانگیر نے اپنی جگہ سے معمولی سی حرکت کی اور اس کی ایڑی تارا چند کی پسلیوں پر اس طرح لگی کہ وہ چکر کر سامنے دیوار سے ٹکرا گیا۔

لڑکیوں کی چیخیں حلق میں پھنس گئی تھیں۔خوف سے ان کی آنکھیں پھٹنے کو آ گئی تھیں۔کرنل دوبے حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات چہرے پر سجائے اس کی طرف ہاتھ اٹھائے دیکھ رہا تھا۔

''دوبارہ چالاکی دکھائی تو تمہاری ساری ہڈیاں ایک ایک کر کے توڑ دوں گا............''

اس نے تاراچند کی طرف دیکھا جو زمین پر گرا کراہ رہا تھا............

''دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ............''

اس نے کرنل دوبے کو حکم دیا جس نے اس کے حکم کی تعمیل بلا چوں و چرا کی تھی۔ ان کی طرف اوزی گن سیدھی کیے اب وہ کمرے کے دروازے تک گیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے میر حسن اندر آ چکا تھا۔ جہانگیر نے بڑے اطمینان سے اپنی گن میز پر رکھی جس کے نزدیک میر حسن کھڑا تھا جس نے دونوں کی طرف پستول سیدھا کیا ہوا تھا۔

''تم............''

دونوں نے حیرت اور غصے سے ملی جلی آوازیں نکالیں۔

''اگر اب حلق سے آواز نکالی تو تمہارے منہ میں گرنیڈ پھینک دوں گا............''

غصے اور نفرت سے کھولتے ہوئے جہانگیر نے کہا۔

وہ کسی میکانکی عمل کے تابع اپنے کام میں مصروف تھا۔

چند سیکنڈ میں اس نے تھیلے میں موجود ٹیپ رول سے دونوں کے منہ اور رسیوں سے ہاتھ باندھ کر انہیں گندگی کے ڈھیر کی طرح ایک طرف پھینک دیا تھا۔

دونوں لڑکیوں کو انہوں نے ایک کونے میں خاموشی سے کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور جہانگیر نے کمرے میں ڈائنامائیٹ لگانا شروع کر دیا............اب وہ کمرے سے باہر آ گیا تھا بمشکل چار پانچ منٹ میں اس نے اپنا تھیلا خالی کر دیا تھا............

''کرنل دوبے......تم کتے کی موت مرنے جا رہے ہو۔ افسوس تمہاری بدبختی کے آخری لمحات کی کہانی سنانے والا کوئی مرد یہاں موجود نہیں رہے گا......میں ان لڑکیوں کو چھوڑ دوں گا۔ تمہارے آخری لمحات کی کہانی ان فاحشاؤں کے ذریعے تمہارے مالکوں تک پہنچے گی......یہ شمشیر نگر کے ''کریک ڈاؤن'' کا جواب ہے......آج تک یہ کام تم کرتے آئے ہو......آج ہم تم پر ''کریک ڈاؤن'' کر رہے ہیں''

یہ کہہ کر اس نے تڑپتے مچلتے دونوں بے بس قیدیوں کو ان کے حال پر چھوڑا اور دونوں لڑکیوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

دونوں لڑکیوں کے باہر نکلتے ہی سامنے سے پہرے دار اس طرف آتا دکھائی دیا اس سے پہلے کہ اسے صورتحال کی سمجھ آئے۔ جہانگیر کی ''اوزی'' سے نکلتی گولیوں نے اسے چاٹ لیا۔

''بھاگو............''

اس نے خوفزدہ لڑکیوں سے کہا جنہوں نے چیختے چلاتے ایک طرف بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ میر حسن کو اپنے ساتھ لئے وہ محفوظ فاصلے تک پہنچا۔ گولیوں کی آواز نے کمانڈوز کو چوکنا کر دیا تھا اچانک سرچ لائٹس جاگیں اور آٹھ دس کمانڈوز اس طرف بھاگتے دکھائی دیے............

ابھی وہ ریسٹ ہاؤس سے بمشکل پانچ چھ گز دور تھے جب جہانگیر نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ریموٹ کے بٹن دبانے شروع کئے۔

ایک کے بعد ایک دھماکہ ہوتا چلا گیا............

چند منٹ بعد وہاں ملبے کا ڈھیر تھا یا پھر آگ کا الاؤ جس میں بھارتی سامراجیت کا غرور جل کر خاک ہو رہا تھا............

❁......❁

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

آٹھواں باب

”ریڈالرٹ.........ریڈالرٹ.........ریڈالرٹ.........“

تمام نزدیکی چھاؤنیوں کو ”ویٹ لیب“ پر حملے کا سگنل مل چکا تھا۔

سوپور، کپواڑہ اور بانڈی پورہ کے تمام ”سٹیشن“ چوکس ہو گئے تھے۔ ان کے مردہ وائرلیس سیٹوں پر زندگی بیدار ہو رہی تھی۔

تمام ”سٹیشن کمانڈر“ چیخ چیخ کر ایک دوسرے سے استفسار کر رہے تھے کہ آخر ان کے ساتھ کیا قیامت گزر گئی ہے۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ مجاہدین کبھی ”ویٹ لیب“ پر براہ راست حملہ آور ہوں گے۔ ویٹ لیب کی ”کمانڈ و پوسٹ“ سے کچھ دیر تک انہیں وائرلیس میسج ملتے رہے.........

لیکن.........جلد ہی ان کے سیٹوں پر زوردار دھماکے کی آواز سنائی دی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تینوں سٹیشنوں نے سری نگر میں سنٹرل کمانڈ کو اس حملے کی خبر دی تھی۔

جنرل بھاٹیہ کو نیند سے جگا کر اس قیامت کی خبر دی گئی تھی جو بھارتی فوج پر گزر گئی تھی.........“

"What the hel are you talking about"

اس بریگیڈ کمانڈر نے بریگیڈیر ناگرہ کو قریباً ڈانٹ دیا تھا۔

”سر! ویٹ لیب کی کمانڈ پوسٹ سے رابطہ نہیں ہو رہا.........آخری اطلاع یہی تھی.........“

دوسری طرف سے بریگیڈیر ناگرہ نے اپنی بات دہرائی۔

”اوہ مائی گاڈ.........یہ کیسے ممکن ہے' ناگرہ مجھے اگلے پندرہ منٹ میں مکمل رپورٹ چاہیے۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

"How is it possible"

ابھی کتنے دن ہوئے جب تم لوگوں نے آرٹلری کا اتنا فائر کروایا ہے وہاں شمشیر نگر پر کریک ڈاؤن ہو چکا ہے...... پھر آخر یہ ”سیمراج“ (شیطان) کہاں سے آ گیا حملہ کرنے...... مجھے فوراً تمام تفصیلات چاہئیں ناگرہ.........فوراً......آؤٹ.........“

اس نے غصے سے کھولتے ہوئے ریڈیو سیٹ آف کر دیا۔

جنرل بھاٹیہ نے سوپور کے بریگیڈ کمانڈر کی اس اطلاع کا کچھ زیادہ ہی اثر لے لیا تھا......وہ بھی ایسا کرنے میں حق بجانب تھا۔ ابھی کتنے روز ہوئے تھے جب انہوں نے اپنی دانست میں اس علاقے سے تمام مجاہدین کا قلع قمع کر دیا تھا۔ پھر یہ بلا کہاں سے نازل ہو گئی؟

صرف ایک ہی مفروضہ ایسا تھا جو اس کے گمان میں آ سکتا کہ سرحد پار سے پاکستانی کمانڈوز اندر گھس آئے ہوں لیکن یہ بالکل احمقانہ سوچ تھی؟ جس کا تصور بھی محال تھا۔ انہوں نے تو اتنے مضبوط انتظامات کر رکھے تھے جن میں معمولی سی مداخلت بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی پھر اس طرح فوج کا اندر چل آنا۔ اس کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

بریگیڈیر بھاٹیہ نے بھی اتنا بتایا تھا کہ ”ویٹ لیب“ تباہ ہو چکا ہے۔ اس کی تباہی کا ایک ہی طریقہ تھا کہ وہاں ڈائنامیٹ لگایا جائے۔

لیکن..........! بلیک کیٹس کی دو کمپنیاں وہاں موجود تھیں۔

"را" کا اپنا مضبوط نیٹ ورک یہاں کام کر رہا تھا۔

پھر یہ کیسے ہو گیا؟

اس نے اس مسئلے پر مزید مغز ماری کرنے کی بجائے فی الوقت بریگیڈیئر ناگرہ کی فائنل رپورٹ کا انتظار مناسب جانا۔ ابھی تک اس نے اپنے ہیڈ کوارٹر کی طرف سے کوئی میسج دہلی میں جی ایچ کیو کو نہیں دیا تھا۔

وہ تو یہ سوچ کر بھی شرمندہ ہو رہا تھا کہ جنرل ہیڈ کوارٹر کو کس طرح اس بات سے آگاہ کرے کہ "ویٹ لیب" تباہ ہو چکا ہے۔

جنرل بھاٹیہ بڑا با اصول جنرل تھا۔

اس نے اپنی پوری سروس میں کبھی ڈسپلن کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ اس کے سارے ماتحت جانتے تھے کہ جنرل کے چائے پینے کے بھی مخصوص اوقات ہیں جن کے آگے پیچھے اس نے کبھی چائے بھی نہیں پی۔

لیکن..........اس روز جب جنرل بھاٹیہ نے اپنے ماتحت کو وہسکی منگوانے کا حکم دیا تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

وہسکی کا بڑا پیگ حلق میں انڈیلنے سے اسے قدرے فراغت کا احساس ہوا جس کے تھوڑی دیر بعد ہی اس کے "اے ڈی سی" نے بریگیڈیئر ناگرہ کے لائن پر آنے کی اطلاع دی۔

"لیں..........Yes"

"سر! ایڈوانس انٹیلی جنس یونٹ کی اطلاع کے مطابق حملے میں بارود استعمال ہوا ہے یوں لگتا ہے کسی غدار کے ذریعے یہ لوگ اندر داخل ہوئے ہیں اسی غدار کے ذریعے انہوں نے ڈائنامیٹ نصب کیے جس کے بعد ریموٹ کنٹرول سے انہیں Activate کیا گیا......پٹرول اور بارود کے ڈمپ چلنے سے صورتحال کافی خراب ہوئی ہے......دو بدو لڑائی کی کوئی خاص خبر نہیں لیکن ایک کارزر پر "کیٹس" کے ایک سیکشن کے ساتھ تخریب کاروں کا تصادم ابھی تک چل رہا ہے......میں نے ان کی مدد کیلئے سوپور سے دو کمپنیاں بھیج دی ہیں.........."

بریگیڈیئر ناگرہ نے تفصیلات بتائیں۔

"ویل..........Look ناگرہ! اس مرتبہ میں رزلٹ چاہتا ہوں۔ I want result سمجھے تم۔ کسی کو نکلنے کا موقع نہیں دینا۔ سوپور' بانڈی پورہ اور کپواڑہ کے تینوں ہیڈ کوارٹرز سے تین تین کمپنیاں ادھر روانہ کرو......تمام لنکس روڈز کو گھیر لو......تمام ایریا لاک کر دو............لینڈ لاک......جتنی نفری جی چاہے استعمال کرو لیکن مجھے رزلٹ چاہیے۔ مجھے بہر صورت ان کے کچھ ساتھی زندہ چاہئیں۔ انہیں سرینگر پہنچاؤ میں خود ان سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں......رائٹ.........."

جنرل بھاٹیہ نے دیوار پر ٹنگے نقشے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"رائیٹ سر!"

دوسری طرف سے بریگیڈیئر ناگرہ کی مودب آواز سنائی دی۔

"اوکے......آؤٹ.........."

تھوڑی دیر بعد خود کو ذہنی طور پر دوسری طرف سے کچھ بھی ریمارکس سننے کیلئے تیار کرنے کے بعد اس نے دہلی ہیڈ کوارٹر کو یہ رپورٹ دی تھی۔ ایک مرتبہ تو اس کا بدن زور سے لرز کر رہ گیا جب اسے تھوڑی دیر بعد ہی بتایا گیا کہ لائن پر سی این سی (کمانڈر انچیف) خود اس سے بات کریں گے۔

اور..........

کچھ دیر بعد کمانڈرانچیف براہ راست اس سے بات کر رہا تھا۔

"Any way dont takl it easy"

کمانڈرانچیف نے آخری بات کہہ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

مکھن لال بڑی تابعداری سے ان کے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا۔

اب تک اس سے متعدد مرتبہ پوچھا جا چکا تھا کہ وہاں کوئی غیر معمولی نقل و حرکت تو نہیں اور جواب میں عابد کے کہنے پر وہ ایک ہی بات دہرا رہا تھا کہ وہ خود حیران ہیں "ویٹ لیب" میں دھماکے ہو رہے ہیں اس طرف کوئی نقل و حرکت نہیں ہو رہی.............

اب اسے اطلاع ملی تھی کہ اس کی کمانڈ پوسٹ کی طرف آرمی کا ایک کنوائے آ رہا ہے۔ جس نے یہاں کا چارج سنبھالنا ہے۔

اس اطلاع نے عابد اور اس کے ساتھیوں کے چہروں پر خوشی کی لہر دوڑا دی تھی جبکہ حوالدار مکھن لال کا منہ لٹک گیا تھا۔

ویٹ لیب جلنے اور وہاں ہونے والے مسلسل دھماکوں سے فضا میں ایک آگ سی چاروں طرف پھیل گئی اور یوں لگتا تھا جیسے یہاں "دیوالی کا اتسو" منایا جا رہا ہو......

اپنی آنکھوں سے دوربین لگائے پوسٹ کے آخری کونے پر ایک بڑے پتھر کے پیچھے دبکے ہوئے مجاہد جواد کو سامنے کی ساری سڑک دن کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ جلد ہی انہیں گوہر مقصود ہاتھ لگتا دکھائی دیا۔

جواد نے ایک فوجی کنوائے کو اس طرف آتے دیکھ لیا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے "واکی ٹاکی" پر سڑک کے کنارے موت کا جال بچھاتے بھارتیوں کے منتظر کمانڈر مختار کو سگنل دیا۔

"اوکے............ خدا حافظ............ تم لوگ مستعد رہو۔ جب تک ہم حملہ نہ کریں فائر نہیں کرنا............"

کمانڈر مختار نے اتنا کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

انہوں نے بڑی تنظیم اور منصوبہ بندی سے اپنا جال بچھایا تھا۔ اس پہاڑی کے دامن سے گھومتی سڑک پر قریباً سو گز تک مختار اور اس کے ساتھیوں نے ڈائنامیٹ لگا رکھا تھا۔ انہیں امید تھی کہ اس طرف سے "ویٹ لیب" کیلئے بڑی کمک آئیگی۔

اور............

اب انہیں اپنی امید بر آتی دکھائی دے رہی تھی۔

سب سے آگے ایک جیپ تھی جس کے تعاقب میں شکتی مان ٹرک آ رہے تھے۔ مختار کے ساتھی اس کے اشارے کے منتظر بیٹھے تھے۔ ٹرک اب ان کے نشانے پر آ چکے تھے............ اچانک ہی فضا میں "اللہ اکبر" کی گونج سنائی دی............

مختار نے درمیان والے ایک ٹرک پر بم پھینکا تھا۔

اس کے ساتھ ہی سڑک کے دونوں طرف موجود اس کے ساتھیوں نے ریموٹ کنٹرول مائنز کو اڑانا شروع کر دیا اور بمشکل تین چار منٹ میں بھارتیوں کے تین ٹرک اور ایک جیپ کے اپنے سواروں سمیت پرخچے اڑ چکے تھے۔

سارا کنوائے رک گیا۔

بھارتی فوجی چھلانگیں لگا کر باہر آ گئے۔ وہ اندھا دھند ہوا میں گولیاں چلاتے ہوئے اس پوسٹ کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں ان کی دانست میں ابھی تک ان کا قبضہ تھا۔

دوسری طرف کمانڈر مختار کے ساتھی اپنا کام مکمل ہونے کے بعد ایک لمحے کیلئے بھی وہاں نہیں ٹھہرے تھے۔ انہوں نے پچھلے تین چار روز میں جنگ کی حکمت عملی ہی تو تیار کی تھی۔ وہ تعداد میں سات تھے اور اب اپنے اسلحے سمیت مختلف راستوں سے بھاگتے ہوئے پہاڑی کا چکر کاٹ کر ایسی پوزیشن میں جا رہے تھے جہاں سے وہ بھارتی فوج کی پشت پر پہنچ سکیں۔

ان کا راستہ بڑا محفوظ اور پوشیدہ تھا۔

اس درمیان گو کہ وہ آسانی سے دس بیس بھارتیوں کو جہنم واصل کر سکتے تھے۔

لیکن............ کیا مجال جو انہوں نے ایک گولی بھی فائر کی ہو۔ اس کے برعکس بوکھلایا ہوا دشمن چاروں طرف دیوانہ وار فائرنگ کر رہا تھا۔

ایک ایک ٹرک میں معمول سے دوگنا تعداد میں فوجی سوار تھے۔ وہ اب بھی سینکڑوں کی تعداد میں پہاڑی کی اوٹ میں اکٹھے ہو کر بڑی تنظیم سے اوپر کی سمت اپنی پوسٹ کی طرف بھاگ رہے تھے............!!

عابد اور اس کے ساتھی بڑی بے چینی اور دل کی بے قابو دھڑکنوں سے انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہے تھے......

بالآخر ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔

عابد نے مکھن لال کو بمشکل دومنٹ میں باندھ کر ایک طرف پھینک دیا تھا اور وہاں نصف مشن گن سے ''اللہ اکبر'' کا نعرہ بلند کرنے کے بعد ان پر قیامت برسانا شروع کر دی تھی۔ جس کے ساتھ ہی اس کے باقی ساتھیوں نے بھی فائر کھول دیا۔

پہلے سے بوکھلائے ہوئے دشمن نے کم از کم اس ناگہانی آفت کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کیونکہ بمشکل دومنٹ پہلے اسی فورس کے کمانڈر نے پوسٹ پر حوالدار مکھن لال سے رپورٹ مانگی تو اس نے ٹیڑھی آنکھ سے اپنی گردن پر جمی بندوق کی نالی کو دیکھ کر ''سب اچھا'' کہہ دیا تھا۔

درجنوں کی تعداد میں بھارتی فوجی پہلے ہی حملے میں ڈھیر ہو گئے تھے۔ انہوں نے بوکھلا کر واپس بھاگنا شروع کر دیا تھا تاکہ پہاڑی کی اوٹ میں پناہ لے سکیں۔

لیکن............ فرشتہ اجل یہاں بھی مختار اور اس کے ساتھیوں کی صورت میں ان کے استقبال کیلئے موجود تھے۔ جنہوں نے اپنے پاس موجود گولیوں کا قریباً سارا ہی ذخیرہ ان پر ختم کر دیا تھا اور اب چند گولیاں کسی ناگہانی حملے سے بچنے کیلئے اپنے پاس محفوظ رکھ کر پہلے سے طے کردہ راستوں کے ذریعے محفوظ مقامات کی طرف نکل رہے تھے۔

☆☆☆

عابد اور اس کے ساتھیوں نے بھی اچھی طرح اپنے دل کے ارمان نکالے اور تازہ دم فوج کی آمد سے پہلے وہاں سے نکل گئے۔ جاتے ہوئے وہ اس مورچے کو اسلحے سمیت تباہ کر گئے تھے۔ البتہ انہوں نے اپنے وعدے کے مطابق مکھن لال اور اس کے ساتھیوں کو جان سے نہیں مارا تھا............

یہ کام انہوں نے ان کی آنے والی ساتھیوں کے لئے چھوڑ دیا تھا...... اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا کہ وہ انہیں زندہ چھوڑ دیں۔ کیونکہ گزشتہ ایک گھنٹے سے وہ اپنے لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے اور مجاہدین کی طرف سے ''گن پوائنٹ'' پر مسلسل ''سب اچھا'' کی رپورٹس دے رہے تھے۔

☆☆☆

Captured by Qamar Abbas

میر حسن نے جہانگیر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا............!!

جہانگیر نے دیکھا وہاں کچن میں موجود باقی باورچی دم دبا کر بھاگ رہے تھے۔ میر حسن جہانگیر کی طرف کسی کے متوجہ ہونے سے پہلے ہی شور مچا دیتا۔

''حملہ ہو گیا.........حملہ ہو گیا.........بھاگو.......بھاگو............''

''ویٹ لیب'' میں اس نے اب تک جہانگیر اور مختار کے حکم پر یہی منصوبہ بندی کی تھی کہ یہاں سے واپسی کا محفوظ ترین راستہ کون سا ہو گا۔

کمانڈر مختار نے اسے الگ لے جا کر کہا تھا۔

''میر حسن.......زندگی موت تو بہر حال خدا کے ہاتھ میں ہے.......لیکن جس عظیم مجاہد کے ساتھ تم جا رہے ہو اس کی جان بچانے کیلئے اپنی جان دے دینے سے بڑا اعزاز تمہارے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا...........!!

اور..........میر حسن نے اسے بڑے اعتماد سے کہا تھا۔

''مختار بھائی.......اگر کبھی ایسا وقت آیا تو جہانگیر سے پہلے میر حسن شہید ہو گا..........یہ میرا تم سے اور اپنے اللہ سے وعدہ ہے...........''

اسے کمانڈر مختار کے ساتھ کیا ہوا اپنا وعدہ اچھی طرح یاد تھا............

جہانگیر کو وہ بھارتی بلیک کیٹس کے درمیان سے نکال کر اگلے آدھے گھنٹے میں اس محفوظ ٹھکانے تک لے آیا تھا جہاں اسے پہنچانے کا حکم ملا تھا۔

یہ سوپور کا کوئی نواحی علاقہ تھا............گاؤں کے ایک کونے میں پہاڑی کے دامن میں بنے گھر کے دروازے پر پہلے سے دو مجاہد ان کے منتظر تھے۔ انہوں نے آپس ''کوڈ ورڈز'' کا تبادلہ کیا۔ جس کے ساتھ ہی ایک مجاہد نے جہانگیر کو کمرے کے اندر جانے کا اشارہ کیا اور دوسرے نے میر حسن کو اپنے ساتھ چلنے کیلئے کہا۔

''ہم آج رات ہی بیس کیمپ کی طرف چلے جائینگے...........''

عابد نے میر حسن کے کان میں سرگوشی کی۔

''الحمدللہ............''

میر حسن کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اس کے ساتھ ہی وہ جہانگیر کی طرف متوجہ ہوا۔ جہانگیر اس کا مدعا جان کر رک گیا تھا۔

''دل تو نہیں چاہتا جہانگیر بھائی کہ آپ ایسے مجاہد کو چھوڑ کر چلا جاؤں...........''

اس نے جہانگیر سے بغل گیر ہو کر کہا۔

جزیرے پر دھماکہ

ابن صفی کے دوست اور شاگرد ایچ اقبال کے تخلیق کردہ کردار میجر پرمود کا جاسوسی کارنامہ۔ ایک سنسان جزیرے پر ملک دشمن عناصر کی قائم کردہ، اسلحہ فیکٹری کو تباہ کرنے کا مشن۔ یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''میر حسن تمہارا ہر قدم جہاد کے راستے میں اٹھ رہا ہے۔ اللہ کو یہی منظور ہے انشاء اللہ وہاں تمہیں اچھی طرح تربیت حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ خدا سے دعا کرنا کشمیر کی آزادی تک میں زندہ رہوں۔ انشاء اللہ کسی نہ کسی میدان جہاد میں ہماری ملاقات ہو جائیگی............''

اس نے میر حسن کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بحفاظت روانگی کی دعا دی۔

اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ خدا کرے کہ زندگی میں دوبارہ ضرور آپ سے ملاقات ہو جائے۔ آپ کے ساتھ گزارے چند گھنٹے ہی اب میری متاع حیات ہیں............''

میر حسن نے گھمبیر لہجے میں کہا اسے اپنے آنسو حلق میں گرنے کا احساس ہو رہا تھا۔

''فی امان اللہ............''

جہانگیر نے اس کی جذباتی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ یہ کہہ کر دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

''یا اللہ یہ تیرے مٹھی بھر پراسرار بندے میدان بدر کی روایت دہرا رہے ہیں...... یا اللہ جس طرح تو نے بدر کے میدان میں رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی آج آپ ﷺ کے گناہگار امتی کی التجاؤں کو بھی شرف قبولیت عطا فرما دے اور ان مجاہدوں کی اسی طرح مدد کرنا جس طرح یا اللہ تو نے بدر کے میدان میں فرشتوں کے ذریعے صحابہؓ کی جماعت کی فرمائی تھی............''

میر حسن نے دل ہی دل میں دعا مانگی...... اور اس مجاہد کے پیچھے پیچھے چل دیا جو اسے لینے کیلئے یہاں کھڑا تھا............

دونوں جنگل کی طرف جا رہے تھے............!!

اس کے مجاہد ساتھی نے میر حسن کو بتا دیا تھا کہ اسے ساری رات پیدل سفر کرنا ہے اور شاید اگلا دن بھی آرام نصیب نہ ہو۔ اس نے پہلے ہی سے ''زادراہ'' تیار کر لیا تھا جو دو گھٹڑیوں کی صورت میں وہاں موجود تھا۔

ایک گھٹڑی میر حسن نے اور ایک اس مجاہد نے اٹھالی...... اب ان کی منزل ''بیس کیمپ'' تھی۔ میر حسن کا دل اس آزاد سرزمین کو دیکھنے کیلئے بے قابو ہوا جاتا تھا۔

☆☆☆

جہانگیر کی معیت میں کمرے میں داخل ہونے والے مجاہد نے ایک کونے میں دھرے سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جہانگیر سے کہا۔

''اپنا لباس تبدیل کر لیجئے...... مناسب مقدار میں گولہ بارود بھی رکھ لیں۔ شاید راستے میں کام آ جائے۔ آپ تھوڑی دیر بعد روانہ ہو رہے ہیں...... دوسری منزل کا علم آپ کی راہبر زینب بہن کو ہو گا............''

''ٹھیک ہے............''

جہانگیر نے مختصر سا جواب دیا۔

زینب کے نام نے اس کی دھڑکنوں کو ایک مرتبہ پھر تیز کر دیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے بھارتی فوج کی وردی سے نجات حاصل کی دوبارہ فرن پہنا اور اس کے نیچے ''اوزی گن'' چھپالی۔ چھوٹی سی یہ گن اپنی کارکردگی میں بے مثال تھی۔ جو ''اوزی'' اس نے دشمن سے چھینی تھی وہ اس مجاہد کے حوالے کر دی۔ اب وہ اگلی منزل کیلئے تیار تھا۔

مجاہد باہر نکل گیا شاید وہ حالات کا جائزہ لینے جا رہا تھا۔

اس کی روانگی کے بمشکل تین چار منٹ بعد دروازے پر آہٹ ہوئی اور زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ بیدار ہو گئی۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

جہانگیر کے سامنے زینب کھڑی تھی۔

شاید وہ تہجد پڑھتی ہوئی آئی تھی۔ اس نے دوپٹے سے اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا اور ابھی تک زیرِ لب قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔

جہانگیر محبت اور عقیدت کے جذبات سے اس کے استقبال کو بے ساختہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے زینب کے سلام کا جواب بھی کھڑے ہو کر ہی دیا تھا۔

”آپ کو مبارک ہو...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سعادت سے نوازا کہ آپ کے ہاتھوں ان مردودوں کا وہ مرکز تباہ ہو گیا جس میں سینکڑوں بے گناہوں کی جان سسکا سسکا کر لی گئی تھی۔ انشاء اللہ میرے والدین کی روحیں بھی خوش ہوں گی۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے جب صبح ہونے پر یہ خبر کشمیر کے گلی کوچوں میں پھیلے گی تو لوگ کتنے خوش ہوں گے۔ سوپور اور باندی پورہ کے لوگ تو یقیناً سجدہ شکر بجا لائیں گے..........“

زینب کی پرجوش آواز میں اس کیلئے بے پناہ عقیدت اور محبت جھلک رہی تھی۔

”یہ سب تمہاری دعاؤں کا نتیجہ ہے زینب۔ میرا ایمان ہے جس قوم میں تم جیسی مجاہد لڑکیاں موجود ہوں وہ کبھی غلام نہیں رہ سکتی۔ کاش میں مقبوضہ کشمیر میں موجود ایسے تمام انٹروگیشن سنٹرز کو نیست و نابود کر سکتا...... زینب تمہاری رفاقت نے میرا حوصلہ دو چند کر دیا ہے...... مجھے امید ہے کہ کمانڈر مختار کے ایک سپاہی کی حیثیت سے میں اس طرح دشمن کیلئے عذابِ الٰہی بنتا رہوں گا انشاء اللہ..........“۔

اس نے زینب سے نظریں ملائے بغیر کہا۔

جہانگیر بڑی قوت ارادی کا مالک تھا۔ لیکن...... اس لمحے زینب کے چہرے پر نور کا ایک ایسا ہالہ سا بن گیا تھا جس کے آر پار دیکھنا اس کیلئے ممکن ہی نہیں تھا۔ اس کی نظریں اٹھتیں اور فرطِ عقیدت سے جھک جاتیں۔

”آپ روانگی کیلئے تیار ہو جائیں...... میں نے دو تھیلے تیار کر لئے ہیں۔ ان میں صرف گولیاں اور گرنیڈ ہیں۔ ایک آپ کیلئے اور دوسرا میرے لئے...... ہماری منزل باندی پورہ ہے۔ ہمیں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا ہے۔ تمام مجاہد اس طرف جائیں گے۔ یہاں سے پھر ہمیں سری نگر جانا ہے۔ جہانگیر صاحب! مجھے آپ کی راہنمائی اور حفاظت کا فرض سونپا گیا ہے۔ میری صرف ایک درخواست ہے کہ حالات کیسے بھی پیش آئیں۔ آپ کسی بھی مرحلے پر یہ مت سمجھئے گا کہ میں کمزور عورت ہوں۔ انشاء اللہ آپ مجھے شانہ بشانہ دشمن سے نبرد آزما پائیں گے۔ یہ میری التجا بھی ہے اور تنظیم کا حکم بھی کہ آپ کی جان کو میری جان پر فوقیت حاصل ہے۔ آپ نے ابھی سرینگر میں دشمن سے بدلہ لینا ہے۔ جس طرح کی خصوصی تربیت آپ کو حاصل ہے وہ بہت کم مجاہدین کے حصے میں آئی ہے۔ جو کچھ تھے وہ اللہ کی راہ میں آگے نکل گئے۔ آپ نے سرینگر میں مجاہدین کو چونکہ یہ تربیت بھی دینی ہے اس لئے میری آپ سے التجا ہے کہ حملے یا گرفتاری کی صورت میں اپنا تحفظ کیجئے۔ میری ذمہ داری محسوس کئے بغیر.......... میں آپ کو صرف ایک بات کا یقین دلا سکتی ہوں کہ دشمن کبھی مجھے زندہ گرفتار نہیں کر سکے گا انشاء اللہ...... یہ میرا اپنے اللہ سے اور اپنے آپ سے وعدہ

خوفناک عمارت

اردو جاسوسی ادب کے بانی، ابن صفی کی عمران سیریز سلسلے کا پہلا ناول۔ ایک پراسرار اور خوفناک عمارت پر مبنی کہانی، جہاں راتوں کو قبر کھول کر مردے باہر آتے اور خوف و ہراس پھیلاتے۔ ابن صفی کے جادوئی قلم کا کرشمہ۔ طنز و مزاح، حیرت اور تجسس سے بھرپور یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

Captured by Qamar Abbas

ہے۔ چھ لاکھ بھارتی فوج کمانڈر مختار کی بہن کو زندہ گرفتار کرنے کی حسرت لئے ہی اس دنیا سے چلی جائے گی۔ کیونکہ میرا اللہ ان سے بہت زیادہ قوی اور مختار ہے۔ وہ چاہے تو ان سب کو کیڑے مکوڑوں کی طرح مسل کر رکھ دے............"

زینب نے اپنی بات مکمل کی۔

اس کے لہجے کے بے پناہ اعتماد نے جہانگیر کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے دل کی گہرائیوں سے کہہ رہی ہے اور ایسا کر گزرنے کی ہمت بھی رکھتی ہے۔

"میں جانتا ہوں زینب کہ تم کوئی بزدل لڑکی نہیں ہو۔ میں تو خود تمہاری محبت اور راہنمائی سے بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔ میں تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کا بے پایاں احسان سمجھتا ہوں کہ اس نے مجھے جہاد کے ابتدائی مراحل ہی میں تم ایسی مجاہدہ کی رفاقت سے سرفراز کیا ہے............"

جہانگیر کو کہنے کیلئے ڈھنگ کے الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے............!

"میرے خیال سے ہمیں نکلنا چاہیے۔ میں بیگ لے آؤں............"

اس نے دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

زینب دوسرے کمرے میں گئی اور واپس لوٹی تو اس کے ہاتھ میں کینوس کے دو مضبوط تھیلے تھے جنہیں بطور خاص اس طرح تیار کیا گیا تھا کہ وہ کمر سے بندھنے کے بعد جسم کا حصہ ہی بن جاتے تھے۔

☆☆☆

دونوں اب اس مجاہد ساتھی کے منتظر تھے جس نے انہیں سوپور کے باہر بانڈی پورہ کی طرف جانے والے راستے پر لے جانا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ جب انہیں دروازے پر مانوس آہٹ کا احساس ہوا۔ زینب نے اپنے دائیں ہاتھ میں پستول تھامے دروازہ کھولا۔ سامنے وہی مجاہد موجود تھا۔

"جلدی کیجئے زینب بہن............ سوپور کو چاروں طرف سے گھیرا ڈالا جا رہا ہے...... جلدی کیجئے۔ میں نے ایک راستہ نکالا ہے خدا کرے اس طرف خیریت ہی ہو............" اس نے چھٹتے ہی کہا۔

"ٹھیک ہے...... چلئے............"

زینب نے جہانگیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

دونوں اس مجاہد کی معیت میں باہر آ گئے۔

مجاہد آگے آگے تھا اور وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے مختلف گلیوں کے چکر دے کر وہ انہیں قریباً ایک گھنٹے بعد جب سوپور سے نکالنے میں کامیاب ہوا تو مساجد کے لاؤڈ سپیکر اللہ کی وحدانیت کا اعلان کرنے لگے تھے۔

اس کے ساتھ ہی منحوس آوازیں بلند ہوئیں۔ بھارتی فوج کی طرف سے تمام شہریوں کو اپنے گھروں سے نکل کر میدان میں جمع ہونے کا حکم مل رہا تھا۔ انہیں وارننگ دی جا رہی تھی کہ اگر کسی نے شہر سے باہر نکلنے کی کوشش کی تو اسے گولی مار دی جائیگی۔

انہوں نے سوپور کو چار حلقوں میں تقسیم کر کے مرحلہ وار ایک ایک گھر کی تلاشی لینے کا شیطانی منصوبہ بنایا تھا۔ مردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں کو بھی گھروں کے باہر بھارتی فوج کی طرف سے اعلان کردہ میدانوں میں جمع ہونے کا حکم دیا جا رہا تھا۔

سوپور کے شہریوں کے لئے یہ انوکھی بات نہیں تھی۔ لیکن............ آج سے پہلے اس طرح کبھی سارے شہر کی اکٹھے تلاشی لینے کا منظر ان کی نظروں سے نہیں گزرا تھا۔ انہوں نے اندازہ کر لیا کہ ضرور مجاہدین نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے............

اور............

جب وہ لوگ نماز سے فراغت کے بعد میدانوں میں جمع ہو رہے تھے تو اچانک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے سوپور میں پھیل گئی کہ رات جن دھماکوں نے فضا کو لرزہ براندام کر دیا تھا وہ مجاہدین کی لگائی ہوئی آگ سے پھٹنے والے گولہ بارود کے دھماکے تھے۔ یہ خبر ان کیلئے مژدہ حیات بن کر طلوع ہوئی تھی کہ "ویٹ لیب" کو اس میں موجود شیطانوں سمیت مجاہدین نے نیست و نابود کر دیا ہے............

میدانوں میں جمع ہونے والوں کے چہرے فرط جذبات سے تمتمار ہے تھے۔ جانے کس کونے سے نعرہ تکبیر بلند ہوا اور فضائیں اللہ کی عظمت کے نعروں سے گونجنے لگیں............!!

مقہور کشمیری اپنے دلی جذبات کا اظہار پر جوش نعروں سے کر رہے تھے۔

☆☆☆

اپنے ساتھیوں کی حرام موت پر غصے سے بپھرے ہوئے بھارتی فوجیوں نے میدان میں جمع ہونے والے شہریوں کے گرد گھیرا ڈالتے ہوئے ان کی طرف اپنی بندوقیں سیدھی کر لی تھیں جس کے بعد سینکڑوں کی تعداد میں فوجی جوان ان کے گھروں پر ٹوٹ پڑے............

انہوں نے تلاشی لینے کے بہانے ان کے گھروں میں موجود قیمتی اشیا اڑا لیں یا پھر انہیں توڑ پھوڑ ڈالا۔ قریباً آدھے گھنٹے تک وہ شہر کے گلی محلوں میں دندناتے پھرتے رہے۔ اس درمیان قریباً پندرہ بیس نوجوانوں اور بوڑھوں کو انہوں نے اس شک میں ہجوم سے الگ کر لیا کہ ان کے گھروں میں مجاہدین کی موجودگی کے شواہد ملے ہیں۔

ان لوگوں کو وہ جانوروں کی طرح گھسیٹتے ہوئے مجمع سے باہر لاتے اور وحشیوں کی طرح ان پر پل پڑتے۔ جب مار کھانے والے آدھ موئے ہو جاتے تو انہیں ایک ٹرک میں پھینک دیا جاتا۔ یہ ٹرک ان نوگرفتاروں کو لے کر جاتا۔

ان کے عزیز و اقارب چیختے چلاتے رہ گئے۔ وہ روتے ہوئے ان کی بے گناہی کی قسمیں کھا رہے تھے۔ لیکن......ان کا دشمن بڑا گھٹیا تھا۔ وہ مجاہدین کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ اپنا غصہ ان بے گناہوں اور مظلوموں پر وحشیانہ تشدد کر کے نکالتا رہا۔

اب ایک اور ڈرامہ وہاں شروع ہو گیا۔

تمام مردوں خصوصاً نوجوانوں کی الگ قطاریں لگا دی گئیں کچھ فاصلے پر ایک فوجی ڈاکٹر گلے میں سٹیتھ سکوپ لٹکا کر بیٹھ گیا۔

قطار میں سے ایک ایک نوجوان کو اس کے سامنے لایا جاتا۔ ڈاکٹر پہلے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھتا۔ ایسی نظریں جو عموماً دوسرے کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دل پر آلہ رکھتا اور اس سے دو چار سوالات پوچھتا تھا............

پانچ چھ نوجوانوں کو "ٹھیک ہے آگے بڑھو" کہہ کر وہ اگلے نوجوان کے مشکوک ہونے کا اعلان کر دیتا۔ جیسے ہی اس کی نظریں مخصوص انداز میں اپنے گرد کھڑے فوجیوں کی طرف اٹھتیں وہ "مشکوک" قرار پانے والے نوجوان کو اس کی چیخ و پکار خاطر میں لائے بغیر دونوں بازوؤں سے پکڑتے اور گھسیٹتے ہوئے ٹرک کی طرف لے جاتے جہاں اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اسے ٹرک میں سوار کر دیا جاتا۔ اگر کسی کے رشتہ دار یا نوجوان معمولی سی مزاحمت بھی کرتے تو مار مار کر ان کا بھرکس نکال دیا جاتا تھا............

ان خود ساختہ اور نام نہاد فوجی ڈاکٹروں نے اس روز سوپور کے قریباً ڈھائی سو نوجوانوں کو مشتبہ قرار دلوا کر اذیتی مراکز میں بھیج دیا۔

دوپہر تک وہ مظلوم کشمیریوں سے چوہے بلی کا کھیل کھیلتے رہے جس کے بعد اپنے ٹرکوں پر سوار ہو کر واپس لوٹ گئے۔

کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق اب اپنی ہزیمت کی قیمت ان بے گناہوں کی ہڈیوں سے وصول کرنے جا رہے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔ بھارتی فوج کو جہاں بھی مجاہدین کے ہاتھوں زک اٹھانی پڑتی نزدیکی دیہاتوں یا شہروں سے بے گناہ نوجوانوں کو پکڑ کر لے جاتے۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ جس کے دل کی دھڑکن زیادہ تیز ہے وہ چونکہ خوفزدہ ہے اور اس خوف کی ایک ہی بنیاد ہے کہ وہ مجاہدین کا ساتھی ہے............

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

نواں باب

دہلی سے وہ خصوصی فلائیٹ پر سرینگر پہنچا تھا۔

ایئرپورٹ کے ایک مخصوص کونے میں جہاز لینڈ ہوا اور وہ بھی دیگر وی آئی پی کے ساتھ اتر آیا...... چونکہ ان میں کوئی بھی سویلین نہیں تھا اس لئے سب کو لینے کیلئے آنے والی گاڑیاں بھی رن وے کے ایک کونے میں کھڑی تھیں۔

کرنل گوپال کرشنا جس نے بظاہر سادے کپڑے پہن رکھے تھے آہستہ آہستہ جہاز کی دوسری سمت چلنے لگا ابھی وہ بمشکل چند قدم ہی چلنے پایا تھا جب ایک جیپ اس کے نزدیک آ کر رکی۔

یہ بلٹ پروف جیپ تھی............

ڈرائیور اور پچھلی سیٹ پر بیٹھے مسلح جوانوں نے برق رفتاری سے باہر آ کر اسے سلیوٹ کیا اور کرنل گوپال کرشنا گردن ہلاتا اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کارنما جیپ کے دروازے بند ہو گئے۔ ایسی جیپیں یہاں شاذ و نادر ہی دکھائی دیا کرتی تھیں۔

''کیسے ہو میر صاحب.........''

اس نے اپنے ڈرائیور سے خیریت دریافت کیا۔

''صاحب ایک دم شاندار............ اب آپ آئے ہیں تو اور اچھا ہو جاؤں گا............''

شاید ''میر صاحب'' ڈرائیور کا ''کوڈ نام'' تھا کیونکہ یہ لوگ ایک دوسرے کو عموماً متبادل ناموں سے پکارا کرتے تھے۔ کرنل گوپال کرشنا کے انداز تخاطب سے یوں لگتا تھا جیسے یہ ڈرائیور بھی کوئی اعلیٰ آفیسر ہے جس نے بظاہر ڈرائیور کا روپ دھارا ہوا تھا۔

اور............

یہ تھی بھی حقیقت............''

''میر صاحب کے روپ میں دراصل میجر رائے ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھا تھا جو کرنل گوپال کرشنا کی ''ایڈوانس پارٹی'' کا اہم رکن تھا۔ جسے کرنل گوپال کرشنا نے چند روز پہلے ہی حالات کا جائزہ لینے کیلئے یہاں بھیجا تھا۔ بھارتی جی ایچ کیو نے اپنی نئی منصوبہ بندی کے تحت چند روز پہلے ہی مقبوضہ کشمیر میں کرنل گوپال کرشنا کو چیف بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ انہیں امید تھی کہ گوپال کرشنا جس نے اس سے پہلے بھی ایجنسی کیلئے گراں قدر خدمات انجام دی ہیں............ ان کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھال لے گا۔

گوپال کرشنا کے دماغ کو ''شیطان کی فیکٹری'' سمجھا جاتا تھا۔

یہاں سے ایسے ایسے گھناؤنے منصوبے تیار ہو کر روبہ عمل آتے تھے جو اس کے افسران اور اہلکاروں کو متحیر کر دیا کرتے تھے۔ اس نے چند ماہ ہی میں تامل ناڈو کے مختلف گروپوں کو جو سری لنکا کے بعد اب بھارتی حکومت کیخلاف سرگرم عمل ہو رہے تھے اس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھا دیا تھا کہ اب قیامت تک ان کے اکٹھے ہونے کے امکانات دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

اس سے پہلے بنگال اور ناگالینڈ میں بھی وہ یہی کارنامہ سرانجام دے چکا تھا..........

گوپال کرشنا کو بھارت میں سرگرم عمل زیرزمین تحریکوں پر اتھارٹی سمجھا جاتا تھا۔ اس نے آج تک کسی مشن میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا تھا۔

لیکن..........کشمیر میں آتے ہوئے وہ قدرے ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا۔

اسے خود اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسا کیوں ہے؟

کئی مرتبہ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا تھا کہ وہ بزدل ہو گیا ہے یا؟ یا پھر اس کے لاشعور میں کشمیر سے متعلق کوئی خوف یا ڈر آیا ہے۔

لیکن..........اس سوال کا کبھی کوئی واضح جواب اسے نہیں مل سکا تھا۔

اس روز جب ہیڈ کوارٹر میں ہونے والی نہایت اہم میٹنگ جس میں آخری مرحلے پر بھارتی وزیراعظم نے بھی شرکت کی تھی کے دوران اسے خصوصی اختیارات دے کر سری نگر بھیجا گیا تھا اور اس کے ڈی جی نے وزیراعظم کو بڑے پراعتماد لہجے میں کہا تھا کہ کرنل گوپال کرشنا کی صورت میں ان کے پاس ایسا ''ملٹی پرپز ہتھیار'' موجود ہے جس سے وہ کسی بھی صورتحال کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔

کرنل گوپال کرشنا نے وزیراعظم کی موجودگی ہی میں کچھ خصوصی اختیارات کا مطالبہ کیا تھا جو اسے ''آف دی ریکارڈ'' مل چکے تھے۔ وہ اپنے فیصلوں کو اب گورنر مقبوضہ کشمیر کی مشاورت سے بھی بے نیاز اور آزاد کر چکا تھا۔

میجر رائے اس کا پندرہ سالہ ساتھی تھا..........اور قریباً ہر اہم مشن پر وہ اس کا سیکنڈ ان کمانڈ ہوتا تھا اور آج بھی وہ اس کے سیکنڈ ان کمانڈ کی حیثیت ہی سے یہاں آیا تھا۔ گوپال نے اسے پانچ چھ روز پہلے سری نگر بھیجا تھا تاکہ وہ یہاں ''را'' کے مکمل نیٹ ورک کو سمجھ لے اور گوپال کرشنا کی آمد تک اسے مکمل بریفنگ دے دے..........!!

یوں تو مقبوضہ کشمیر میں بریگیڈیئر منور ''را'' کا فیلڈ انچارج تھا۔ لیکن......اس بات کا بریگیڈیئر منور کو بھی علم تھا کہ کرنل گوپال کرشنا اس کا ماتحت ضرور ہے لیکن اس کا پابند نہیں..........اس نے آج تک جتنے بھی آپریشن کئے تھے ان میں ''فری ہینڈ'' ضرور مانگا تھا......!!

تھوڑی دیر بعد ہی وہ نزدیک ہی ایک فوجی چھاؤنی بادامی باغ پہنچ چکے تھے۔ یہاں کسی کو بھی ان کی آمد کی باقاعدہ اطلاع نہیں تھی......

''سر! لنچ کے بعد آپ کی روانگی کا پروگرام بن چکا ہے..........''

اس کی آمد کے چند منٹ بعد ہی ایک ماتحت نے اطلاع دی۔

''نو..........ہم لنچ وہیں سوپور میں کریں گے۔

ہری اپ......میر صاحب (Get ready) جلدی کرو یار۔ یہ تو بڑے ڈھیلے لوگ دکھائی دیتے ہیں..........''

اس نے میجر رائے سے کہا۔

''رائیٹ سر! میں تیار ہوں..........''

میجر رائے نے مودب لہجے میں جواب دیا۔

''او کے چلو!..........''

یہ کہہ کر کرنل گوپال کرشنا اٹھ کھڑا ہوا۔ دونوں اپنی جیپ میں ''ہیلی پیڈ'' کی طرف جا رہے تھے یہاں انہوں نے ''را'' کے حیرت زدہ ہیلی کاپٹر پائلٹ کو بتایا کہ وہ ابھی اسی وقت جانے والے ہیں۔

''سر! موسم کی خبر..........''

پائلٹ نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن، گوپال نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کوئی بات نہیں یار...... جہاں موسم خراب ہوگا نیچے اتار لینا...... ہم یوں بھی موسم کی خرابی سے مرنے والے نہیں ہیں...... کیوں میر صاحب............''

اس نے قہقہہ لگایا جس میں ''میر صاحب'' نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا.........

ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے بھی اس ڈر سے کہیں اسے بھی بزدل نہ سمجھ لیا جائے ان سے زیادہ خوش وخروش کا مظاہرہ کیا اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ سوپور کی طرف محو پرواز تھے..........

طویل اونچے نیچے اور ٹیڑھے میڑھے پہاڑی سلسلوں کے درمیان سے وہ ہیلی کاپٹر ایسے اڑا رہا تھا جیسے کسی سڑک پر گاڑی چلا رہا ہو۔

''ویٹ لیب کے نزدیک ہی لینڈ کرو............''

کرنل گوپال کرشنا نے سوپور پہنچنے کے بعد اپنے ہاتھوں میں پکڑی دوربین سے زمین کا جائزہ لینے کے بعد کہا۔

''رائیٹ سر............''

پائلٹ نے اس کی طرف گردن موڑ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے ویٹ لیب کے کھنڈرات سے کچھ فاصلے پر ایک قدرے کھلی جگہ پر ہیلی کاپٹر اتار لیا تھا جہاں اب ہزاروں کی تعداد میں بھارتی کمانڈوز موجود تھے۔

انہوں نے نزدیک ہی ایک نئے تفتیشی مرکز کی تعمیر شروع کر دی تھی اور فی الوقت یہاں کے تمام آفس خیموں میں منتقل کر دیئے تھے۔

ایک ایسے ہی خیمے میں کرنل گوپال کرشنا ''میر صاحب'' سمیت جا کر بیٹھ گئے ''را'' کا مقامی آفیسر انچارج اس کے سامنے موجود تھا۔

"Any clue"

اس نے انچارج کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز اپنایا۔

''نو سر! ابھی تو کچھ پتہ نہیں چل رہا............''

انچارج میجر نے سر کو نفی میں جنبش دی۔

''ہوں اں اں............''

کرنل گوپال کرشنا نے لمبی ''ہوں'' کے بعد سگریٹ سلگا کر اس کا لمبا کش لیا اور دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرنے کے بعد کچھ سوچنے کے بعد اچانک ہی وہ انچارج کی طرف متوجہ ہوا۔

''مجھے تمام سول ملازمین کی تفصیلات چاہئیں...... مکمل ڈیٹا......''

اس نے انچارج میجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہر چیز تیار ہے سر!''

اتنا کہہ کر انچارج نے ایک طرف رکھی لوہے کی سیف کو اپنے پاس موجود چابی سے کھولا اور ایک فائل نکال کر اس کے سامنے رکھ دی۔

''آپ میر صاحب سے گپ شپ کریں مجھے کچھ وقت دیں پلیز............''

اس نے انچارج کی طرف دیکھا۔

میر صاحب اسکا ہاتھ پکڑ کر باہر آ گیا تھا۔ دونوں باہر ٹہلتے ہوئے گپ شپ کر رہے تھے۔ اس دوران انچارج میجر نے کھانا لگانے کا حکم بھی دیدیا تھا۔

قریباً پندرہ منٹ بعد ہی انہیں کرنل گوپال کرشنا باہر آتا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک سلپ پکڑی ہوئی تھی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''ان لوگوں کو لنچ کے فوراً بعد ایک ایک کر کے لے آیئے پلیز............''

گوپال کرشنا نے ایک لسٹ اسے پکڑا دی۔

''رائیٹ سر............''

انچارج آفیسر نے اطاعت کی۔

''میرے خیال سے اب لنچ کر لینا ہی چاہیے۔ کہیں آپ کے آفیسر مجھے گالیاں ہی نہ دے رہے ہوں۔ اصل میں کیا ہے کہ میری بڑی کمزوری ہے کوئی کام ڈسپلن سے ہوتا ہی نہیں...... مجھے تو آپ تک یہ سمجھ نہیں آ سکی کہ میں فوج میں آ کیسے گیا............''

یہ کہتے ہوئے کرنل گوپال کرشنا نے قہقہہ لگایا۔

انچارج آفیسر کو با دل نخواستہ اس کے سامنے اپنے دانت ننگے کرنے پڑے۔

کرنل گوپال کرشنا نے پندرہ منٹ میں ہی لنچ بھگتا دیا تھا اور اب ایک الگ تھلگ خیمے میں جا کر بیٹھ رہا تھا............!!

اس نے سات آدمیوں کے نام دیئے تھے۔ ساتوں کو باری باری اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ وہ بے چارے اس سے پہلے بھی کئی پیشیاں بھگت چکے تھے۔ یہاں بھی انہوں نے وہی بیانات دیئے اس کے علاوہ بتانے کیلئے ان کے پاس اور کوئی نئی بات تو تھی نہیں۔

کرنل گوپال کرشنا اور ''میر صاحب'' اکٹھے ہی ایک ایک آدمی سے الگ الگ سوالات کر رہے تھے۔ انہوں نے کسی پر دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔

لیکن............ ہیڈ باورچی کھنہ لال پر کرنل گوپال نے قریباً ایک گھنٹہ صرف کیا تھا۔ اس دوران اس نے کھنہ لال کو ایک بھی دھمکی نہیں دی تھی۔ بس اس سے کرید کرید کر اس روز صبح سے رات تک ہونے والے تمام واقعات اور خصوصاً نقل و حرکت سے متعلق دریافت کیا تھا۔

وہ ایک ہی طرح کے سوالات بدل بدل کر دھراتا رہا اور کھنہ لال ایک ہی طرح کے جوابات دیتا رہا۔

بالآخر اپنی عادت کے مطابق اس نے زور سے چٹکی بجائی اور میجر رائے نے سمجھ لیا کہ اس کے ''باس'' کا مسئلہ حل ہو گیا۔

''کھنہ لال یار برا مت ماننا............ ہم لوگ صبح تک تمہیں اپنی حفاظت میں رکھیں گے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر تم باہر رہے تو تخریب کاروں کا کوئی ساتھی تمہیں مار ڈالے گا کیونکہ ہم تمہارے ذریعے ہی ان تک پہنچیں گے............''

اس نے کھنہ لال کی طرف دیکھ کر بڑی نرمی سے کہا۔

کھنہ لال نے اس کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ذبح ہونے والی گائے قصائی کی طرف دیکھا کرتی ہے اور با دل نخواستہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

کرنل گوپال کرشنا نے گھنٹی بجائی اور ایک مودب اردلی اندر آ گیا...... یہ اس کے ''خصوصی سٹاف'' کا اردلی تھا۔ کرنل گوپال کرشنا کا یہ ساتھی اس کے ایک ایک اشارے کے ہزار ہزار مطلب سمجھتا تھا۔

''کھنہ لال کو اپنی حفاظت میں لے لو...... خبردار یہ ہمارے ''ہیڈ کک'' ہیں ان کا خاص خیال رکھنا مجھے کوئی شکایت ملی تو کھال کھینچ لوں گا''

اس نے اردلی کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''رائیٹ سر آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی سر!''

اردلی نے ایڑیاں بجائیں اور حیران پریشان کھنہ لال کو بازو سے پکڑ کر باہر لے آیا۔

اس نے کھنہ لال کے جاتے ہی انچارج میجر کو طلب کیا اور ایک لسٹ اسے تھما دی۔

''میجر صاحب ان میں دو نام میر حسن اور میر زمان تو شاید اب زندگی میں دوبارہ آپ کو نہ مل سکیں لیکن باقی لوگوں میں سے کوئی مس نہیں

ہونا چاہیے.........ٹھیکیدار' سبزی والا' گوشت والا اور ان کی دوکانوں کے ملازمین کوئی بھی مس نہیں ہونا چاہیے۔ان سب کو الگ الگ سیلوں میں بند کرنا۔میں اب "ڈنر" کے بعد ان سے ملاقات کروں گا.....میرے خیال سے ڈنر تک خاصا وقت ہے تمہارے پاس.........."

کرنل گوپال کرشنا نے کہا۔

"ٹھیک ہے سر! ڈنر سے پہلے تمام لوگ یہاں موجود ہوں گے۔اس نے ایڑیاں بجا کر تعظیم دی اور باہر آ گیا۔

اگلے ہی لمحے چار فوجی ٹرک سوپور کی طرف اڑے چلے جا رہے تھے..........

اس چھاپہ مارٹیم کی کمان میجر انچارج خود کر رہا تھا۔ایک گھنٹے کے اندر اندر انہوں نے کرنل گوپال کرشنا کے مطلوبہ افراد کو قابو کر لیا تھا۔

کرنل گوپال کی توقعات کے مطابق میر حسن اور میر زمان کا اپنے کنبوں سمیت کوئی نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

☆☆☆

کرنل گوپال کرشنا کیلئے دن اور رات کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی تھی۔

اس کے ماتحت اکثر اس کی ان عادتوں سے پریشان ہو جایا کرتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ اس شخص کے پاس ضرور کوئی جادو کا علم ہے یا پھر اس نے اپنے اندر کچھ طلسماتی طاقتیں جمع کر لی ہیں اور جو اسے ہمیشہ متحرک رکھتی ہیں۔

گوپال نے رات کے ڈنر کے بعد ایک خیمہ الگ سے سنبھال لیا تھا۔اپنی مدد کیلئے اس کا جانثار ماتحت "میر صاحب" موجود تھا۔جس نے اب خود کو گوپال کرشنا والے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔سب سے پہلے انہوں نے ٹھیکیدار کو طلب کیا تھا۔

گوپال نے اس سے حملے والے روز کی سپلائی سے متعلق ایسی ایسی تفصیلات دریافت کی تھیں۔ جنہوں نے "میر صاحب" کو بھی چونکا کر رکھ دیا تھا۔

اس نے ٹھیکیدار سے ٹرک کی آمد سے روانگی تک کی تمام تفصیلات ٹرک کے پارک ہونے کی جگہ اس پر پہلے کیا رکھا گیا' بعد میں کیا رکھا گیا۔ اس روز خلاف معمول کیا کیا باتیں ہوئیں۔روانگی میں کتنا وقت لگا اور سبزی گوشت اور دیگر ضروریات کہاں کہاں سے حاصل کیں؟ کیا معمول کے مطابق بھی وہیں سے حاصل کی جاتی تھیں؟

ان سوالات نے ٹھیکیدار کو چکرا کر رکھ دیا تھا۔وہ کئی مرتبہ جھنجھلا اٹھتا۔

لیکن.....کرنل گوپال کی آنکھوں سے خارج ہوتی طلسماتی لہریں جب اس کی آنکھوں کے راستے اس کے دماغ میں سرایت کرتیں تو وہ اپنے ذہن پر زور دے کر ایک ایک لمحے کی یادداشت واپس لاتا اور اس کے سوال کا جواب دیتا رہا۔

اس درمیان کچھ خاص باتیں کرنل گوپال اپنے جیبی کمپیوٹر میں فیڈ کرتا رہا.........

دو گھنٹے تک انہوں نے ٹھیکیدار کے ساتھ ایسی مغز ماری کی تھی کہ اسے اپنا دماغ گھومتا محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ حادثہ تمہاری غفلت کی وجہ سے ہوا ہے۔ایک بات یاد رکھنا اگر اس میں کسی بھی مرحلے پر تمہارا ہاتھ ثابت ہوا تو میں فوراً تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹوا کر کتوں کے سامنے پھنکوا دوں گا.........."

کرنل گوپال نے آخر میں یہ بات جب ٹھیکیدار سے کہی تو اسے اپنے سارے بدن میں سنسنی کا احساس ہوا تھا۔اسے یوں لگا جیسے واقعی کوئی تیز دھار آلے سے اس کا الگ الگ کاٹ رہا ہو۔

ٹھیکیدار کو حفاظتی لاک اپ میں بند کرنے کے بعد اس نے اس کے باقی کارندوں کو ایک ایک کر کے بلایا اور صبح ہونے تک بالآخر گوہر مقصود اس کے ہاتھ لگ گیا..........

سبزی فروش کے پندرہ سالہ بیٹے نے اسے بتا دیا کہ اس نے ٹرک کی روانگی سے پہلے اس میر حسن کے ساتھ ایک اور نوجوان کو بھی سوار ہوتے دیکھا تھا۔

آدھے گھنٹے تک میجر رائے اور کرنل گوپال اس سے کرید کرید کر اس نوجوان کے خدوخال دریافت کرتے رہے۔

اس درمیان کرنل زوپال کرشنا نے اپنے سامنے دھرے سفید کاغذ پر مسلسل پنسل چلائی تھی اور گفتگو کے خاتمے پر اس نے ایک سکیچ بنا کر اس لڑکے کو دکھایا۔

''بالکل ایسا ہی تھا............بالکل ایسا ہی............''

خوفزدہ لڑکے کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''تمہارے باپ کے ساتھ اس نے کیا کیا باتیں کی تھیں............''

میجر رائے نے چانک ہی اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

''مجھے علم نہیں............مجھے علم نہیں............''

خوف سے سہمے ہوئے بچے کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

اچانک ہی اس نے پوری قوت سے تھپڑ اس کے منہ پر مارا' بچے کو یوں لگا جیسے چھت اچانک گھومنے لگی۔ وہ چکرا کر دیوار سے جالگا۔

''دیکھو حنیف بیٹا! یہ بڑا ظالم آدمی ہے۔ یہ تمہارے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو مجاہدین کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے اسے سب کچھ سچ سچ بتا دو۔ شاباش جلدی بتاؤ تمہارے باپ سے اس نے کیا بات کی تھی............''

گوپال کرشنا نے اسے سنبھالتے ہوئے کہا۔

خوفزدہ حنیف نے دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا تھا۔

''چپ اگر آواز حلق سے نکالی تو تمہارے منہ میں بم ڈال کر مار ڈالوں گا............''

میجر رائے کی دھمکی نے اس کی رگوں کا خون ہی منجمد کر دیا تھا۔ اس کا رونا یک لخت رکا اور اب وہ مسلسل سسکیاں لے رہا تھا۔

''لو پانی پانی............''

کرنل گوپال کرشنا نے اسے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے کہا۔

''سر......یہ ایسے نہیں بتائے گا۔ میں ذرا اسے دوسرے کمرے میں لے جا کر الٹا لٹکاتا ہوں۔ دو گھنٹے تک الٹا لٹکنے کے بعد اس کا دماغ بالکل ٹھیک کام کرنے لگے گا............''

رائے نے اپنا نفسیاتی ڈباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں میجر صاحب......یہ بڑا سمجھدار بچہ ہے۔ تمہاری کتنی بہنیں ہیں؟''

اچانک ہی کرنل گوپال نے اس سے پوچھا۔

''تین جناب......تین............''

خوفزدہ حنیف کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''تم کیا پسند کرو گے کہ یہ لوگ انہیں اٹھا کر یہاں لے آئیں اور پھر............''

گوپال کرشنا نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر نامکمل بات کی تو حنیف کو اپنے بدن سے جان نکلتی محسوس ہوئی اسے کیا علم تھا کہ اس بے چارے کے ساتھ یہ لوگ کیا چوہے بلی کا کھیل کھیل رہے ہیں............!!

اپنی جان بچانے کیلئے اس نے کہہ دیا کہ اس کے باپ کو ہی علم ہوگا......اس نے دونوں کی باتیں نہیں سنیں۔

اور............

تھوڑی دیر بعد اس کا باپ وہاں موجود تھا............

کرنل گوپال کرشنا نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی میجر رائے سے ''ٹی بریک'' کیلئے کہہ دیا تھا۔ اس ''کوڈ'' کا مطلب سمجھ کر میجر رائے کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس نے دونوں گارڈز کو اندر طلب کیا۔

''کیا نام ہے تمہارا............''

اچانک ہی اس نے سبزی فروش کشمیری سے جس کا خوف سے پہلے ہی رنگ زرد پڑ رہا تھا دریافت کیا۔

''علائی............مائی باپ علائی نام ہے میرا............''

کپکپاتی آواز میں اس نے جواب دیا۔

''ہمارے لئے چائے بھیج دو......اور علائی کو ناشتہ کروا کر پندرہ منٹ بعد لے آنا''

اس نے گارڈز کی طرف دیکھ کر کہا۔

''او کے سر............''

گارڈز نے علائی کو گردن اور بازوؤں سے اس طرح دبوچا جیسے بھیڑیا کسی بھیڑ کے بچے کو قابو کرتا ہے۔ وہ چیختے چلاتے علائی کو ''ڈائننگ روم'' میں لے آئے تھے۔ پلک جھپکتے میں انہوں نے مظلوم کشمیری کو کپڑوں سے بے نیاز کر دیا۔ اس سے پہلے کہ صورتحال اسے سمجھ آئے انہوں نے چیختے چلاتے علائی کے دونوں پاؤں میں پہلے سے رکھے ڈوری کے پھندے پہنائے اس کے ساتھ ہی اپنا شیطانی عمل شروع کر دیا۔

علائی کے جسم کو زور کا جھٹکا لگا اور وہ الٹا چھت کے ساتھ لٹکا دیا گا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں ایک کونے میں بیٹھے ایک مشٹنڈے نے جس کے سامنے رم کی خالی بوتل دھری تھی اس کے جسم پر وحشیانہ انداز سے ڈنڈے برسانے شروع کر دیئے۔

وہ یہ دیکھے بغیر مار رہا تھا کہ چوٹ علائی کے جسم پر کہاں پڑتی ہے۔ بمشکل پانچ منٹ کی مار نے علائی کی آواز بند کر دی تھی۔

''بے ہوش ہو گیا سالا............''

اس نے علائی کے بال پکڑ کر اس کی گردن اٹھاتے ہوئے کہا۔

اب انہوں نے علائی کو زمین پر لٹا دیا تھا۔ پانی کے چھینٹے مارنے کے بعد وہ اسے ہوش میں لے آئے تھے جس کے ساتھ ہی اس پر دوبارہ وحشیانہ تشدد شروع ہو گیا۔ اب اسے تین چار درندے مل کر مار رہے تھے۔

پندرہ منٹ میں وہ تین مرتبہ بے ہوش ہوا اور پندرہ منٹ بعد جب وہ اسے ''ناشتہ'' کروا کر واپس لے جا رہے تھے تو علائی کی شکل نہیں پہچانی جا رہی تھی۔ صرف اس کے چہرے پر آنکھیں ہی اپنی اصلی حالت میں باقی رہ گئی تھیں۔

اسے وہ بالکل ننگی حالت میں یہاں لے آئے تھے۔ کرنل گوپال اور میجر رائے اس درمیان چائے سے فارغ ہو چکے تھے۔ علائی کو انہوں نے گردن سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ سیدھا کرنل گوپال کے قدموں میں جا گرا تھا۔

''خدا کیلئے مجھے معاف کر دو......مجھے کچھ علم نہیں۔ میرا کوئی قصور نہیں' مجھے کیوں مار رہے ہو............''

علائی وحشیانہ انداز میں چیخ رہا تھا۔

''کر دیتے ہیں............کر دیتے ہیں......تم لوگ جاؤ............''

میجر رائے نے کہا اور گارڈز کو واپس لوٹا دیا۔

علائی دیوار سے لگ کر بیٹھا تھا۔ جب رائے نے اس کے سامنے وہ سکیچ لہرایا اور کہا۔

''اسے غور سے دیکھو اور بتاؤ یہ کون ہے؟............''

''مم میں نہیں.............''

علائی نے درد سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''اچھا......اس کا مطلب ہے ابھی تمہارا ناشتہ مکمل نہیں ہوا............''

رائے نے اس کے نزدیک اکڑوں بیٹھ کر کہا۔

''دیکھو اپنے دماغ پر زور ڈالو......ابھی تمہارا لڑکا یہاں آیا ہے۔ اگر تم نے اسے نہ پہچانا تو ہم تمہاری تینوں لڑکیوں کو یہاں لے آئیں گے اور ان کا وہی حال کریں گے جو تمہارا کیا ہے۔ اس کے بعد شاید تم اسے آسانی سے پہچان جاؤ............''

کرنل گوپال نے کہا۔

''مم میں خدا کی قسم کھاتا ہوں مجھے اس کا علم نہیں میں نے اسے زندگی میں شاید ایک دو مرتبہ دیکھا ہے میں اسے نہیں جانتا............''

خوفزدہ علائی نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''اچھا سب سے پہلے کب دیکھا تھا............''

میجر رائے نے پوچھا۔

اس کے ساتھ ہی علائی پر سوالات کی بوچھاڑ ہوگئی۔

☆☆☆

ایک گھنٹہ تک اس اذیت ناک صورتحال کا خاتمہ بالآخر اس کے اسی حالت میں یہاں سے روانگی پر ہوا۔

لیکن............اسے اپنے گھر نہیں' باڈی پورہ کے ایک تفتیشی مرکز میں پہنچا دیا گیا۔ اب وہ اپنی خوش قسمتی ہی سے یہاں سے واپس جا سکتا تھا۔

اس کا مظلوم بیٹا پندرہ روز بعد جب گھر پہنچا تو اس کی حالت غیر ہو رہی تھی............!!

درندوں نے معصوم بچے کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا تھا۔ وہ چلنے سے بھی معذور دکھائی دے رہا تھا............!!

البتہ ایک محاذ پر ''را'' کو منہ کی کھانا پڑی۔ جب دوسرے روز ''بلیک کیٹس'' علائی' کی بیٹیوں کے حصول کیلئے حملہ آور ہوئے تو لڑکیاں وہاں نہیں تھیں............

اس کے باپ کی رات کے آخری پہر گرفتاری کے ساتھ ہی مجاہدین حرکت میں آئے تھے انہوں نے تینوں بچیوں کو راتوں رات یہاں سے نکال کر ''سری نگر'' ان کے رشتہ داروں کے گھر پہنچا دیا تھا............!!

چالیس گھنٹے کی مسلسل تفتیش اور تحقیق کے بعد ''را'' کے سٹیشن چیف کرنل گوپال کرشنا نے اس سازش کی قریباً تمام کڑیاں ملالی تھیں اور سوپور سے اٹھارہ ایسے بے گناہوں کو جن پر کسی نہ کسی حوالے سے اس سازش میں حصہ دار ہونے کا شک کیا جا رہا تھا۔ بھارتی انٹیلی جنس کے سورماؤں نے ان کے گھروں سے اٹھا کر انٹروگیشن سنٹرز میں پہنچا دیا تھا۔

تیسرے روز گوپال کرشنا ذمہ داریاں اپنے مخصوص لوگوں کو سونپ کر واپس سرینگر جا رہا تھا۔ اس نے گرفتار شدگان پر بہیمانہ تشدد کروانے

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

Captured by Qamar Abbas

کے بعد جہانگیر کے خدوخال سے ملتا جلتا ایک سکیچ تیار کروالیا تھا۔

سری نگر پہنچنے پر اس سکیچ کی سینکڑوں فوٹو کاپیاں مقبوضہ جموں کشمیر میں شیطان کی آنت کی طرح پھیلے ''را'' کے نیٹ ورک کو منتقل ہوگئی تھیں۔ تمام ایجنسیوں کو اس ''خطرناک دہشت گرد'' کی اصلیت معلوم کرنی تھی جس نے بھارتی سرحدوں میں داخل ہوتے ہی بھارتی فوج کو ننگی کا ناچ نچادیا تھا اور کمانڈر مختار کو جو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے نزدیک ''قصہ ماضی'' بن چکا تھا دوبارہ زندہ کردیا تھا..........!!

''بچ کر نہیں جاسکتا......کہاں تک جائے گا......کہاں تک؟ میں دنیا کے آخری کونے تک اس کا تعاقب کروں گا۔میر صاحب! مجھے یہ شخص اگلے ایک ہفتے میں بہر صورت چاہیے۔سرحد کے تمام چینلز کو ایکٹی ویٹ کردو......افغانستان کے کیمپوں سے لے کر سوپور تک کے تمام اڈے کھنگال ڈالو۔بہت خطرناک آدمی ہے......اگر ایک آدھ اور ایسی واردات کر گیا تو ہماری کمر توڑ کر رکھ دیگا......ان کے بیس کیمپ میں نئے لوگ داخل کرو......کل ہی..........''

کرنل گوپال کرشنا نے بے چینی سے ٹہلتے ہوئے میجر رائے سے کہا۔

''Dont worry sir......ایسا ہی ہوگا......مجھے خود ہی کیوں نہ پار جانا پڑے۔میں اس کا کھوج لگاؤں گا..........''

میجر رائے نے بڑے اعتماد سے گردن ہلائی۔

''Any way......کل اپنے ''لونڈوں'' کو جمع کرو......ایک پلان ہے میرے پاس......میں اسے چوہے دان تک لے آؤں گا......ضرور پھنسے گا......میرے جال میں ضرور پھنسے گا..........''

کرنل گوپال کرشنا نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔

اگلے روز ''میر صاحب'' نے تین نوجوان اس کے سامنے پیش کر دیئے تھے..........''

''سر یہ ہیں ہمارے مجاہد..........''

اس نے بڑے فخر اور طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

تین نوجوان مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑے تھے......لیکن......تینوں کے منہ پر لعنت برس رہی تھی۔

''ویل ڈن......ویل ڈن شاباش..........''

کرنل گوپال کرشنا نے باری باری تینوں سے ہاتھ ملایا اور ان کی خیریت دریافت کرنے لگا۔

''رات تو ٹھیک گزری نا..........''

''ارے واہ سر! مزا آگیا..........''

تینوں میں سے ایک نے سسکاری لے کر کہا۔

''ہمارے ساتھ رہو گے تو اسی طرح مزے کرو گے..........''

اس نے ہلکا سا قہقہہ بلند کیا۔

میر صاحب نے رات ان کے قیام وطعام کا بندوبست ''راء'' کے سیف ہاؤس میں کیا تھا۔جہاں ''را'' کی سدھائی ہوئی فاحشاؤں نے رات بھر انہیں لذت کام و دہن مہیا کی تھی اور وہ یہی آسان نسخہ تھا جس پر عمل کرکے وہ صدیوں سے مسلمانوں کو شکار کرتے آ رہے تھے۔

''سر! ہم نے ''سرفروش'' کے نام سے اپنی تنظیم بنالی ہے۔سرینگر کے قریباً بیس نوجوان ہماری تنظیم میں شامل ہوچکے ہیں......ہم نے اپنے تین ساتھیوں کو ادھر سرحد پار پہنچانے کا بندوبست بھی کرلیا ہے......ان میں سے ایک جاوید ہوگا..........''

ان کے کمانڈر نے اپنے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

Captured by Qamar Abbas

''ہوں اں اں.............''

کرنل گوپال نے جاوید کے کندھے پر بے تکلفی سے ہاتھ رکھتے ہوئے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

جواب میں جاوید نے بھی بے غیرتی سے دانت نکال دیئے۔

''دیکھو شریف! ہم نے تمہاری ہر خواہش تمہاری مرضی کے مطابق پوری کی ہے۔ پیسہ' عورت' شراب تم نے جو مانگا وہ دیا۔ آج دوستی کی آزمائش کا وقت آ گیا ہے......اس تصویر کو غور سے دیکھو اسے اپنے دماغوں پر نقش کر لو............''

کرنل گوپال نے ان کے کمانڈر کو مخاطب کرتے ہوئے جہانگیر کو مختلف پوز سے بنائے گئے تین چار سکیچ نکال کر ان کے سامنے رکھ دیئے۔

☆☆☆

تینوں باری باری غور سے انہیں دیکھتے رہے۔

''ٹھیک ہے سر! دیکھ لیا......اور پہچان بھی لیا۔ اب یہ زندگی بھر ہمارے ذہن سے محو نہیں ہو سکتا............''

کمانڈر شریف نے کچھ دیر بعد کہا۔

''ہمیں اس کے نام کا علم نہیں۔ یوں بھی ہم نام کے چکر میں نہیں پڑے۔ فرض کر لو اس کا نام خالد ہے۔ فرضی نام۔ مجھے ہر صورت میں یہ شخص چاہیے زندہ......سمجھ گئے ناں......زندہ......میں اسے زندہ گرفتار کرنے کیلئے کوئی بھی قیمت ادا کرنے کو تیار ہوں' تو کل......تم ہوشیار رہنا۔ اپنی آنکھوں کھلی رکھنا۔ اس کی گرفتاری کا تمہیں کتنا بڑا انعام ملے گا۔ اس کا تم تصور بھی کر سکتے۔ تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا............''

کرنل گوپال کرشنا بول رہا تھا اور ان کی رال ٹپک رہی تھی۔

''آپ مطمئن رہیں سر! ہم اسے زمین کی ساتویں تہہ سے بھی نکال لائیں گے۔ ادھر یا ادھر......یہ جہاں بھی بہت جلد آپ کے سامنے موجود ہوگا............''

جاوید نے چاپلوسی کا مظاہرہ کیا۔

''گڈ......شاباش مجھے تم سے یہی امید ہے............''

کرنل گوپال نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

قریباً گھنٹہ وہ ان تینوں کو بریفنگ دیتا رہا جس کے بعد انہیں رخصت کر دیا تھا۔ روانگی سے پہلے میر صاحب نے تینوں کو الگ الگ لفافے دیئے تھے جو نوٹوں سے بھرے ہوئے تھے۔

یہ ان کا معمول تھا............

''را'' نے مجاہدین کی سرگرمیوں کا ابتدا میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جلد یا بدیر یہ تحریک خود ہی وسائل کی کمیابی اور ستم ظریفی حالات کے ہاتھوں دم توڑ دیگی کیونکہ وادی کشمیر میں کسی بھی گوریلا ''جنگ'' کو جاری رکھنا ممکن نہیں......

لیکن............جب ان کی توقعات کے برعکس صورتحال ان کے قابو سے باہر ہونے لگی اور چند مجاہدین کے دلوں میں بھڑکنے والی اس چنگاری نے ایک الاؤ بن کر مقبوضہ کشمیر کے بچے بچے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو ''را'' نے سنجیدگی سے اسے ختم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اس ضمن میں یوں بھی بہت سی تدابیر اختیار کی گئیں............

لیکن............ان میں سب سے کامیاب طریقہ یہی تھا کہ مجاہدین کی جماعت کو کئی گروپوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

ابتدا میں تین چار مجاہد تنظیمیں ہی منظر عام پر آئی تھیں۔ لیکن......اب حالات مختلف تھے اور مقبوضہ کشمیر کے ایک ایک شہر میں تین تین چار

چار تنظیمیں بن چکی تھی۔ ان میں بعض ایسی مجاہد تنظیمیں بھی تھیں جن کا وجود سری نگر کے ایک محلہ سے باہر دکھائی نہیں دیتا تھا۔

لیکن............وہ اپنی الگ حیثیت اور شناخت رکھنے پر بضد رہتے!

''راء'' کی یہ پالیسی بڑی کامیاب رہی تھی۔

اس طرح کی گروپ اور گروہ بندیوں کی آڑ میں وہ اپنے گروپ اور گروہ آسانی سے داخل کر سکتے تھے۔

اور............

وہ ایسا ہی کر رہے تھے............

سرینگر میں انہوں نے ''سرفروش'' کے نام سے کرنل گوپال کی زیر نگرانی جو مجاہد گروپ قائم کر دیا تھا اس کی سرگرمیوں کو ایک خاص سازش اور سکیم کے تحت اخبارات میں اچھالا جا رہا تھا۔

☆☆☆

آج رات بھی انہیں اپنے ان نام نہاد سرفروش کیلئے ایک اور ''کارنامہ'' انجام دینا تھا تا کہ ان کی شہرت کو مزید چار چاند لگ سکیں۔

شام ڈھل چکی تھی اور کرنل گوپال اس وقت بادامی باغ چھاؤنی میں اپنے آفس میں موجود تھا جب میر صاحب نے ''مہمانوں'' کی آمد کی اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے............''

گوپال نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا وہ اپنے ہال نما کمرے کے دوسرے کونے کی طرف جا رہا تھا جہاں پندرہ بیس کرسیاں نیم دائرے کی شکل میں بچھی ہوئی تھیں جن کے سامنے ایک دیوار پر مقبوضہ کشمیر کا بڑا نقشہ آویزاں تھا......

تھوڑی دیر بعد سامنے کا دروازہ کھلا اور سامنے جوان باری باری اندر داخل ہو کر اسے سیلوٹ کرنے کے بعد ان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

یہ بلیک کیٹ تھے............

بھارتی فوج کے کمانڈوز۔

جنہیں یہاں ایک خاص مشن کو مکمل کرنے کیلئے طلب کیا گیا تھا۔

بھارتی فوج کے کمانڈوز کی کچھ بٹالین کو ''را'' کیلئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ انہیں ''راء'' کے کچھ افسران کچھ خاص کورس کرواتے تھے جس کے بعد پھر وہ ذہنی اور جسمانی طور پر خود کو بھارتی فوج سے الگ کوئی سپر قسم کی مخلوق سمجھنے لگتے تھے!

کرنل گوپال نے سامنے لٹکے نقشے پر پہلے سے لگے نشانات پر جگہ جگہ چھڑی رکھ کر انہیں سمجھانا شروع کیا کہ انہیں کیا کرنا ہے؟ کہاں کرنا ہے؟ اور کب کرنا ہے؟

☆☆☆

سرینگر کے نواحی علاقہ کھنموہ میں موجود اس عارضی فوجی چھاؤنی سے کچھ فاصلے پر ''جے کے ایس ایف'' جموں کشمیر سٹیٹ فورس کی اس چوکی سے متعلق بڑی پراسرار داستانیں مشہور تھیں۔ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایک مرتبہ یہاں آنے والا پھر قسمت ہی سے زندہ اپنے گھر واپس لوٹتا ہے۔

انسپکٹر غلام رسول یہاں کا انچارج تھا جو اس علاقے میں ''قصائی'' کی شہرت رکھتا تھا۔ مجاہدین کی اکثر تنظیموں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیے تھے لیکن............اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک وہ ان حملوں سے محفوظ تھا اور اپنے کام میں مصروف......!!

چندروز پہلے ہی سرفروش نامی مجاہدین کی تنظیم نے اعلان کیا تھا کہ وہ انسپکٹر غلام رسول کو قتل کریں گے۔ جس کے بعد سرینگر کے عوام میں اس تنظیم سے متعلق خاصی بحث چل نکلی تھی۔

یوں تو یہاں متعدد مجاہد تنظیمیں تھیں......لیکن......اس طرح آج تک کسی تنظیم نے للکار کر کسی بھارتی آفیسر کو مارنے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

انسپکٹر غلام رسول نے جب ملٹری انٹیلی جنس سے اس تنظیم کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں تو اسے ٹال دیا گیا۔ اسے یہی بتایا گیا کہ یہ کوئی خاص تنظیم نہیں چند سرپھرے نوجوانوں کی کوئی پارٹی ہوگی ایسی درجنوں تنظیمیں سرینگر میں موجود ہیں اس لئے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یوں بھی جولوگ ایسے کام کرتے ہیں وہ اس طرح بڑکیں نہیں مارا کرتے۔

اور............

انسپکٹر غلام رسول بے فکر ہو گئے۔

لیکن ....اس روز جب وہ کھنموہ میں اپنی چوکی کے کمرے میں بیٹھا رم سے جی بہلا رہا تھا تو اچانک چوکی پر قیامت ٹوٹ پڑی..........

گولیاں مینہ کی طرح برسنے لگی تھیں اور باہر موجود اس کے دس پندرہ جوان پہلے ہی حملے میں مارے گئے تھے۔

غلام رسول نے زمین پر گرتے گرتے بھی اپنے ٹرانسمیٹر سیٹ پر ''ایمر جنسی'' سگنل دیدیا تھا جس کا مطلب تھا کہ اس پر حملہ ہو گیا ہے۔

یہ ایمرجنسی سگنل عارضی فوجی چھاؤنی پر ریسیو بھی ہو گیا تھا۔

لیکن..........جس آپریٹر کی ڈیوٹی تھی اس نے مسکراتے ہوئے اپنے سیٹ کی طرف دیکھ کر آنکھ مار کر اسے آف کر دیا تھا اور دوبارہ مے نوشی میں مشغول ہو گیا..........

غلام رسول اپنے ہاتھ میں پستول پکڑے اپنے میز کے نیچے چھپا ہوا تھا جب کھڑکیاں اور دروازے توڑ کر حملہ آور اندر داخل ہو گئے......

غلام رسول کے کمرے کا بلب جل رہا تھا..........

اس نے اسی بلب کی روشنی میں حملہ آوروں کو دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں یہ تو بھارتی فوج کے بلیک کیٹس تھے اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نکلتا اس کے جسم میں درجنوں گولیاں پیوست ہو گئیں۔

کتاب گھر کا پیغام

آپ تک بہترین اردو کتابیں پہنچانے کے لیے، ہمیں آپ ہی کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم کتاب گھر کو اردو کی سب سے بڑی لائبریری بنانا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ساری کتابیں کمپوز کروانا پڑیں گی اور اسکے لیے مالی وسائل درکار ہوں گے۔ اگر آپ ہماری براہ راست مدد کرنا چاہیں تو ہم سے kitaab_ghar@yahoo.com پر رابطہ کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کرسکتے تو کتاب گھر پر موجود ADs کے ذریعے ہمارے سپانسرز ویب سائٹس کو وزٹ کیجیے، آپ کی یہی مدد کافی ہوگی۔

یاد رہے، کتاب گھر کو صرف آپ بہتر بنا سکتے ہیں۔

مرنے سے پہلے حیرت اور خوف سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ یہ وہی بلیک کیٹس تھے جنہوں نے تھوڑی دیر پہلے کرنل گوپال کرشنا سے بریفنگ لی تھی۔ اس کا تعلق ''را'' کے خصوصی ''ایس ایس بی'' گروپ سے تھا۔

انہوں نے بڑے اطمینان سے انسپکٹر غلام رسول کی گولیوں سے چھلنی لاش باہر کھینچی اسے کمرے سے باہر نکالا اور گھسیٹتے ہوئے سڑک تک لے آئے جہاں ایک طرف ان کا ''شکتی مان'' ٹرک کھڑا تھا۔

اس کے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے میر صاحب نے انہیں اس طرف آتے دیکھ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے گتے کا جائزہ لیا اور باہر آ گئے۔ باہر آ کر اس نے رسی میں پرویا ہوا یہ گتا اس کی لاش کی گردن میں ڈال دیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ لوگ جس طرح آندھی اور طوفان کی رفتار سے آئے تھے اسی طرح واپس لوٹ گئے۔

☆☆☆

دوسرے روز علی الصباح اخبارات کے جو رپورٹرز اور فوٹو گرافر یہاں پہنچے انہوں نے دیکھا کھنموہ کے اس ''بے کے ایس ایف'' پوسٹ کے گرد تقریباً آٹھ لاشیں پڑی تھیں جب کہ انسپکٹر غلام رسول کی لاش سڑک پر موجود تھی جس کے گلے میں لٹکتی گتے کی تختی پر لکھا تھا۔

''کشمیری قوم کے قاتل کا انجام

سرفروش''

کسی نے یہ بات نوٹ نہ کی کہ آج خلاف معمول انہیں لاش کی تصاویر اتارنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ حالانکہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اور جہاں بھی مجاہدین حملہ کرتے اس علاقے میں کرفیو لگا کر اس طرف جانے والے راستے بند کر دیئے جاتے تھے۔

معمول کی کارروائی آج بھی دہرائی گئی۔

لیکن............

اس ڈرامے کی ساری کارروائی مکمل ہونے کے بعد............

جیسے ہی فوٹو گرافرز نے تصاویر مکمل کیں وہاں فوج آ گئی اس سے پہلے وہاں سی آر پی ایف کے جوان موجود تھے۔

فوجیوں نے آتے ہی اخبار نویسوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا اور فوراً وہاں سے بھاگ جانے کا حکم دیا۔

اس کے بعد انہوں نے معمول کی کارروائی شروع کر دی۔

وہاں موجود لوگوں پر لاٹھی چارج کیا گیا............

ہوائی فائرنگ کی گئی............

اور............

تھوڑی دیر بعد کرفیو لگا دیا گیا۔

''را'' کے سٹیشن کمانڈر کرنل گوپال کرشنا نے ایک کامیاب سازش کے تحت ''را'' کی Sponserd تنظیم سرفروش کو مقبوضہ کشمیر کے سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں نقش کروا دیا تھا۔

یہی وہ چاہتا تھا............

اگر اس عظیم مقصد کیلئے اسے دس کے بجائے ایک ہزار ''بھارتیوں'' کی بھی قربانی دینی پڑتی تو وہ اس سے اجتناب نہ کرتا............

یہاں سرینگر میں بھارت سرکار کے سینکڑوں وفادار کے موجود تھے جو دلی سرکار سے اپنی وفاداری کیلئے کچھ بھی کر گزرنے کو تیار رہتے

تھے.............

یوں بھی اس طرح کشمیریوں کے ہاتھوں کشمیریوں کی نسل کشی کا فریضہ ادا ہو رہا تھا۔

''بہت عظیم انسان تھا.............اس نے جو کہا سچ کر دکھایا۔ بھارت ماتا کیلئے وہ اپنی جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرے گا......وہ اکثر کہا کرتا تھا اور اس نے جو کہا سچ کر دکھایا......شہید انسپکٹر غلام رسول نے سرکاری ملازمین کیلئے ایک عظیم مثال قائم کر دی ہے۔ اپنے فرض کی ادائیگی میں اپنی جان سے گزر جانے کی مثال......وہ ہمارا ہی نہیں......اس وادی کا ہی نہیں.............سارے بھارت دیش کا ہیرو ہے۔ میں سنٹرل حکومت سے اس کیلئے اعلیٰ اعزاز کی بنتی کروں گا......مجھے امید ہے وقت پڑنے پر آپ سب بھی شہید انسپکٹر غلام رسول کی طرح اپنے دیش کیلئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے............آتنک واد' کیخلاف شہید انسپکٹر غلام رسول کی اس قربانی نے ثابت کر دیا ہے کہ وادی کشمیر کا بچہ بچہ ان ''دیش دروہیوں'' کیخلاف لڑنے کیلئے تیار ہے۔ ہم سب اپنے شہید ساتھی کی عظمت کو سلام کرتے ہیں......جے ہند............''

جے کے ایس ایف کا ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا اپنے جوانوں سے خطاب کر رہا تھا.............

انہوں نے اسٹیج کے سامنے انسپکٹر غلام رسول کی لاش کو بھارتی ترنگے میں لپیٹ کر رکھا ہوا تھا۔ اس کے بدن سے خون ابھی بند نہیں ہوا تھا اور اب منہ سے عجیب سی گندگی نکل کر ترنگے کا حلیہ بگاڑنے لگی تھی۔

شاید یہی دیکھ کر ڈاکٹر نے ڈپٹی کمانڈنگ شکلا کو اشارہ کیا تھا جس نے اپنا ''بھاشن'' ختم کر دیا۔

غلام رسول کے پیچھے قطار میں اس کے باقی مردار ساتھیوں کی لاشیں بھی موجود تھیں۔ انہیں بھی بھارتی ترنگوں میں لپیٹا گیا تھا۔

جے کے ایس ایف کی ایک کمپنی کے جوانوں نے قطار میں کھڑے ہو کر انہیں ہوائی فائرنگ کے ذریعے سلامی دی اور ان کی لاشوں کو ٹرکوں پر لاد کر سرکاری قبرستان کی طرف لے گئے۔ ان کی لاشیں سویلین قبرستان میں اسی خوف سے نہیں دفنائی جا رہی تھیں کہ مبادا مقامی آبادی ان کی لاشوں کو قبروں سے نکال کر باہر ہی نہ پھینک دے۔

اور.............

بھارت سرکار اپنے شہیدوں کی لاشوں کی بے حرمتی تو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

اگلے روز وادی کے تمام اخبارات نے غلام رسول انسپکٹر کی موت کو نمایاں کوریج دی تھی اور ''سرفروش'' کو کشمیریوں کے ہیرو کی حیثیت سے اجاگر کیا تھا۔ اخبارات نے اپنے دفاتر میں سرفروش کے کمانڈر شریف کا ایک فیکس اور ٹیلی فون میسج بھی شائع کیا تھا جس میں اس نے کہا تھا کہ غلام رسول کی موت سے کشمیریوں پر ظلم کرنے والے سرکاری ملازمین کو علم ہو جانا چاہیے کہ ان کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا اور آج کے بعد جس کشمیری پولیس ملازم کے متعلق یہ علم ہوا کہ اس نے بے گناہ کشمیریوں پر ظلم کیا ہے اسے اس کے خاندان سمیت نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ کمانڈر شریف نے کہا تھا انہوں نے جو کہا وہ کر کے دکھا دیا اور وہ اپنے عوام سے وعدہ کرتے ہیں کہ آزادی کے حصول تک ان کی جنگ قابضوں کیخلاف اسی طرح جاری رہے گی۔

اس کے اس دلیرانہ اقدام اور پر جوش بیان نے سرفروش کمانڈر شریف کو کشمیری عوام میں ایک ہیرو کا مقام دلا دیا تھا۔

مجاہدین کے دوسرے گروپوں میں بھی ''سرفروش'' کا احترام بڑھنے لگا تھا۔

اور.............

کرنل گوپال کرشنا یہی چاہتا تھا۔

اس نے ماضی کی طرح اب بھی گھر کے بھیدیوں سے لنکا ڈھانے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

دسواں باب

سوپور سے بانڈی پورہ تک کا سفر انہوں نے قریباً چالیس گھنٹے میں مکمل کیا تھا......!

اس درمیان زینب نے اسے ایک لمحے کیلئے بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ کوئی کمزور لڑکی ہے۔ جہانگیر نے محسوس کیا کہ حیرت انگیز طور پر وہ اس کا حوصلہ بڑھاتی آئی تھی.........سوپور سے تھوڑے ہی فاصلے پر انہیں بھارتی فوج سے واسطہ پڑا تھا.........سینکڑوں کی تعداد میں پیدل فوجی قریبی چھاؤنی سے سوپور کی طرف جا رہے تھے.........

یہ لوگ یقیناً شہر پر حملہ کرنے جا رہے تھے.........

جہانگیر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ان کی ٹائمنگ صحیح رہی ورنہ شاید وہ ان لوگوں کے سوپور کو گھیرنے میں لینے کے بعد وہاں سے کبھی نہ نکل پاتے کیونکہ بھارتی جب کسی علاقے کا محاصرہ کرتے تھے تو ایسی ترتیب بناتے تھے کہ وہاں سے پرندہ بھی ان کی نظروں سے بچ کر نہیں نکل سکتا تھا۔

زینب نے سب سے پہلے فوجیوں کو اپنے پاس موجود ''نائٹ ویژن'' کے ذریعے دیکھا تھا.........!

دونوں سڑک سے ہٹ کر پہاڑی سلسلے میں سفر کر رہے تھے جب اس نے کسی لاشعوری عمل کے تابع سڑک کا جائزہ لینے کیلئے اس طرف دیکھا تھا۔

ایک مرتبہ تو اس کا دل دھک سے ہی رہ گیا تھا۔ جب اس نے بکتر بند گاڑیوں کے درمیان سینکڑوں کی تعداد میں فوجیوں کو جنگی تربیت سے اس طرف آتے دیکھا تھا۔ وہ دونوں اس وقت ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں کھڑے تھے۔

''کیا بات ہے.........کیا ہوا؟

جہانگیر نے اسے رکتے دیکھ کر استفسار کیا۔

زینب نے اس کی طرف دیکھ کر منہ پر انگلی رکھ کر آہستہ بولنے کی تلقین کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے سڑک کی طرف اشارہ کیا اور دوربین اسے تھما دی۔

جہانگیر نے سامنے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا......جس ترتیب سے یہ لوگ آگے بڑھ رہے تھے اگر وہ اردگرد کے پہاڑی سلسلے میں پھیلنا شروع کر دیتے تو ان کیلئے مشکلات پیدا کر سکتے تھے اور دونوں جانتے تھے کہ جیسے جیسے وہ سوپور کے نزدیک آئیں گے پھیلنا شروع کر دیں گے۔

دوربین دوبارہ زینب کو لوٹاتے ہوئے اس نے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ زینب نے ایک لمحے کیلئے رک کر کچھ سوچا شاید وہ اگلی حکمت عملی تیار کر رہی تھی پھر اچانک اپنا رخ بدل لیا۔

اس نے فی الوقت اپنے ذہن میں جنم لینے والے اس خطرے کا تدارک کرنا چاہا تھا کہ اب بھارتی فوج پہاڑیوں میں پھیلے گی۔

اب وہ شمال کی سمت پہاڑی سلسلے کے اندر ہی اندر چلتے چلے جا رہے تھے۔ قریباً ڈھائی کلومیٹر راستہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئے۔

صبح کے آثار ہویدا ہو رہے تھے آگے قدرے میدانی علاقہ شروع ہو گیا تھا.........!!

''یہ کون سا علاقہ ہے؟''

جہانگیر نے استفسار کیا۔

''ہم سوپور کے نواحی علاقوں میں ہی گھوم رہے ہیں۔ میرے خیال سے سڑک کی طرف جانا خطرناک ہوگا۔ یہاں ہمارا ایک ''ہائیڈ آؤٹ'' ہے...... لیکن اس وقت وہاں جانا خطرناک ہوگا۔ میرے خیال سے ہمیں شام ڈھلنے کا انتظار کرنا چاہیے...... اس کے بعد ہی آگے سفر کیا جائے۔ میں کوشش کروں گی کہ یہاں سے رابطہ کرکے آگے چلیں...... مختار بھائی کو بھی ہم یہاں سے ہی کوئی پیغام بھیج سکتے ہیں۔ وہ لوگ تو انشاءاللہ سرینگر پہنچ چکے ہوں گے............''

زینب نے کہا۔

جہانگیر کیلئے خود کوئی فیصلہ کرنا یا اس کے کسی فیصلے پر کوئی رائے دینا مشکل تھا کیونکہ اسے راستے سے کوئی آشنائی نہیں تھی۔ اب اسے سرینگر جانا تھا جہاں سے پھر مقامی ساتھیوں کی مدد سے اس جہاد کو نئی جہت دینی تھی......

شام تک کا وقت انہوں نے وہیں گزارا............

اس درمیان وہ ان چنوں پر گزارہ کرتے رہے جو احتیاطاً زینب نے ساتھ رکھ لئے تھے۔ جہانگیر نے یہ بات بطور خاص محسوس کی کہ زینب کے سامنے اس کی شخصیت کچھ دب سی گئی تھی۔ وہ دونوں کافی دیر اکٹھے رہے۔

لیکن............ ڈھنگ سے کوئی بات ہی نہ کرسکے جہانگیر اسے بہت کچھ کہنا اور سننا چاہتا تھا لیکن یہ رعب حسن تھا یا پھر زینب کی شخصیت کا سحر جس نے اس کی زبان کو جیسے گنگ ہی کردیا تھا۔ زینب کے اصرار پر اس نے دو گھنٹے ایک پہاڑی کی اوٹ میں اپنے بازو کا سرہانہ بنا کر نیند لی تھی۔ اس درمیان زینب پہرہ دیتی رہی............ مغرب کے بعد وہ زینب کی راہنمائی میں چل دیا اور اندھیرا ہونے پر دونوں ایک گاؤں کے کونے میں پہاڑی بھول بھلیوں میں بنے ایک مکان کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔

دروازہ ایک بوڑھی عورت نے کھولا............

''زینب بیٹی تم............''

اس نے زینب کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

اور دونوں آپس میں بغل گیر ہوگئیں۔ جہانگیر نے بوڑھی عورت کو سلام کیا جس نے اسے اشارے سے اندر آنے کیلئے کہا۔

جیسے ہی وہ اندر پہنچا کمرے کے دونوں کونوں میں چھپے حریت پسندوں نے اپنی بندوقیں ایک طرف رکھیں اور باری باری اس سے بغل گیر ہوگئے۔

انہوں نے اس طرح پوزیشنیں سنبھالی ہوئی تھیں کہ اگر دستک دینے والا شخص ہوتا تو بھی اس کے کچھ لوگ مارنے کے بعد ہی وہ ان کا شکار ہوتے۔

دونوں مجاہد اس کیلئے اجنبی تھے لیکن............ جہانگیر ان کیلئے اجنبی نہیں تھا۔ ویٹ لیب کی تباہی کی کہانیاں چاروں طرف پھیل چکی تھیں اور اس علاقے میں موجود ہر مجاہد کے دل میں اس کیلئے بے پایاں محبت اور عقیدت کے جذبات موجزن تھے۔

دونوں مجاہد زینب کو پہچانتے تھے۔ انہوں نے اس کا نام لے کر زینب کو سلام کیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہی ان کے سامنے گرم کھانا اور قہوہ موجود تھا۔

''میرے خیال سے یہاں صبح تک رکنا مناسب نہیں ہمارا ایک ساتھی آپ کو محفوظ راستے سے بانڈی پورہ لے جائیگا جہاں سے پھر دوسرے ساتھی آپ کو سرینگر پہنچادیں گے۔ عین ممکن ہے سوپور سے مایوس ہوکر بھارتی آج صبح ان علاقوں کی بھی تلاشی لیں......''

کھانے کے اختتام پر ایک مجاہد نے عندیہ ظاہر کیا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

Captured by Qamar Abbas

''بھائی آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی..........میرے خیال میں اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں ہونا چاہیے......ہم یہاں سے جتنی جلد اور جتنی دور نکل جائیں اتنا ہی بہتر اور مناسب ہے..........''

زینب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''چلئے..........میں تیار ہوں..........''

جہانگیر نے کھڑے ہوکر اپنی ''اوزی'' کو فیرن میں چھپاتے ہوئے کہا۔

زینب نے اس کی تقلید میں اپنی گن پہلو سے لٹکا کر اس پر بڑی چادر ڈال لی..........

''ٹھہرو بیٹا..........''

اچانک ہی دروازے پر مادر مہربان کی شکل دکھائی دی۔

اس نے قرآنی آیات پڑھ کر جہانگیر اور زینب پر پھونکیں اور دونوں کے سروں کو قرآن کے سائے میں گھر سے رخصت کر دیا۔ دم رخصت مادر مہربان نے کہا تھا۔

''بیٹا میں تمہارا نام نہیں جانتی......لیکن میں تمہیں جاننے لگی ہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہاں کسی خاص مقصد سے ہی بھیجا۔ ویٹ لیب کی تباہی نے ہمارے دلوں پر پھاہا رکھ دیا۔ آج کشمیری قوم کی تمام ماؤں کی دعائیں تمام ساتھ ہیں۔ خود کو کبھی اکیلے محسوس نہ کرنا......''

بانڈی پورہ تک جانے والی شاہراہ تک ایک مجاہد انہیں چھوڑنے آیا تھا۔ یہاں سے اس نے دوسرے مجاہد کو ان کے ہمراہ کر دیا تھا۔ بانڈی پورہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ غلامی کی تاریک اور طویل رات کی سحر پھوٹ رہی تھی۔ جب دونوں ساتھی کی معیت میں یہاں پہنچے۔ بانڈی پورہ کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ زینب نے مجاہد کو یہاں سے واپس بھیج دیا۔ اب دونوں بانڈی پورہ کی طرف گامزن تھے۔

☆☆☆

مقبوضہ کشمیر کی غلام کی طویل سیاہ رات کے بطن سے صبح کے آثار ہویدا ہو رہے تھے جب وہ بانڈی پورہ کے نواح میں پہنچے۔ وولر جھیل کے کنارے آباد یہ چھوٹا سا قصبہ جو ضلع بارہ مولا کی مردم خیز تحصیل کہلاتا ہے قربانی اور جدوجہد کی عظیم داستانوں کا مرکز بن چکا تھا..........یہاں کا بچہ بچہ کسی بھی لمحے کٹ مرنے کیلئے تیار تھا۔ مقبوضہ کشمیر کی تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر خون دینے والوں کی غالب تعداد کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔

دو روز سے وہ لوگ سفر کر رہے تھے۔

کیا مجال جو اس درمیان کبھی ایک لمحے کیلئے بھی زینب نے اسے اپنی کسی بھی کمزوری کا احساس ہونے دیا ہو۔ وہ مجاہدوں کی طرح اس کے شانہ بشانہ چلتی ہوئی یہاں تک آئی تھی۔ بھارتی فوج کے حصار سے نکلنا شاید جہانگیر کے بس کا روگ نہ ہوتا......لیکن زینب اسے بحفاظت بھارتیوں کے درمیان سے نکال لائی تھی۔ اسے تو یہاں آکر احساس ہوا تھا کہ اپنے بھائی کمانڈر مختار کی طرح زینب بھی مجاہدین میں بڑی عقیدت اور احترام کی نظروں سے دیکھی جاتی تھی اور اس کے بہت سے کارنامے زبان زد عام بھی تھے۔

''تھکاوٹ تو محسوس نہیں کر رہی تم..........؟

جہانگیر نے وولر جھیل کے نزدیک پہنچنے پر اس سے دریافت کیا۔

''آپ نے کیسے اندازہ لگایا......نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں آزادی کے اس سفر پر ساری زندگی اس طرح چلتی رہوں تو بھی نہیں تھکوں گی..........''

زینب نے بڑے عزم سے جواب دیا۔

جہانگیر نے اپنی دانست میں یہ بات برائے بات کی تھی کیونکہ اسے زینب کی مسلسل خاموشی اب کھلنے لگی تھی۔

لیکن............اب اسے پشیمانی سی لگ گئی تھی کہ آخر اس نے یہ بات کیوں کہہ دی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا زینب............خدا نہ کرے تم کبھی تھکاوٹ محسوس کرو............زینب جب میں میدان کارزار میں اترنے کا عزم کر رہا تھا تو سوچا کرتا تھا کہ ایک کمزور ایک نہتی قوم کے چند ہزار لوگ دنیا کی چوتھی بڑی قوت سے کس طرح آزادی حاصل کریں گے............اور یہ کہ اگر انہوں نے ہتھیار اٹھا ہی لیے ہیں تو کتنا عرصے تک اس جنگ کو جاری رکھ سکیں گے......لیکن تمہیں ملنے کے بعد میرے سارے خدشات ختم ہو گئے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جس قوم میں تم جیسی بیٹیاں موجود ہوں اسے دنیا کی کوئی طاقت زیادہ لمبے عرصے تک غلام نہیں رکھ سکتی۔ زینب اگر میں تمہارے دل میں اپنے لیے تھوڑی سی جگہ بھی پیدا کر سکا تو اسے اپنی خوش قسمتی جانوں گا............'' اس نے آخری بات بے اختیار ہی کہہ دی تھی۔

لیکن............!

زینب کے چہرے پر اس کی بات کے بعد اچانک پھیل جانے والی حیا کی سرخی نے اسے احساس دلا دیا تھا کہ زینب بھی اس کے متعلق وہی جذبات رکھتی ہے۔

'' جہانگیر! ہم کشمیر جنت نظیر کے رہنے والے بڑے حساس دل اور نازک جذبات کے مالک ہوتے ہیں۔ اس وادی کی فضائیں ہی شاعرانہ ہیں۔ قدرت نے یہاں کے لوگوں کو بھی ایک مخصوص مزاج کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ محبت کے نازک احساسات کی لطافت سے یہاں کی ہوائیں اور فضائیں بھی لبریز ہیں............میرے دل کی کیفیت تمہارے دل سے مختلف نہیں ہے......تم جیسے مجاہد کی رفیق حیات بنا میرے لئے اعزاز ہے لیکن مجھے صرف ایک خوف دامن گیر ہے کہ کہیں لطیف جذبات کی رو میں بہہ کر ایک لمحے کیلئے بھی میں اپنے مشن سے غافل ہو گئی تو میرا ضمیر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا............''

زینب نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

لیکن............اچانک ہی جہانگیر نے بالکل غیر ارادی طور پر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''زینب............ایسا کبھی نہ ہو گا۔ بس میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ تم میرے احساسات کا ادراک رکھتی ہو بخدا میرے لئے یہ معمولی بات نہیں......انشاء اللہ تم مجھے ہمیشہ اگلی صفوں میں پاؤ گی............زینب مجھے علم نہیں کہ زندگی اور کتنی دیر وفا کرے۔ میں نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ میرا جذباتی فیصلہ نہیں............بہت سوچ سمجھ کر میں نے یہ سودا کیا ہے میرے لئے انشاء اللہ یہ منافع کا سودا ہو گا کیونکہ میرے اللہ کا یہی وعدہ ہے...... میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ محبت کے جذبات کبھی جہاد کے راستے میں میرے لئے کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کریں گے۔ بلکہ میرے لئے تمہاری محبت ایک مہمیز ثابت ہو گی اور میرا ہر قدم زیادہ پر اعتماد اور زیادہ یقین کے ساتھ اٹھے گا............''

جہانگیر کو اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ اس نے زینب کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے............

لیکن............زینب نے کوئی مدافعت نہیں کی تھی۔

جیسے ہی وہ عالم ہوش میں واپس لوٹا اس نے گھبرا کر زینب کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

لیکن............زینب کا ردعمل اس کیلئے حیران کن اور خلاف توقع روح پرور۔

اس نے اپنا دایاں ہاتھ جہانگیر کی طرف بڑھایا جسے جہانگیر نے کسی میکانکی عمل کے تحت مضبوطی سے تھام لیا۔

''جہانگیر میں خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کر رہی ہوں کہ آخری سانس تک اپنے آپ کو تمہاری امانت سمجھوں گی............لیکن ایک وعدہ تمہیں بھی کرنا ہو گا کہ میری محبت کو کبھی جہاد کی محبت پر غالب نہ آنے دینا............''

اس نے جہانگیر کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا کہ اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔

''زینب انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا............''

اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''میں خدا سے تمہاری کامیابی کی دعا کروں گی............''

زینب نے اس کا ہاتھ آہستگی سے چھوڑ دیا۔

☆☆☆

دونوں وولر جھیل کے کنارے تک چلے آئے تھے۔

ان کی منزل نالہ مدھومتی کے کنارے بنی گورنمنٹ نرسری تھی انہوں نے اب تک قریباً چالیس کلومیٹر کا سفر طے کر لیا تھا لیکن دونوں ہی جذبہ جہاد سے سرشار اور تازہ دم تھے۔

زینب کے تعاقب میں وہ نرسری میں داخل ہو گیا۔ دونوں اطمینان سے چلتے ہوئے جھیل کے کنارے تک پہنچ گئے تھے۔ اس وقت صبح کی اذان ہونے لگی تھی۔ جہانگیر نے جھیل کے پانی سے وضو کیا اور وہیں ایک کونے میں نماز ادا کر لی زینب نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔

''ہمیں سورج نکلنے تک یہیں انتظار کرنا ہے، جس کے بعد ہی اگلی منزل کا فیصلہ کریں گے............''

زینب نے تھوڑی دیر بعد جہانگیر کی بے چینی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے......فی الوقت تو تم ہی کمانڈر ہو اور فیصلہ بھی تمہی نے کرنا ہے............''

جہانگیر نے اس کی طرف محبت اور احترام کی ملی جلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ دل ہی دل میں کمانڈر مختار کی بہن زینب کو اس بات پر متعدد خراج تحسین پیش کر چکا تھا کہ اس نے ابھی تک رازداری کا مکمل اہتمام کیا تھا اور اسے اپنی کسی اگلی منزل کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

جھیل کا پانی کہر میں ڈوبا ہوا منجمد دکھائی دے رہا تھا۔ انہوں نے اسی ٹھنڈے پانی سے وضو کیا تھا۔ آہستہ آہستہ تاریکی چھٹنے لگی تھی لیکن شدید دھند کی وجہ سے قریب کی چیز بھی صاف دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اچانک ہی جہانگیر چوکنا ہو گیا۔ زینب نے بھی پانی میں کشتی کے چپوؤں کے چلنے سے اٹھنے والی آواز کو محسوس کر لیا تھا۔

اس نے بھی اپنی ''اوزی گن'' کو پوزیشن میں کر لیا تھا............

زینب کے اشارے پر جہانگیر ایک درخت کی اوٹ میں اس طرح چھپ گیا تھا کہ کوئی ہنگامی صورت حال پیش آنے پر اس کی مدد کر سکے۔ اور............زینب نے خود اپنی گن کو فائرنگ پوزیشن میں کر کے اپنے جسم میں اس طرح بڑی سی چادر لپیٹ رکھی تھی کہ وقت آنے پر وہ اس کے اندر سے ایک لمحے کی غفلت کے بغیر فائرنگ کر سکتی تھی۔ اس نے پوزیشن بھی ایسی لی ہوئی تھی جس میں آسانی سے اپنے جسم کو حرکت دے سکے

انتظار کی گھڑیاں جلد ہی ختم ہو گئیں جب انہوں نے کہر کی چادر کو پھٹتے دیکھا جس میں سے ایک کشتی نمودار ہوئی جسے ایک نوجوان چلا رہا تھا اور دوسرا سامنے والے حصے میں ہاتھوں میں بندوق تھامے بیٹھا تھا۔

کنارے کے نزدیک کشتی رک گئی............

بندوق بردار باہر آ گیا۔ وہ پانی میں چلتا ہوا کنارے تک آ گیا تھا اور اب سیدھا زینب کی طرف آ رہا تھا۔

''زینب بہن............''

اس نے زینب کی شکل پر نظر پڑتے ہی کہا۔

''عدنان بھائی............''

زینب نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

شناخت مکمل ہونے پر عدنان نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ جس طرح کہر کی چادر سے برآمد ہوا تھا اسی طرح وولر جھیل پر پھیلی دھند میں غائب ہو گیا۔

جہانگیر کو زینب نے باہر آنے کا اشارہ کر دیا تھا اور اب وہ عدنان سے گرمجوشی سے مصافحہ کر رہا تھا۔

''شکر الحمد للہ کہ آپ سے ملاقات ہوئی۔ کمانڈر صاحب بہت مضطرب تھے۔ آیئے چلتے ہیں............''

اس نے جہانگیر کی طرف دیکھ کر کہا۔

اپنے پاؤں دو تین مرتبہ زمین پر مار کر شاید اس نے جوتوں سے چٹی جھیل کی مٹی جھاڑی تھی۔ اتنی شدید سردی میں وہ اپنے لانگ بوٹس کی مدد سے پانی میں چل کر آ گیا تھا۔ ورنہ شاید اس کیلئے مزید چلنا ہی دوبھر ہو جاتا۔

اس نے اپنی کلاشنکوف کو اپنے فیرن کے پیچھے چھپا لیا تھا اور اب ان دونوں کی راہنمائی کرتا ہوا ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ نرسری سے نکل کر وہ اب شہر کے شمال مشرق کی طرف سفر کر رہے تھے اس سفر کا اختتام قریباً آدھ گھنٹے بعد ہی ہو گیا۔ یہ بانڈی باندہ پورہ کا مضافاتی علاقہ تھا جہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں بنے گاؤں میں وہ داخل ہو رہے تھے۔

جہانگیر ان کے انتظامات کے داد دے رہا تھا............

اس نے بطور خاص نوٹ کیا کہ گاؤں میں داخلے سے پہلے ہی ان کی نگرانی شروع ہو گئی تھی۔ یہ مجاہد ہی تھے جو ان کی آمد کے راستے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔

اس پناہ گاہ پر اس کا استقبال کمانڈر حسین خان نے کیا۔ دونوں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو گئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کیلئے بظاہر اجنبی تھے لیکن انہیں چودہ سو سال پہلے رحمت دو عالم ﷺ نے اخوت کے جس رشتے میں باندھ دیا تھا اس کے سامنے دنیا کے تمام رشتے ہیچ دکھائی دیتے تھے۔ دونوں اس طرح ایک دوسرے سے گرمجوشی کے ساتھ بغل گیر ہوئے تھے جیسے ان کے درمیان خون سے بھی زیادہ مضبوط رشتہ موجود رہا ہو

جہاد کا رشتہ واقعی کائنات کا مضبوط ترین رشتہ تھا............

زینب کو ایک مجاہدہ معانقے کے بعد اپنے ساتھ دوسرے کمرے میں لے گئی تھی۔ یہاں دس گیارہ مجاہد اور کچھ مجاہدہ بھی موجود تھیں۔ حسین خان مقامی کمانڈر تھا............ جہانگیر جس نظم سے بندھ کر یہاں آیا تھا اس نے اسے صرف مجاہد کی حیثیت سے کام کرنے کا حکم دیا تھا............

یہ لوگ جماعت اور گروہ بندیوں سے بالاتر تھے............

جہاد کشمیر میں سرگرم قریباً تمام اہم کمانڈروں کو نظم کی طرف سے اطلاع مل گئی تھی کہ خصوصی تربیت یافتہ مجاہد جہانگیر ان کی خدمت کیلئے سرحد میں داخل ہو چکا ہے وہ اسکی صلاحیتوں کو جہاں بھی چاہیں بھارتی استعماریت کا قلع قمع کرنے کیلئے استعمال کر سکتے ہیں۔ وہ ان سب کیلئے اس لئے بھی زیادہ واجب الاحترام تھا کہ اس کا مقصد جہاد اور اپنی کارروائیوں کے ذریعے جہاد آزادی کے حق میں بہترین نتائج کے حصول کے سوا کچھ نہیں تھا''

''آپ کچھ دیر آرام کر لیں............ یہاں تو جو لمحات مل جائیں وہی غنیمت ہیں۔ انشاء اللہ ظہر کے بعد ملاقات ہو گی۔ دراصل ابھی تک مختار بھائی کی کوئی اطلاع نہیں مل رہی جس کی وجہ سے مجاہدین میں تشویش پھیلنے لگی ہے تب تک انشاء اللہ صورتحال بھی واضح ہو جائے گی............ اصل میں آپ کے حملے کے اگلے روز بھارتیوں نے سوپور پر بہت بڑا ''کریک ڈاؤن'' کیا ہے۔ انہوں نے سوپور سے بانڈی پور اور کپواڑہ کی طرف جانے والے قریباً تمام ممکنہ راستوں پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو زینب بہن کی معاونت میسر تھی آج تک ہماری اس بہن نے کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھا............ ابھی تک سوپور سے ان کے نکلنے کے بعد کی اطلاع نہیں ملی نہ ہی کسی جگہ سے مقابلے کی خبر آئی ہے............''

Captured by Qamar Abbas

کمانڈر حسین خان نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

''اللہ تعالیٰ خیر کرے......... میرا ایمان ہے مختار بھائی جہاں بھی ہیں محفوظ ہیں۔ انشاءاللہ بھارتی فوج ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی......''

جہانگیر کو الجھن سی ہونے لگی تھی..........

''جہانگیر بھائی اگر بھارتی فوج کی تعداد چھ لاکھ سے بارہ لاکھ بھی ہو جائے تو بھی وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی..........ہمیں اب تک جتنا نقصان پہنچا ہے اس میں زیادہ ہمارے اپنے ہاں پلنے والے آستین سانپوں کا ہے..........ان لوگوں کی وجہ سے ہی ہم آج غلام ہیں..........ہم کوشش تو کرتے ہیں کہ ان آستین کے سانپوں کا قلع قمع کر سکیں لیکن یہ خدا جانے موسمی جڑی بوٹیوں کی طرح زمین سے کیسے اگ آتے ہیں..........''

کمانڈر حسین خان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''ہاں کم از کم شمشیر نگر والا آپریشن بھارتی فوج کبھی نہ کر پاتی اگر اسے مقامی غدار میسر نہ ہوتے..........''

جہانگیر نے اس کی بات پر صاد کیا۔

''بہر حال یہاں بانڈی پورہ میں ہم اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ہم نے یہاں مقامی ٹاؤٹوں کے سوشل بائیکاٹ کی مہم بھی چلائی ہوئی ہے جس کے بڑے مثبت اثرات مرتب ہو رہے ہیں......آپ آرام کر لیں..........شام کو کچھ اور ساتھی بھی آ رہے ہیں۔ انشاء اللہ کل ہی ہم یہاں ایک بڑا ایکشن کرنے جا رہے ہیں۔ جس میں آپ نے اہم کردار ادا کرنا ہے..........''

حسین خان نے اسے کہا۔

اسے کچھ پشیمانی سی ہونے لگی تھی کہ اس نے جہانگیر کو کمانڈر مختار کی خبر سنا کر کچھ پریشان کر دیا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ جہانگیر جو گزشتہ اڑتالیس گھنٹے سے مسلسل بھاگ دوڑ کر رہا ہے اب کچھ دیر آرام کر لے..........

''اچھا میں چلتا ہوں۔ انشاءاللہ شام کو ملاقات ہو گی..........''

حسین خان یہ کہہ کر جان بوجھ کر کمرہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ اب جہانگیر کمرے میں اکیلا تھا۔ کچھ دیر تک وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر مطمئن ہو کر سو گیا۔

☆☆☆

بانڈی پورہ سے مشرق کی طرف قریباً ایک ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر ''ماڈر گاؤں'' میں بی ایس ایف نے اپنا سب ہیڈ کوارٹر قائم کر رکھا تھا۔ جبکہ شمال مشرق میں قریباً دو ڈھائی کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا دوسرا بڑا کیمپ ''سبزونی'' میں قائم تھا۔ یہاں سے وہ پاکستان سے ملحقہ گریز سیکٹر کی نگرانی کیا کرتے تھے۔

ان دونوں کیمپوں نے ارد گرد کے علاقوں میں دہشت پھیلا رکھی تھی..........

دن کے کسی بھی وقت عموماً شام ڈھلنے سے کچھ دیر پہلے یہاں سے شراب کے نشے میں دھت بی ایس ایف کے درندے دندناتے ہوئے باہر نکلتے اور ٹولیوں کی شکل میں نزدیک کے دیہاتوں اور بانڈی پورہ کے مضافاتی علاقوں پر حملہ آور ہو کر اپنی حیوانیت کا مظاہرہ کرنے لگتے۔ کسی بھی گاؤں میں راستے آتی کسی بھی نوجوان لڑکی کو زبردستی اٹھا کر لے جانا ان وحشیوں کا معمول بن چکا تھا..........

مقامی آبادی کے لوگوں نے ان حیوانوں کی نیچ حرکتوں سے تنگ آ کر اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو سوپور، بانڈی پورہ اور کپواڑہ وغیرہ میں جہاں کہیں ان کے رشتہ دار عزیز موجود تھے بھیج دیا تھا تاکہ وہ ان وحشیوں کی درندگی سے محفوظ رہیں۔

بی ایس ایف کے یہ خون آشام بھیڑیئے آئے روز کسی نہ کسی نوجوان کو بھی شک میں پکڑ کر لے جاتے جس کے ساتھ وحشیانہ سلوک کرنے

کے بعد اس کی لاش کو عموماً ولر جھیل میں بہا دیا جاتا..............

اب تک ان کے درندگی کا نشانہ بننے والے درجنوں نوجوانوں کی ناقابل شناخت لاشیں جھیل سے مل چکی تھی۔

نزدیک دور کے علاقوں میں جب مجاہدین کی کسی کارروائی کی اطلاع مقامی آبادی کے لوگوں کو ہوتی وہ خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگا کرتے تھے کہ مجاہدین ادھر کا بھی رخ کریں اور ان وحشیوں کو بھی سبق سکھائیں۔

لیکن..........ان کے غالب تعداد اور علاقے پر موثر کنٹرول کی وجہ سے ابھی تک مجاہدین نے اس طرف کوئی بڑی کارروائی نہیں کی تھی۔

اکا دکا جیپ یا پٹرول پارٹی پر گھات لگا کر حملہ ضرور کرتے تھے لیکن ایسے حملوں کے ابھی تک کچھ زیادہ مثبت نتائج بھی برآمد نہیں ہوئے تھے..........

''ویٹ لیب'' کی تباہی کی داستان جب سے ان علاقوں میں پہنچی تھی۔ یہاں کے مکینوں کے دل گواہی دینے لگے تھے کہ اب انشاء اللہ مجاہدین کا اگلا ہدف یہی موذی اور خونخوار درندے بنیں گے..............

اب تک نزدیک دور دیہاتوں کے کچھ وفود نے حسین خان سے خفیہ ملاقاتیں کر کے درخواست بھی کی تھی کہ وہ ان موذیوں کو کچھ سبق سکھائیں۔ حسین خان کی خود بھی یہی دلی خواہش تھی..........

لیکن..........سامان حرب وضرب اور تعداد کی کمی کے علاوہ اس کے ساتھ ایک اہم مسئلہ یہ بھی رہا تھا کہ یہاں تربیت یافتہ مجاہدوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں تھی!

اس نے کمانڈر مختار کے سامنے اپنی اس خواہش کا اکثر ذکر کیا تھا..........لیکن کمانڈر مختار بھی ان دنوں ایسے ہی مسائل سے دوچار تھا۔

اس نے چند روز پہلے ہی حسین خان کو پیغام بھیجا تھا کہ ''بیس کیمپ'' سے کچھ ساتھی آ گئے ہیں جس میں جہانگیر جیسا ''ایکسپلوزر'' کا خصوصی تربیت یافتہ بھی موجود ہے اور وہ جلد ہی اسے یہاں بھیج دیگا..........

جس کے بعد ''ویٹ لیب'' کی تباہی کی خبریں آ گئی تھیں..........

ان واقعات سے حسین خان کا حوصلہ بہت بڑھ گیا تھا اور اسے امید تھی کہ اب انشاء اللہ وہ ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائینگے۔

جہانگیر کے دو اور ساتھی اپنے سامان سمیت ایک دوسرے ''ہائیڈ آوٹ'' پر موجود تھے اور اب وہ بھی پہنچ گیا تھا..........اس سے متعلقہ سامان جہاد ''دیگر ذرائع'' سے انہوں نے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا۔

حسین خان نے اپنی دانست میں سارا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔

ٹائیں ٹائیں فش

کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا، گل نوخیز اختر کا مقبول ترین ناول، جسے پاک و ہند کے قارئین نے سند قبولیت بخشی۔ اُردو کا پہلا مکمل مزاحیہ ناول، ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو ایک بار شروع کر کے ختم کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ ٹائیں ٹائیں فش کہانی ہے ایک غریب گھر کے سادہ لوح نوجوان کی جسے حالات ایک ارب پتی لڑکی کا کرائے کا شوہر بنا دیتے ہیں۔ اس کاغذی شادی سے پہلے اور بعد میں کمال عرف کمالے کی سادہ لوحی اور حماقتیں کیا گل کھلاتی ہیں، جاننے کیلیے پڑھیے ٹائیں ٹائیں فش۔ اسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

لیکن...........اچانک کمانڈر مختار کی طرف سے کوئی خبر نہ ملنے پر وہ کچھ پریشان دکھائی دینے لگا تھا۔اس کے ساتھی کمانڈر حسین خان کی ہدایت پر سوپور کی طرف جانے والے راستوں پر پھیل چکے تھے......ان کی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہے کم از کم کمانڈر مختار کے بخیر و عافیت سوپور سے نکل جانے کی اطلاع ضرور مل جائے..........

سہ پہر کے بعد وہ کچھ مقامی ساتھیوں کے ساتھ جہانگیر کے پاس موجود تھا جو کچھ دیر پہلے نیند سے بیدار ہونے کے بعد اب نماز سے فارغ ہوا تھا...........

دروازے پر ہونے والی دستک نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

''السلام علیکم ورحمتہ اللہ............''

کمانڈر مختار کی مخصوص آواز اور انداز نے ان سب کے دلوں کی دھڑکنیں تیز کر دیں..............

سب باری باری مختار بھائی کہتے ہوئے اس سے بغلگیر ہو رہے تھے..........

کمانڈر مختار اپنے ساتھیوں اور سامان سمیت ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔اس کے بازو پر پٹی بندھی تھی..........

''یہ کیا؟..........''

''بس اسی کی وجہ سے آپ لوگوں کو کچھ پریشانی کا سامنا کرنا پڑا..........در اصل واپسی پر ہمارا ٹکراؤ ہو گیا تھا اور ایک گولی بس بازو کو چھو کر نکل گئی..........اتنا زخم تو نہیں تھا لیکن ساتھی بضد ہو گئے کہ مرہم پٹی کا بندوبست کیا جائے اسی چکر میں دیر ہو گئی......''

کمانڈر مختار نے وضاحت کی۔

اس اثناء میں جہانگیر کے دوسرے ساتھی جو کمانڈر مختار کے ساتھ موجود تھا اندر آ گئے اور باری باری سب سے بغلگیر ہونے لگے۔

''مختار بھائی کو نزدیک سے گولی لگی تھی۔خون بہت بہہ چکا تھا لیکن انہوں نے ہمیں خار تک نہیں ہونے دی وہ تو میری نظر اچانک ایک جگہ قدرے روشنی میں ان کے بازو پر پڑی..........جس کے بعد ہم نے بڑی منت سماجت سے انہیں فرسٹ ایڈ کے لئے تیار کیا اور کچھ فاصلے پر ایک سرکاری شفا خانے کے کمپاؤنڈر کی مدد سے مرہم پٹی کی جو مجاہدین کا ہمدرد تھا..........اگر خدانخواستہ دیر ہو جاتی تو بہت نقصان ہوتا..........''

جہانگیر کے ساتھ خالد نے انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

''میرے خیال سے آپ کو کچھ دن زیر زمین رہنا چاہیے۔خدانہ کرے اگر زخم بگڑ گیا تو بہت نقصان ہو سکتا..........''

جہانگیر نے اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے اپنی رائے بھی پیش کر دی۔

''ہاں مختار بھائی..........بلکہ زیادہ مناسب تو یہ ہوگا کہ آپ سرینگر کی طرف نکل جائیں۔ہم بھی انشاء اللہ اپنا کام کر کے ادھر ہی آئیں گے......ہمارے ''سرفروش'' ساتھی وہاں موجود ہیں بڑے مجاہد ہیں۔حال ہی میں انہوں نے بڑا زبردست کارنامہ کیا ہے..........سرینگر کے لوگ تو ان کا نام بھی بڑی عقیدت اور احترام سے لیتے ہیں..........''

حسین خان نے کہا۔

مختار نے بہت انکار کیا لیکن مجاہدین کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔بالآخر حسین خان نے کہہ ہی دیا۔

''مختار بھائی میں مقامی کمانڈر کی حیثیت سے آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ فی الوقت اپنے زخم کے مندمل ہونے کا انتظار کریں......بادل نخواستہ ہی سہی لیکن اس حکم کی تعمیل آپ پر لازم ہوگی کیونکہ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے اور یہی ہم سب کی خواہش بھی..........''

یہاں موجود تمام مجاہدین نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔

☆☆☆

رات کا کھانا انہوں نے اکٹھے ہی کھایا تھا..........!!

اب جہانگیر، حسین خان اور کمانڈر مختار زمین پر ایک نقشہ بچھا کر بی ایس ایف کے پہلے مرکز "ماڈر گاؤں" کی تباہی کا منصوبہ طے کر رہے تھے..........!

قریباً ایک گھنٹے تک وہ آپس میں صلاح و مشورہ کرتے رہے اس درمیان مختار کے بازو میں شدت سے درد ہونے لگا تھا۔ اس نے گو کہ خود پر قابو پایا ہوا تھا لیکن اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات سے جہانگیر اس کی تکلیف کی شدت کا اندازہ لگا سکتا تھا..........

جہانگیر اور حسین خان کے بضد ہونے پر مختار ایک اور مجاہد کی معیت میں دوسرے "ہائیڈ آؤٹ" کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس کی روانگی سے پہلے تینوں نے ایک منصوبے پر صاد کر دیا تھا۔ اس منصوبے میں مجاہدوں کے ساتھ مجاہد بہنوں نے بھی اہم کردار ادا کرنا تھا۔ یہی سمجھانے کیلئے انہوں نے زینب اور مقامی مجاہدہ لیڈر عاصمہ کو بلا لیا تھا۔

اس کمرے میں اب وہ چاروں موجود تھے اور حسین خان کی خواہش پر جہانگیر نے ہی بریفنگ کے فرائض سنبھال لئے تھے۔

اس نے ایک ماہر کمانڈر کی طرح دونوں مجاہد بہنوں کو دشمن کی مورچہ بندیوں، ممکنہ ردعمل، فرار کے راستوں اور اپنی حکمت عملی سے آگاہ کیا..........

اس کے سمجھانے کا انداز بڑے ماہر فوجی افسروں جیسا تھا۔ حسین خان بھی اس کی صلاحیتوں کا دل ہی دل میں معترف ہو چکا تھا۔

اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جہانگیر کی کمانڈ میں وہ لوگ ضرور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیں گے..........

اس نے بریفنگ کے خاتمے پر اچانک ہی ایک بات کہہ دی۔

"جہانگیر بھائی یہ میری ہی نہیں مختار بھائی اور دوسرے تمام مجاہدوں کی بھی شدید خواہش ہے کہ اس حملے کی کمان آپ ہی کریں گے......"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے..........آپ.........."

"نہیں جہانگیر صاحب آپ کو مجاہدین کا متفقہ فیصلہ ماننا ہوگا.........."

اچانک ہی زینب نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ٹھیک ہے..........مجاہدین کا حکم سر آنکھوں پر.........."

جہانگیر نے سر جھکا دیا۔

چاروں نے دعا کیلئے ہاتھ بلند کئے۔

دعا کے اختتام پر ان سب کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ انہیں اگلے روز حملہ کرنا تھا اور تب تک حملے کی منصوبہ بندی مکمل کرنی تھی۔

گڑبڑ گھوٹالہ

ڈاکٹر مظہر عباس رضوی پیشے کے اعتبار سے میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ گڑبڑ گھوٹالہ انکی مزاحیہ شاعری کی بہترین کتاب ہے۔ میڈیکل سے متعلقہ الفاظ اور تراکیب کا حسب حال اور برجستہ استعمال نے انکی شاعری میں ایک بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے، جسے پڑھ کر قاری بہت محظوظ ہوتا ہے۔ یہ کتاب مزاحیہ شاعری سیکشن میں دیکھی جا سکتی ہے۔

گیارہواں باب

شام ڈھل رہی تھی جب ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا کو یہ اطلاع ملی کہ کشمیری بکروالوں کے ایک قافلے نے ماڈر گاؤں کے باہر پڑاؤ ڈالا ہے جس میں تین چار نوجوان اور خوبصورت لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ اطلاع دینے والے نے ان لڑکیوں کا حسن ایسا بڑھا چڑھا کر بیان کیا تھا کہ شکلا اپنی حالت پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا............

اس نے اپنے خاص ماتحت انسپکٹر رام ایشور کو فوراً ہی اپنے پاس طلب کیا تھا جو اس وقت پٹرول پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

''یس سر......''

رامیشور نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر ایڑیاں بجائیں۔

''کہاں جا رہے ہو......''

شکلا نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''سر! وہی پٹرولنگ............ اب اس کی ضرورت تو رہی نہیں............ سالوں نے اپنی لڑکیاں بھگوان جانے کہاں غائب کر دی ہے............ اب ہمارے لئے وہاں کیا رکھا ہے............ میں تو کہتا ہوں سرکار یہاں سے کسی اور جگہ تبادلہ کروالیں۔ روز روز ایسے موقع نہیں ملا کرتے''۔

اس کے جواب سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا کا ماتحت نہیں بلکہ بے تکلف قسم کا دوست ہے............

''ابے عقل کے اندھے مایا تیرے دروازے پر آن کھڑی ہے اور تو تبادلے کی بات کر رہا ہے......''

شکلا نے جس کی رال ٹپکی جارہی تھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ کر کہا۔

''کہاں مہاراج............ کہاں...... حکم کیجئے...... ابھی حاضر کروں......''

انسپکٹر رامیشور نے بے چینی سے کہا۔

''تو تو سالے دن رات رم پی کر مرا رہتا ہے اپنی آنکھیں کھلی رکھا کر...... ادھر ماڈر گاؤں کے باہر پہاڑی کے دوسری طرف کوئی بکروالوں کا قافلہ آ کر ٹھہرا ہے اس میں تین چار زبردست قسم کی چھوکریاں موجود ہیں......''

شکلا نے اس کے کان کے نزدیک منہ لے جا کر کہا۔

''بھگوان آپ کا تمام جنموں میں بھلا کرے یہ تو بڑے کام کی خبر ہے............ چلو......''

انسپکٹر رامیشور نے کہا۔

''نہیں ایسے نہیں............ وہ سالا مولوی آٹ کل ادھر آیا ہوا ہے۔ بہت شور کرتا ہے۔ یہ آپریشن میری نگرانی میں ہوگا۔ تم اپنے خاص اعتماد والے چار جوان ساتھ لے لو اور میرے ساتھ چلو............ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے کہ ہم کس مشن پر جا رہے ہیں............ اور ہاں ''سیف ہاؤس'' پر بھی اپنے لوگوں کی گارد لگا دو............ لڑکیوں کو وہیں پہنچانا ہوگا............ یہاں ہیڈ کوارٹر میں سالے بہت سے حصے دار پیدا ہو جاتے ہیں......''

ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

Captured by Qamar Abbas

''سر بالکل آپ کے حکم کے مطابق ہی سارے انتظامات ہوں گے۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی۔ واہ مہاراج دل خوش کر دیا......''

انسپکٹر رامیشور ابھی سے بے قابو ہو رہا تھا۔

وہ اپنی جیپ لے کر باہر گیا اور پندرہ بیس منٹ بعد ہی واپس آ گیا۔ اس درمیان اس نے ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا کی ہدایت پر ''سیف ہاؤس'' پر بھی اپنے اعتماد کے لوگوں کو لگا دیا تھا اور دو جیپیں تیار کر کے آیا تھا۔

یہ پٹرولنگ جیپیں تھیں جن پر مشین گنیں نصب تھیں شکلا نے اپنا پستول ہولسٹر میں ڈالا اور اگلی جیپ سنبھال لی۔

اس جیپ کو انسپکٹر رامیشور چلا رہا تھا جبکہ دوسری جیپ جوان کے تعاقب میں آ رہی تھی اس میں چار مسلح جوان موجود تھے............

یہ سب انسپکٹر رامیشور کے خاص آدمی تھے اور عموماً ایسے خاص قسم کے مشن پر اس کے ساتھ ہی جایا کرتے تھے۔ چور سے گٹھڑی کا بلی کے مصداق انہیں یہی امید تھی کہ جلد یا بدیر اس مال غنیمت میں سے انہیں بھی حصہ ملے گا۔

ہوس کے اندھے یہ خون آشام بھیڑیئے آنے والی قیامت سے بے خبر اپنی دھن میں مگن ماڈر گاؤں کی طرف اڑے جا رہے تھے۔ گاؤں سے ملحقہ پہاڑی کو عبور کرنے کے بعد انہوں نے اپنی جیپیں کچے میں اتار دی تھیں۔ مخبر نے باقاعدہ نقشہ بنا کر انہیں اس مقام کی نشاندہی کی تھی جہاں بکروال ٹھہرے ہوئے تھے۔

کچے راستے پر انہیں قریباً دو ڈھائی کلومیٹر کا سفر طے کرنا پڑا۔

عام حالات میں شاید شکلا اور رامیشور اتنے مشکل اور پیچیدہ راستے پر ''آتنک وادیوں'' کے تعاقب میں بھی نہ جاتے۔

لیکن............ یہاں بات ہی مختلف تھی!!

''کم بختوں نے بڑی محفوظ جگہ تلاش کی ہے......''

رامیشور نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

محنت کے بغیر ہاتھ آنے والے شکار کا مزہ ہی کیا............ وہاں پہنچو گے تو سب کچھ بھول جاؤ گے......''

ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد بالآخر وہ اپنے ٹارگٹ تک پہنچ گئے۔

تین چار بکریاں ایک طرف درخت سے بندھی تھیں جس کے نزدیک ایک خیمہ لگا تھا۔ جس میں شاید دو لوگ موجود تھے۔ اندھیرا آہستہ آہستہ پہاڑی سلسلوں کو اپنے دامن سمیٹ رہا تھا۔

لیکن......... اچانک ہی انہیں یوں محسوس ہوا جیسے زمین سے چاند نکل آیا ہو۔ ایک لڑکی خیمے سے برآمد ہوئی جو بکریوں کو دوسری طرف باندھ رہی تھی پھر اس کی مدد کیلئے ایک اور لڑکی بھی باہر آ گئی۔ شکلا کو یقین آ گیا تھا کہ مخبر نے اسے سچ کہا تھا۔ واقعی اس نے اپنی زندگی میں ایسی حسین لڑکیاں نہیں دیکھی تھیں۔

جیپوں کی آوازوں پر انہوں نے اپنی صراحی دار گردنیں اس طرف گھما دی تھی۔ وہ کچھ خوفزدہ سی دکھائی دینے لگی تھیں۔ شکلا کے اشارے پر رامیشور نے جیپ ان کے بالکل نزدیک لے جا کر روکی تھی جبکہ دوسری جیپ انہوں نے کچھ فاصلے پر ہی روک کر جوانوں کو وہیں رکنے کا حکم دیا تھا۔

''اے لڑکی ادھر آ............ کون ہو تم؟''

☆☆☆

جیپ سے قدم نیچے رکھتے ہوئے رامیشور نے انہیں دھمکی آمیز لہجے میں پکارا۔

دونوں لڑکیاں سہمی ہوئی ہرنیوں کی طرح اس کے نزدیک آ گئیں۔ اسی اثناء میں شکلا بھی اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا نیچے اتر آیا تھا۔

''کیا بات ہے مہاراج...... کیوں ہم غریبوں کو تنگ کرتے ہو......''

ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''شٹ اپ...... خبردار کمانڈنٹ صاحب کے سامنے ایک بھی لفظ زبان سے نہیں نکالنا۔ تمہارے باقی ساتھ کہاں ہیں......''

رامیشور نے اسے ڈانٹتے ہوئے دریافت کیا۔

''ادھر خیمے میں............ ہم تو صبح چلے جائینگے...... ہمارا کیا قصور ہے؟''

دوسری لڑکی نے قریباً روہانسی آواز میں پوچھا۔

''بے فکر رہو میری جان تمہیں بڑی حفاظت سے تمہارے گھر چھوڑ کر آئینگے......''

شکلا نے اس کی طرف ہولناک نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر وہ رامیشور سے مخاطب ہوا۔

''باہر نکالو سالوں کو..................''

''او کے سر......''

رامیشور نے کہا اور خیمے کی طرف چل دیا۔

شکلا جس کے دل و دماغ پر شیطان نے قبضہ جما رکھا تھا۔ ایک لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچنے کیلئے لپکا۔

لیکن............ اچانک وہ اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔

ایک پستول کی ٹھنڈی نالی اس کی گردن سے چپک گئی تھی۔ خدا جانے وہ شخص کہاں سے اچانک بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوا تھا جس نے شکلا کے کالر کو مضبوطی سے پکڑ کر اس کی گردن اپنی طرف یوں گھمائی جیسے گاڑی کے سٹیرنگ کو گھمایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی پستول کی نالی شکلا کے ماتھے پر جم گئی............ شکلا نے محسوس کیا کہ پستول کی لمبائی معمول سے زیادہ ہے۔

''یہ جہانگیر تھا......''

اپنے جوانوں سے کہو ہتھیار ڈال دیں۔

اس نے شکلا کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

اس کے لہجے کی تلخی شکلا کو اپنے خون میں سرایت کرتی محسوس ہوئی ایک لمحے کیلئے تو اس کا جسم لرز کر رہ گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے کوئی دوسری بات نکلے...... رامیشور جس کا منہ دوسری طرف تھا اس صورتحال سے بے خبر جب شکلا کی طرف گھوما تو یہ منظر دیکھ کر بے اختیار اس کا ہاتھ اپنے پستول کی طرف بڑھا۔

لیکن...... ابھی بمشکل اس نے اپنا ہاتھ ہلایا ہی تھا جب چند گز کے فاصلے پر موجود جہانگیر کے پستول نے شعلہ اگلا اور شکلا کو یوں لگا جیسے اس کے کلیجے پر کسی نے پوری قوت سے گھونسا رسید کر دیا ہو۔

فائر کی آواز سنائی نہیں دی تھی اور شکلا پر پہلا انکشاف یہ ہی ہوا تھا کہ پستول پر سائلنسر لگایا گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے دنیا کے سب سے ماہر نشانے باز نے گولی چلائی ہے جو رامیشور کے ماتھے پر لگی تھی اور وہ منہ سے بمشکل ایک آدھ آواز نکالنے کے بعد زمین پر گر کر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا تھا۔

حیرت اور خوف سے شکلا کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اگر تمہارے کسی بھی ساتھی نے کوئی ہوشیاری دکھائی تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا......''

پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کے کانوں میں جہانگیر کے الفاظ اترنے لگے۔

''ہتھیار پھینک دو......''

شکلا نے اپنے جوانوں کو جو پہلے ہی خوف سے سہمے ہوئے تھے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔ چاروں جوانوں کی نظریں رامیشور کی لاش پر لگی ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنی بندوقیں سامنے زمین پر پھینک دیں۔

اس اثناء میں اس کے عقب سے چار پانچ مجاہدین نمودار ہوئے جنہوں نے درختوں کے پیچھے خود کو چھپایا ہوا تھا۔ انہوں نے سپاہیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

انہوں نے سپاہیوں کی ساری جیبیں خالی کروالی تھیں اور انہیں ہانکتے ہوئے خیمے کے دوسری طرف لے گئے تھے۔

شکلا ان کے درمیان پتھر کا بت بنا کھڑا رہا......''

دیکھو تم بہت غلطی کر رہے ہو......''

بالآخر اس نے ہمت کر کے جہانگیر سے کہا۔

''اچھا...........پھر......''

جہانگیر نے اسے قریباً چڑانے کے انداز میں جواب دیا۔

''تم یہاں سے بچ کر نہیں جا سکتے......اب بھی وقت ہے مجھے جانے دو............میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں فرار ہونے کا موقعہ دوں گا ....تم چاہو تو ضمانت کیلئے ہمارا اسلحہ رکھ سکتے ہو......''

شکلا نے بڑی فراخدلانہ پیشکش کی۔

''اگر تم نے دوبارہ اپنی زبان کھولی تو میں تمہارے حلق میں گولی اتار دوں گا......''

جہانگیر نے ایسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اسے کہا تھا کہ شکلا سہم کر رہ گیا۔

☆☆☆

اس دوران ان لڑکیوں میں سے ایک نے جو زینب تھی شکلا کی کمر سے بندھی پستول گولیوں کی پیٹی سمیت اتار لی تھی۔ جبکہ دوسری لڑکی صائمہ جو کمانڈر حسین خان کی بہن تھی' نے رامیشور کی لاش کو کروٹ دلا کر اس کا پستول بھی اس طرح نکال لیا تھا............اور بھارتی فوجیوں کی رائفلوں کو بھی ایک جگہ اکٹھا کرنے لگی تھی۔ اس دوران خیمے سے ایک شخص کینوس کا بڑا سا بیگ تھامے برآمد ہوا اور جب وہ شکلا کے نزدیک پہنچا تو حیرت سے شکلا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''تم......''

اس نے بمشکل کہا۔

اس کے سامنے بی ایس ایف کا مخبر جاوید کھڑا تھا۔ جس نے اسے آج ہی اس قافلے کی اطلاع دیکر اس کی ہوس کو بھڑکایا اور اس جال میں پھنسنے کیلئے تیار کیا تھا

''ہاں میں............شکلا تم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ میں نے تمہیں غلط اطلاع دی تھی۔ اب تم لوگ اگر خود ہی پھنس گئے ہو تو تمہاری قسمت ....میں کیا کر سکتا ہوں......''

مخبر نے اس پر طنز کرتے ہوئے کہا اور مسکراتے ہوئے بھارتی فوجیوں کی رائفلیں اپنے بڑے کینوس کے بیگ میں رکھنے لگا۔

''یہ.........یہ.........غدار ہے.........یہ ہمارا مخبر ہے......''

شکلا نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے جہانگیر سے کہا۔ غصے سے اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ ان کا اتنا قابل اعتماد مخبر ہی انہیں کسی روز لے ڈوبے گا اور وہ یوں بے بس پرندوں کی طرح مجاہدوں کا شکار بن جائینگے............

Captured by Qamar Abbas

''بے فکر ہو جاؤ............ تمہارے بعد ہی اس سے بھی نبٹیں گے......''

جہانگیر نے اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا۔

وہ اب کچھ فاصلے کھڑا ہو گیا تھا۔

شکلا کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کے ساتھیوں کے ساتھ مجاہدین نے کیا سلوک کیا ہے۔ وہ انہیں کس طرف لے گئے ہیں۔ دونوں لڑکیاں اپنے خیمے میں واپس چلی گئی تھیں۔ جاوید بھی سامان غنیمت کو بیگ میں بند کرنے کے بعد خیمے میں واپس لوٹ گیا تھے......

وہ سب لوگ بڑے انہماک سے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے......!!

مسلسل کھڑے رہنے سے اب شکلا کی ٹانگیں کانپنے لگی تھی۔

''تم اگر چاہو تو بیٹھ سکتے ہو...... بھاگنے کی بھی اجازت ہے...... حالانکہ تم ہمیں کبھی یہ بات نہیں کہتے پھر بھی یہ تمہیں بھاگنے کی اجازت دے رہا ہوں لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کو جنگی کیمپ سے فرار ہونے کی سزا کیا ہے اگر تم سمجھتے ہو کہ میری گولی سے بچ سکتے ہو بھاگ جاؤ............ میں تمہیں صرف ایک بات اور بتا دوں کہ میں اندھیرے میں بھی ایسا ہی نشانہ لگا سکتا ہوں جیسا روشنی میں تمہارے اس انسپکٹر پر لگایا تھا......''

جہانگیر نے اسے چیلنج کے انداز میں کہا۔

شکلا بے بسی سے ہاتھ ملتا وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

جہانگیر نے اس دوران کئی مرتبہ گھڑی پر وقت دیکھا تھا۔ قریباً آدھا گھنٹہ شکلا کو انہوں نے اسی حالت میں بٹھائے رکھا۔

اندھیرا اب اچھی طرح پھیل چکا تھا......!

خیمے سے زینب باہر آئی اس نے جہانگیر کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا جس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ زینب واپس لوٹ گئی۔

اس کے جانے کے بمشکل دو منٹ بعد ہی شکلا کو چار فائروں کی گھٹی گھٹی آوازیں سنائی دیں۔ وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھیوں کے ساتھ رائفل کی نالی لگا کر فائر کیے گئے ہیں تا کہ زیادہ آواز پیدا نہ ہو............

غصے اور خوف سے شکلا پر لرزہ طاری ہو گیا تھا۔

''تم سب مارے جاؤ گے...... تم سب یاد رکھنا' میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا''

شکلا نے نفرت اور غصے سے کپکپاتی آواز میں کہا۔

''دیکھو شکلا............ اگر میرے کسی ساتھی کو بھی یہ شک ہو گیا کہ تمہاری ذہنی حالت بگڑنے لگی ہے تو تمہیں بھی وہ تمہارے ماتحتوں کے پاس پہنچا دیں گے۔ کیونکہ پاگلوں کے ساتھ رہنا یا انہیں اپنے ساتھ رکھنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اگر کچھ دیر اور زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی زبان کو تالا لگا لو صرف ہماری ہدایت پر عمل کرو......''

اس نے شکلا سے ایسے لہجے میں یہ بات کی تھی کہ خوف سے اس کی گھگھی بندھ گئی اس کا سارا غصہ ہوا ہو گیا تھا۔ وہ مجاہد جو اس کے ماتحتوں کو اپنے ساتھ لے کر گئے تھے واپس آ رہے تھے۔ شکلا نے حیرانگی سے دیکھا انہوں نے بی ایس ایف کی وردیاں پہن رکھی تھیں۔ یہ وردیاں کچھ دیر پہلے اس کے مرنے والے ساتھیوں نے پہنی ہوئی تھیں۔

''چلیے............''

حسین خان نے جہانگیر کی طرف دیکھ کہا۔

''اللہ اکبر......''

جہانگیر نے کہا اور شکلا کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔

چند لمحوں بعد دونوں جیپیں روانگی کیلئے تیار تھیں۔ اگلی جیپ جہانگیر چلا رہا تھا جس کے ساتھ اگلی سیٹ پر شکلا موجود تھا اور پچھلی سیٹ پر

Captured by Qamar Abbas

زینب اور صائمہ جنہوں نے اپنے سامنے کینوس کے دو بیگ رکھے ہوئے تھے۔

دوسری جیپ جسے حسین خان چلا رہا تھا جس میں بی ایس ایف کی وردیوں میں ملبوس مجاہد بیٹھے تھے جن میں سے ایک نے مشین گن پر پوزیشن لی ہوئی تھی۔ بی ایس ایف کی وردیوں میں ملبوس کچھ اور مجاہدوں کو بھی انہوں نے انہیں دونوں جیپوں میں ٹھونس لیا تھا۔ ان کی تعداد پانچ تھی جن کی کمان جہانگیر کا ساتھی خالد کر رہا تھا......!

☆☆☆

ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا کو جہانگیر نے مختصر الفاظ میں سمجھا دیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے...... شکلا جانتا تھا کہ یہ لوگ جو کہہ رہے ہیں اس پر خود بھی عمل کرنے اور کروانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس کے سارے ساتھی مارے جا چکے تھے............

لیکن...... اسے امید تھی کہ اگر مجاہدین کے اشاروں پر بندر کی طرح ناچتا رہا تو شاید اس کی جان بچ جائے۔ شکلا کو اپنے ساتھیوں کے مارے جانے کا ذرا برابر افسوس نہیں تھا۔ اس کی بلا سے...... اس کی طرف سے ساری ''بی ایس ایف'' ماری جائے............ لیکن' اس کی جان محفوظ رہنی چاہیے تھی۔

اسے افسوس تھا تو صرف اس بات کا کہ کیسا مال ہاتھ آ کر نکل گیا...... زندگی میں دوبارہ ایسی خوبصورت لڑکیاں اسے کہاں نصیب ہونی تھیں۔

جہانگیر نے اسے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ''ماڈر گاؤں'' کے بی ایس ایف ہیڈ کوارٹر میں جا رہے ہیں اگر اس نے اپنے کسی بھی عمل سے شک کا اظہار کیا تو ان کے ساتھ کچھ بھی ہو شکلا کو وہ مار ڈالیں گے............

اور...... شکلا جانتا تھا کہ واقعی وہ اسے مار ڈالیں گے۔

اس نے ان لوگوں کے ساتھ تعاون کا مکمل فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ مجاہدین آنکھیں بند کر کے جہنم کی آگ میں کودنے جا رہے تھے۔ ان کے بچ نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جلد یا بدیر وہ مارے جاتے۔

جیپ کیمپ سے جب بمشکل ساٹھ ستر گز دور رہ گئی تو دونوں جیپیں رک گئیں۔ خالد کی کمان میں پانچ مجاہد یہاں ان سے الگ ہو گئے۔

انہوں نے اپنے ساتھیوں سے باری باری ہاتھ ملایا اور اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گئے۔ ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا نے ان کے ساتھ تین بڑے بیگ دیکھے تھے۔ ان میں سے دو مجاہدوں نے اپنے کندھوں پر راکٹ لانچر اور تیسرے نے ''بزوکا'' اٹھا رکھی تھی۔

منصوبے کے مطابق وہ کیمپ کے پیچھے جا رہے تھے تا کہ عقب سے اچانک حملہ کر کے اسے ''سرپرائز'' دے سکیں۔ ان کے اطمینان اور تنظیم کو دیکھ کر شکلا کو ایک دفعہ تو یوں لگا جیسے یہ لوگ واقعی کامیاب ہو جائیں گے پھر اپنی اس فرسودہ خیالی پر وہ دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔

اس نے سوچا یہ مٹھی بھر نوجوان جو کسی باقاعدہ فوج کے تربیت یافتہ بھی نہیں آخر دنیا کی اتنی بڑی قوت سے کیسے ٹکرا سکتے ہیں۔

جیپیں پھر چل پڑیں......!

تھوڑی دیر بعد وہ کیمپ کے مین گیٹ کے باہر موجود تھے......

پہرے دار نے اپنی جیپیں دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے کے نزدیک جہانگیر نے جیپ روک لی ایک پہرے دار نے ان کی سمت ٹارچ کی رشنی پھینکی جو سیدھی شکلا کے منہ پر پڑی جس کی شکل پر نظر پڑتے ہی پہریدار نے اپنی ایڑیاں بجا کر اسے سلیوٹ کیا کیونکہ اس کے ساتھی نے پچھلی سیٹ پر بیٹھی دولڑکیوں کو دیکھ لیا تھا جس کا مطلب تھا کہ شکلا حسب سابق شکار کر کے لایا ہے جس میں سے اب بہت سے لوگوں کو حصہ ملے گا۔

دوسری جیپ نے رکنے کا تعلق نہیں کیا تھا اور حسین خان اس کے تعاقب میں ہی اندر آ گیا تھا کیمپ میں داخل ہونے کے بعد انہیں ایک سیدھی سڑک سامنے بیرکوں کی طرف جاتی اور دوسری شمال کی طرف گھومتی دکھائی دی۔ ایک کونے پر ''واچ ٹاور'' پر مشین گن نصب تھی جس پر ایک

سنتری چوکس کھڑا تھا۔

جہانگیر نے جیپ ٹاور کے بالکل نزدیک روک لی تھی اس کے ساتھ ہی پچھلی سیٹ پر موجود زینب نے اپنی اوزی گن کی نالی شکلا کی گردن سے چپکا دی۔

''اسے نیچے بلاؤ......''

جہانگیر نے شکلا کو حکم دیا۔

''لیکن..................''

''خبردار......ایک لفظ بھی اگر زائد منہ سے نکلا جیسا کہا جائے صرف وہ کرو......''

اچانک ہی زینب نے اس کی گردن پر نالی کا دباؤ بڑھاتے ہوئے ایسے لہجے میں شکلا کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ شکلا کیلئے سوائے ان کے حکم کی تعمیل کی اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔

جیپ رکتی دیکھ کر ٹاور پر موجود سنتری نے جھک کر دیکھا اسے اگلی سیٹ پر ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا کی شکل دکھائی دی تو وہ چوکس ہو گیا۔

''اے جوان ذرا نیچے آنا یار......''

شکلا نے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے تھے۔

سنتری نے یہی سمجھا جیسے وہ اسے کوئی خاص ہدایت دینے کیلئے بلا رہا ہے اور وہ نیچے اتر آیا۔ ابھی وہ بمشکل جیپ کے نزدیک ہی پہنچا تھا جب جہانگیر کے سائلنسر لگے پستول کی گولی اس کے ماتھے پر دونوں آنکھوں کے عین درمیان لگی اور وہ منہ سے ہلکی سی آواز نکال کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

اس کے زمین پر گرنے کے ساتھ ہی دو عمل ایک ساتھ وقوع پذیر ہوئے......!!

دوسری جیپ سے حسین خان باہر نکلا اور بھاگتا ہوا ٹاور پر چڑھ گیا اب مشین گن پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔

ڈپٹی کمانڈنٹ شکلا نے کسی میکانکی عمل کے تحت اپنی گردن گھمائی اور اسے گردن دوبارہ سیدھی کرنے کی مہلت نہ ملی جہانگیر کے اگلے فائر نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے۔

اس کے ساتھ ہی پچھلی جیپ سے دو مجاہد بھاگتے ہوئے ان کی طرف آئے۔ ایک نے بجلی کی سی پھرتی سے دونوں لاشوں کو باری باری گھسیٹ کے وہاں موجود جھاڑیوں کی اوٹ میں کرنا شروع کر دیا جبکہ دوسرے نے جہانگیر والی جیپ میں نصب مشین گن پر پوزیشن سنبھال کر اسے حملے کیلئے تیار کر لیا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر ابھی تک جہانگیر ہی موجود تھا...............!

اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو زینب نے جھٹکے سے سامنے رکھا بیگ اس کی طرف بڑھا دیا۔ جہانگیر نے بیگ اٹھایا اور سامنے موجود بیرکوں کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس دوران مجاہد نے دونوں کی لاشوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا اور اس نے جہانگیر کی جگہ سنبھال لی...............

اب ایک جیپ تو سیدھی بیرکوں کی طرف چلی گئی جبکہ دوسری جس سے حسین خان اترا تھا شمال مشرق کی سمت جانے والے راستے پر گھوم گئی

☆☆☆

کیمپ کے اندر کا نقشہ جہانگیر کے ذہن میں نصب کمپیوٹر میں موجود تھا..................!!

انہوں نے مکمل ''ہوم ورک'' کے بعد یہ سارا منصوبہ بنایا تھا اور جہانگیر اب تک اللہ تعالیٰ کا بار بار شکر ادا کر رہا تھا کہ فی الوقت سارا کام اس کی پلاننگ کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔

بیرکوں کے جنوب میں موجود پٹرول کے ذخیرے تک پہنچنے میں اسے بمشکل دو منٹ لگے تھے............اس نے گزرے ہوئے کل کا دن اور رات اپنے کام کی تیاری میں گزارے تھی اور اب اپنے تیار کردہ ''ایکسپلوسو'' کو بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ پٹرول کے ذخیرے اور ان کے نزدیک کھڑی گاڑیوں میں نصب کر رہا تھا......!!

ان ''کھلونوں'' کو اس نے ایک تار سے منسلک کر دیا تھا اور اب اس تار کے رول کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا بیرکوں کے پیچھے چلا گیا تھا......!!

ساتھ ہی اس نے اپنی گن سنبھال لی اور بیگ سے ایک تھیلا نکال کر اپنی کمر سے باندھ لیا جس میں ہینڈ گرنیڈ اور فالتو گولیاں موجود تھیں۔

زینب اور صائمہ اب جیپ سے باہر آ گئی تھیں......!!

انہیں اب منصوبے کے مطابق مین گیٹ کی طرف واپس جانا تھا جس کے بعد ان کا اصلی کام شروع ہونے والا تھا۔

جہانگیر نے ان کے نزدیک آ کر انہیں سگنل دیدیا تھا اور دونوں تربیت یافتہ فوجیوں کی طرح وہاں موجود مختلف درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپتی چھپاتی اب پہریداروں کے اتنی قریب پہنچ چکی تھیں کہ آسانی سے انہیں نشانہ بنا سکیں............

حملے کی ابتدا جہانگیر کے دھماکوں سے ہوئی۔ اس نے یکے بعد دیگرے کچھ بٹن دبائے اور ''ماڈر گاؤں'' کا کیمپ اپنے موذیوں سمیت لرزنے لگا۔

اچانک ٹوٹنے والی اس قیامت سے گھبرا کر بارکوں میں موجود بی ایس ایف کے جوان بوکھلا کر باہر کو بھاگے جہاں پہلے سے تاک میں لگے مجاہدوں نے مشین گن کے ذریعے انہیں اپنا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔

ایک ہی وقت میں دونوں جیپوں میں نصب مشین گنوں اور ''واچ ٹاور'' پر لگی مشین گن سے ہونے والی فائرنگ نے بی ایس ایف کے جوانوں کو حواس باختہ کر دیا۔ جہانگیر کی ہدایت کے مطابق جیپ میں موجود مجاہدین پوزیشن بدل بدل کر حملہ کر رہے تھے۔

فائرنگ کے ٹھیک تین منٹ بعد کیمپ کے عقب میں پہنچنے والے مجاہدوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ ان کے پھینکے ہوئے راکٹوں سے بھارتی بارڈر سکیورٹی فورسز کو یوں محسوس ہوا جیسے ان پر باقاعدہ فوج نے حملہ کر دیا ہے۔

پہرے پر موجود بی ایس ایف کے جوانوں نے اپنی حد تک مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن یہ سب کچھ اتنا غیر متوقع اور اچانک تھا کہ وہ سوائے گھبرا کر اپنی جان بچانے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

پندرہ بیس منٹ تک جہانگیر کی ہدایت کے مطابق مجاہدین نے اپنا مشن جاری رکھا جس کے بعد وہ اپنے عقب میں بی ایس ایف کے جوانوں کی درجنوں لاشیں تباہ شدہ سامان' کھنڈرات اور آگ میں جھلستے ٹرکوں اور جیپوں کو چھوڑ کر پسپا ہونے لگے۔

پہلے دھماکے کے ساتھ ہی زینب کی اوزی گن نے گیٹ پر موجود تینوں پہرے داروں کو چاٹ لیا اور ان کی مدد کو آنے والوں کو حسین خان کی مشین گن نے چاٹ لیا اسے سرچ لائٹ کی سہولت بھی میسر تھی جس کے ذریعے وہ کبھی کبھی اندر کی صورتحال کا جائزہ بھی لے لیتا تھا............

اپنا کام مکمل کرنے کے بعد مجاہدین نے مشین گنوں پر قبضہ کیا اور باقی سامان کو جہانگیر کی ہدایت کے مطابق نذر آتش کرنے کے بعد پہلے سے طے شدہ گروپوں کی شکل میں باہر آ گئے............!

گیٹ کے باہر موجود زینب اور صائمہ نے ان کی رہنمائی کے فرائض سرانجام دینے تھے۔ دونوں دو الگ الگ سمتوں میں سفر کر رہی تھی جبکہ جہانگیر اور دو مجاہد حسین خان کی معیت میں تیسری سمت کو چل دیئے۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

بارھواں باب

مولانا عبدالمتین نے بطور خاص ہدایات جاری کی تھیں کہ اس مہمان کو بڑے احترام اور رازداری سے لایا جائے اور تحریک کے تین منتخب کارکنوں کو ایئر پورٹ کی طرف روانہ کیا تھا۔

مولانا ''لشکرِ اسلام'' کے امیر تھے اور ان کی جماعت کشمیر کے جہاد میں اپنا اہم رول ادا کر رہی تھی۔ گزشتہ دو سال میں ان کے درجنوں مجاہد جام شہادت نوش کر چکے تھے اور اب متعلقہ حلقوں میں ان کی جماعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

لشکر اسلام کا یہ تیسرا سالانہ کنونشن تھا۔ جس میں دوسرے ممالک سے بھی مندوبین شرکت کیلئے آ رہے تھے۔

اس روز مولانا رات کو آرام کرنے کیلئے اپنے بستر پر لیٹے ہی تھے کہ انہیں امریکہ سے ایک اہم ٹیلی فون آیا۔ امریکہ میں خان صاحب وقتاً فوقتاً مالی مدد کرتے رہتے تھے۔ انہیں جب بھی کوئی امید فنڈز سے متعلق دکھائی پڑتی فوراً مولانا سے رابطہ کرتے تھے۔ خان صاحب کے فون کا مطلب مولانا کیلئے ہمیشہ فنڈز کے حوالے سے کوئی اچھی خبر ہی ہوا کرتی تھی۔

''لشکر اسلام'' کی کارروائیاں جیسے جیسے بڑھ رہی تھیں فنڈز کی ضروریات میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ خصوصاً شہدا کے خاندانوں کی کفالت نے مولانا کو بہت پریشان کیا ہوا تھا۔ بعض ایسے مجاہد بھی جہاد کشمیر میں شہید ہو چکے تھے جو اپنے خاندانوں کے واحد کفیل تھے اب ان کی کفالت کا بوجھ بھی لشکر اسلام پر آن پڑا تھا۔

مولانا عبدالمتین کی کوشش ہمیشہ یہی ہوتی تھی کہ وہ جس حد تک بھی ممکن ہے ان لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھیں۔ لیکن............ گزشتہ چند ماہ سے وہ خود کو اس سلسلے میں بالکل معذور سمجھنے لگے تھے۔ اس کی ایک وجہ جو جماعت کے مرکز کی تعمیر اور پھر سالانہ تقریب تھی اور خود مولانا کے بڑھتے ہوئے اخراجات............

انہیں جہادی تبلیغ کیلئے عموماً ملکی اور غیر ملکی دورے کرنے پڑتے تھے اگر وہ صرف اپنی مسجد تک ہی محدود رہتے تو شاید زندگی میں کچھ بھی نہ کر پاتے۔ وہ تو سیدھے سادھے سے مسلمان تھے۔ جن کی زندگی کا واحد مقصد حصول رضائے الٰہی تھا۔

لیکن............ اب حالات نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

مولانا محسوس کر رہے تھے کہ اس منافق معاشرے میں صرف ان کی ذاتی شرافت کوئی حیثیت نہیں رکھتی اس کیلئے ضروری تھا کہ وہ بھی بیشتر مجاہد تنظیموں کی طرح نمود و نمائش پر زیادہ اور اپنے اصلی کام یعنی جہاد پر کم توجہ دیں۔

جب سے یہ نقطہ مولانا عبدالمتین کو سمجھ پڑا تھا ان کے پریس سے تعلقات بڑھنے لگے تھے۔ آئے روز وہ شہر کے کسی نہ کسی بڑے ہوٹل میں آٹھ دس صحافیوں کو ڈنر یا لنچ پر بلا کر حالات حاضرہ کے حوالے سے کوئی نہ کوئی بیان داغ دیا کرتے تھے۔

اس کے بعد انہوں نے آڈیو ویژول سہارے تلاش کئے اور اپنے مجاہدوں کی فلمیں بنا کر اپنے غیر ملکی دوست احباب کو روانہ کیں تا کہ انہیں مولانا کی خدمات کا ادراک ہو اور وہ بڑھ چڑھ کر ان کی مالی مدد کریں۔ اس عمل کے کچھ مثبت نتائج بھی برآمد ہوئے تھے۔

لیکن............ مولانا کی توقعات کے عین مطابق نہیں۔ کیوں کہ ان کے مقابل دیگر مجاہد تنظیمیں جن کے کارنامے ان کی طرح اتنے زیادہ

بھی نہیں تھے۔لیکن' حیرت انگیز طور پر ان کو غیر ممالک سے فنڈز زیادہ آتے تھے۔

کسی ہمدرد نے مولانا عبدالمتین امیر لشکر اسلام کو مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے ہاں سالانہ کنونشن کا اہتمام کریں اور کسی نے کسی غیر ملکی ''شیخ الاسلام'' کو ضرور مدعو کیا کریں۔ پہلی مرتبہ تو مولانا کو اس سلسلے میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی تھی لیکن دوسرے کنونشن میں انہوں نے بعد از خرابی بسیار مڈل ایسٹ کی ایک ریاست سے اپنے ہم مسلک ایک ''شیخ الاسلام'' کو ڈھونڈ ہی لیا جنھوں نے نہ صرف اس کنونشن کی صدارت فرمائی بلکہ مولانا کو اچھے خاصے زر مبادلہ سے بھی نوازا..........!!

اس مرتبہ بھی حوصلہ پا کر انہوں نے تیسرے سالانہ کنونشن کا انعقاد کر دیا تھا۔لیکن حیرت انگیز طور پر جب وہ تمام پروگراموں کو عملی شکل دے چکے تھے کہ ان کے مہمان خصوصی ''شیخ الاسلام'' نے بیماری کا بہانہ کر کے معذرت کر لی اور مولانا عبدالمتین کے لئے پریشانیوں کا ایک مستقل سلسلہ پیدا کر دیا۔

انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کنونشن کے اخراجات کہاں سے پورے کریں گے؟ بہر حال مولانا نے ہمت کر کے اپنے غیر ملکی مداحوں کو ٹیلی فون کئے اور انہیں حوصلہ افزا جواب امریکہ میں خان صاحب کی طرف سے ملا تھا۔جنھوں نے مولانا کو بتایا کہ ان کے ہمسائے میں مقبوضہ کشمیر کے غلام رسول لون صاحب فروکش ہیں جو بڑھ چڑھ کر تحریک آزادی میں حصہ لے رہے ہیں اور لشکر اسلام سے متعلق فلمیں دیکھ کر بہت متاثر بھی ہوئے ہیں۔

خان صاحب نے بتایا تھا کہ لون صاحب مولانا کے سالانہ کنونشن میں شرکت کیلئے امریکہ سے یہاں بہ نفس نفیس آ رہے ہیں وہ تحریک کیلئے مالی امداد بھی دیں گے انہوں نے مولانا کو لون صاحب کا خاص خیال رکھنے کی تلقین بھی کی تھی..................

مولانا جو صورتحال سے بہت بددل تھے لون صاحب کی آمد کو عطیہ خداوندی سمجھ کر خوش ہو گئے انہوں نے اپنے کارکنوں کو خصوصی ہدایات کے ساتھ ایئر پورٹ روانہ کیا تھا۔

فلائٹ ان ٹائم تھی۔دوپہر کے بعد لون صاحب پہنچ گئے۔مولانا نے ان کے انتظار میں ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔

☆☆☆

مغرب تک لون صاحب استراحت فرماتے رہے۔

مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ مولانا کے ساتھ ان کے کمرے میں محو گفتگو تھے۔انہوں نے مولانا کو بتایا کہ موصوف سرینگر کے رہنے والے ہیں اور ان کے خاندان کے آدھے سے زیادہ مرد اور عورتیں تحریک آزادی میں جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔لون صاحب نے مولانا کو یقین دلا دیا کہ ان کی زندگی کا سوائے اس کے اور کچھ مقصد نہیں کہ ان کی جان و مال جہاد میں کام آ جائے۔

لون صاحب کا انداز گفتگو بڑا متاثر کن تھا۔وہ بات کرتے تو مخاطب کے دل میں اترتے چلے جاتے تھے۔اس دوران متعدد مرتبہ ان کی آنکھیں بھیگیں اور انہوں نے ٹشو پیپر سے اپنے آنسو پونچھے تھے۔

رات کو عشا کے بعد پھر وہ مولانا کے ساتھ ہمکلام تھے۔

اچانک ہی انہوں نے ڈرامائی انداز میں اپنا بریف کیس کھولا اور دس ہزار ڈالر کی خطیر رقم مولانا کے سامنے رکھ دی۔

ایک مرتبہ تو مولانا عبدالمتین کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔لیکن............ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت تھی۔ان کی زندگی کی حیرت انگیز حد تک خوشگوار حقیقت.......!انہوں نے ''الحمدللہ'' کہتے ہوئے ڈالرز اٹھائے اور انہیں گنے بغیر اپنے پہلو میں رکھی چھوٹی سی سیف میں رکھ کر تالا لگایا اور چابی دوبارہ اپنی جیب میں ڈال لی۔

''اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر دے۔ مولانا نے انہیں بہت سی دعائیں دیتے ہوئے کہا۔

''آپ فی الوقت یہ عطیہ قبول فرمائیں اللہ تعالٰی آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی عطا کریں...........''۔لون صاحب نے انکساری سے جواب دیا۔

مولانا موصوف کا شکریہ ادا کرنے کیلئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے تھے جب لون صاحب نے دوبارہ کہا۔

''مولانا یہ تو کچھ بھی نہیں......میرے بچے آپ پر قربان ہوں۔آپ جیسے عظیم لوگوں کیلئے ہماری جان کام آجائے تو اور کیا چاہیے''

یہ کہہ کر انہوں نے مولانا کو بتایا کہ انہوں نے زندگی سے جو کچھ کھانا کمانا تھا کھا کما لیا۔اب تو ایک ہی خواہش باقی ہے کہ اپنی باقی ساری زندگی مجاہدین کیلئے وقف کر دیں۔

مولانا کیلئے ان کی باتیں ''حق الیقین'' کا درجہ رکھتی تھیں کیونکہ لون صاحب نے دس ہزار ڈالر کی خطیر رقم جہاد کیلئے مختص کی تھی۔اب انہوں نے اگلا حملہ کیا اور مولانا کو بتایا کہ سری نگر میں ان کے پاس ایک بہت ہی محفوظ ٹھکانہ ہے جو وہ مجاہدین کی نذر کرنا چاہتے تھے۔لون صاحب نے بتایا کہ وہ لندن کی ایک کمپیوٹر فرم میں انجینئر ہیں اور ان کے ایسے ذرائع ہیں کہ مولانا کے مجاہدوں کو جس نوعیت کے دھماکہ خیز مواد کی ضرورت ہو وہ سری نگر میں آسانی سے پہنچا سکتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی انہوں نے دو تین ایسی چیزوں کا نام بھی لے دیئے جن کی لشکر اسلام کے مجاہدوں کو بہت ضرورت تھی۔

''ماشاءاللہ...........آپ تو ہمارے لئے...........بلکہ کشمیر کے مجبور و مقہور مسلمانوں کیلئے امید کی شمع بن کر آئے ہیں''

مولانا نے متاثر کن لہجے میں کہا۔

''عنایت ہے آپ کی......لیکن میرے دل کی تسلی تب ہوگی جب میں عملاً یہ کچھ کر کے دکھاؤں گا...........''

لون صاحب نے مولانا سے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

اگلے دس پندرہ منٹ کی گفتگو کے بعد اس نے مولانا کو اپنی لچھے دار گفتگو سے ایسا مسخر کر لیا کہ انہوں نے سری نگر میں لشکر اسلام کی واحد پناہ گاہ سے لون صاحب کو آگاہ کرتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ اگلے ماہ وہ اپنے پندرہ مجاہدوں کا ایک قافلہ روانہ کرنے والے ہیں...........

لون صاحب کے بضد ہونے پر مولانا نے حامی بھر لی کہ ان مجاہدوں کی سری نگر میں مہمانداری کا ذمہ لون صاحب اٹھائیں گے اور لون صاحب نے مولانا کو بتایا کہ مجاہدین تک دھماکہ خیز اور تباہ کن مواد پہنچانا ان کی ذمہ داری ہے اور جیسے ہی انہیں مجاہدین کے سری نگر پہنچنے کی اطلاع ملی اگلے 48 گھنٹے میں متعلقہ سامان ان تک پہنچ جائے گا۔

مولانا کو لون صاحب کا شکریہ ادا کرنے کیلئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔لون صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ دو ماہ بعد وہ مولانا کو بیس ہزار ڈالر کی مزید رقم جہاد کشمیر فنڈز کے سلسلے میں روانہ فرمائیں گے۔

☆☆☆

لون صاحب نے تین روزہ کنونشن میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا...........

ان کے ایمان افروز خطاب نے کنونشن کے شرکا کے خون کو گرما دیا اور ان کی تقریر کے دوران مسلسل نعرے بلند ہوتے رہے۔

چوتھے روز جب وہ امریکہ جانے کیلئے مرکز سے رخصت ہو رہے تھے تو لشکر اسلام سے وابستہ قریباً تمام مجاہد ان کو رخصت کرنے کیلئے وہاں موجود تھے۔لون صاحب خود کمپیوٹر انجینئر تھے یا نہیں...........ان کے دماغ میں البتہ کمپیوٹر ضرور فٹ تھا۔قریباً ہر اہم مجاہد کمانڈر کی شبیہ اس کمپیوٹر میں نقش ہو گئی تھی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

انہوں نے تین روزہ کنونشن کی مکمل فلم بنائی تھی اور مولانا عبدالمتین سے کہا تھا کہ اس فلم کے ذریعے وہ اپنے حلقہ احباب سے کم از کم پچاس ہزار ڈالر کی رقم دو ماہ میں جمع کر کے ان کی خدمت میں روانہ کر دیں گے۔ لون صاحب نے اس فلم میں لشکر اسلام کے کمانڈروں کے انٹرویو ریکارڈ کیے تھے جنہوں نے بڑے جوش وخروش سے مقبوضہ کشمیر کو ہندو کے پنجہ استبداد سے آزاد کروانے کا اظہار کیا تھا اور بڑے بڑے دعوے کیے تھے............

اس نے مولانا کو بتایا کہ مجاہد کمانڈروں کی ان ایمان افروز تقاریر کے بعد کس مسلمان کا دل نہیں چاہے گا کہ وہ جہاد کشمیر میں اپنا حصہ ڈالے

غلام رسول اپنا کام مکمل کر کے امریکہ واپس لوٹ گیا............

امریکہ پہنچنے کے قریباً ایک ہفتہ بعد اس نے مولانا کو فون کر کے بتایا کہ کنونشن پر تیار کردہ ویڈیو فلم کے بہت مثبت اثرات مرتب ہوئے ہیں اور اس نے یہاں کے مسلمانوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ لون نے بتایا کہ اسنے یہ فلم غیر ملکی مسلمانوں کو بھی دکھائی ہے۔ جنہوں نے فنڈز بھی دیئے ہیں۔

لون صاحب نے بتایا تھا کہ وہ مولانا عبدالمتین کے دورہ امریکہ کا بندوبست کر رہے ہیں۔ مولانا کو نیویارک بلا کر وہ انہیں کم از کم پچاس ہزار ڈالر جہاد فنڈ پیش کریں گے............!!

مولانا کا دل باغ باغ ہو گیا۔

وہ زیادہ جوش وخروش سے مجاہدین کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ لون صاحب ہفتہ میں ایک مرتبہ انہیں ضرور فون کر لیا کرتے تھے۔ ہر دفعہ وہ مولانا کو کوئی نہ کوئی خوشخبری ضرور سنایا کرتے تھے۔

ایک روز انہیں نے مولانا کو آخری خوشخبری بھی سنا دی کہ ایکسپلورر سری نگر پہنچ چکے ہیں اب انہیں مجاہدین کے نئے گروپ کی آمد کا انتظار ہے۔

مولانا عبدالمتین کیلئے یہ سب کچھ تائید غیبی تھا۔

لون صاحب کی شکل میں انہیں ایک ہیرا ہاتھ لگ گیا تھا۔

یوں تو جہاد کشمیر سے ہر مسلمان کی جذباتی وابستگی تھی لیکن............ غلام رسول لون نے تو جیسے تن من دھن سب کچھ ہی جہاد کیلئے وقف کر دیا تھا۔ انہیں امید تھی کہ لون کی مدد سے وہ مقبوضہ کشمیر میں کوئی بڑا ایکشن کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے۔

☆☆☆

میرے خواب ریزہ ریزہ

جو چلے تو جاں سے گزر گئے جیسے خوبصورت ناول کی مصنفہ ماہا ملک کی ایک اور خوبصورت تخلیق۔ میرے خواب ریزہ ریزہ کہانی ہے اپنے "حال" سے غیر مطمئن ہونے اور "شکر" کی نعمت سے محروم لوگوں کی۔ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں، وہ زمین سے آسمان تک پہنچ کر بھی غیر مطمئن اور محروم رہتے ہیں۔

اس ناول کا مرکزی کردار زینب بھی ہمارے معاشرے کی ہی ایک عام لڑکی ہے جو زمین پر رہ کر ستاروں کے درمیان جیتی ہے۔ زمین سے ستاروں تک کا یہ فاصلہ اس نے اپنے خوش رنگ خوابوں کی راہ گزر پر چل کر طے کیا تھا۔ بعض سفر منزل پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتے ہیں اور انکشافات کا یہ سلسلہ اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے رستوں کا تعین بہت پہلے کر لینا چاہیے۔

یہ ناول کتاب گھر پر جلد آ رہا ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

اگلے پندرہ روز کے بعد ایک دن لشکر اسلام کے مجاہد بیس کیمپ سے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو رہے تھے۔ وہ تعداد میں پانچ تھے اور حیرت انگیز طور پر بغیر کسی مزاحمت کے دوروز میں اپنی منزل مقصود سرینگر پہنچ چکے تھے جہاں نیویارک سے غلام رسول لون خود ان کے استقبال کیلئے آیا ہوا تھا!

مجاہد گروپ کمانڈر مقامی تھا............!

وہ انہیں سیدھے اسی ٹھکانے پر لے گیا جہاں پہنچنے کی ہدایت مرکزی جماعت کی طرف سے کی گئی تھی۔

منصوبے کے مطابق ان کا استقبال غلام رسول لون نے کیا۔ اس وقت شام ڈھل رہی تھی۔ لون نے ان کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ سادہ لوح مجاہد اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر اسے اپنے مستقبل کے سارے منصوبوں سے آگاہ کرتے چلے گئے جس میں مقامی مجاہدین اور پناہ گاہ بھی شامل تھی............!

رات کے پہلے پہر ہی لون نے انہیں یہاں سے دوسرے محفوظ مقام تک پہنچانے کیلئے اپنی وین میں بٹھا دیا۔

اس نے بطور احتیاط وین کا دروازہ باہر سے لاک کر دیا تھا۔ یہ ڈیلیوری وین تھی۔ جو چاروں طرف سے بند تھی اور خاص مقاصد کیلئے رکھی گئی تھی۔

وین کے اندر بیٹھے لشکر اسلام کے مجاہدین کو علم نہیں تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ ان کے ہتھیار لون صاحب نے پہلے ہی بحفاظت ان کے ''ہائیڈ آؤٹ'' تک پہنچانے کے بہانے ہتھیا لیے تھے اور اب وہ خود ایک محفوظ مقام کی طرف جا رہے تھے۔

ایک جگہ بالآخر وین رک گئی اور اس کا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔

لیکن............ یہ کیا؟

باہر نکلنے پر ان کا استقبال بھارتی فوج کے کمانڈوز ''بلیک کیٹس'' نے کیا۔ درجنوں کی تعداد میں وہ ان کی طرف رائفلیں تانے کھڑے تھے۔

''دھوکہ............''

مجاہد کمانڈر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اور وہ ''اللہ اکبر'' کا نعرہ لگا کر...... بھارتی کمانڈوز پر ٹوٹ پڑے۔

کمانڈوز نے ان کے دو ساتھیوں کو تو ان کی آنکھوں کے سامنے ہی مار ڈالا اور باقی تینوں کو آنکھوں پر پٹی اور ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ کر جیپوں میں ڈال کر کسی اور جگہ لے گئے۔

☆☆☆

مولانا عبدالمتین کو بے چینی سے مجاہدین کے خیریت سے پہنچنے کی اطلاع کا انتظار تھا............

لیکن............ ایک ہفتے تک جب کوئی اطلاع نہیں ملی تو انہوں نے سری نگر اپنے مرکز سے رابطہ قائم کیا جہاں ان کا رابطہ ہی نہ ہو سکا۔

مولانا نے نیویارک خان صاحب کو فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ مولانا سے ملاقات کے بعد لون صاحب نے بمشکل آٹھ دس روز ان کے ہمسائے میں قیام کیا تھا جس کے بعد ان کا تبادلہ کسی دوسرے شہر میں ہو گیا اور ان کا کوئی رابطہ بھی نہیں ہو سکا۔ یوں بھی امریکہ جیسے مصروف ملک میں کس کے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ اپنے ہمسائیوں سے رابطے رکھتا پھرے وہ تو کبھی اچانک سر راہ ملاقات ہو جاتی تھی۔

مولانا کا ماتھا ٹھنکا............

لیکن............ انہوں نے ابھی تک کوئی غلط رائے قائم نہیں کی تھی۔

تین چار روز مزید گزر گئے۔ مولانا کی پریشانی روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ جماعت کے باقی لوگ بھی مضطرب تھے کیونکہ سرحد پر کسی

Captured by Qamar Abbas

جھڑپ کی اطلاع بھی نہیں ملی تھی اور نہ ہی دوسری مجاہد تنظیموں کی طرف سے کوئی خبر آئی تھی۔

بالآخر وہ منحوس خبر بھی آ ہی گئی............

لیکن............ٹیلی فون یا کسی اور ذریعے سے نہیں بلکہ بھارتی ٹیلی ویژن سے۔

اس روز معمول کے مطابق وہ لوگ اپنے مرکز میں بھارتی ٹی وی کی خبریں سن رہے تھے تاکہ اپنے ساتھیوں کے احوال سے آگاہ ہوسکیں کہ اناؤنسر نے خبر پڑھنی شروع کی جس کے مطابق بھارتی فوج نے ایک زبردست مقابلے کے بعد تین پاکستانی گھس بیٹھیے گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا تھا جن کے دو ساتھی مقابلے میں مارے گئے تھے۔ ان میں سے ایک گھس بیٹھیے کو انہوں نے ٹی وی پر پیش کر دیا۔ مرکز میں موجود تمام سناٹا طاری تھا جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔ جس گھس بیٹھیے کی تصویر ٹی وی پر دکھائی دے رہی تھی وہ ان کا مقامی مجاہد ساتھی تھا جس کی آواز سیسے کی طرح ان کے کانوں کے راستے دماغ میں گھس آئی تھی۔

"میرا نام خالد ہے۔ میرا تعلق پلندری سے ہے۔ مجھے پاکستان کی انٹیلی جنس ایجنسی نے سری نگر بھیجا تھا............ میں نے............"

رٹا رٹایا بیان جاری تھا............

خالد کے چہرے پر بڑے بڑے نیل اور اس کی سوجی ہوئی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس پر بے پناہ تشدد کرنے کے بعد دشمن نے اسے کوئی نشہ آور شے کھلا کر یہ فلم بنائی ہے کیونکہ وہ مخبوط الحواس دکھائی دے رہا تھا۔

مولانا عبدالمتین کو ایک مستقل پچھتاوے نے آ لیا تھا............!!

ان کے ساتھ دھوکہ ہو چکا تھا۔

غلام رسول لون کی صورت میں "را" کے ایجنٹ نے ان کی روحانی موت کا سامان کر دیا تھا۔ عین ان لمحات میں کرنل کرشنا اور میجر رائے نے اپنے جام آپس میں ٹکرائے وہ لوگ اپنے مشن میں کامیابی کا جشن منا رہے تھے۔

"ویل ڈن مسٹر لون............ویل ڈن............"

کرنل کرشنا نے لون کے کندھے پر تھپکی دی۔

"آپ دیکھتے جایئے اسی طرح کسی روز جہانگیر کو بھی آپ کے قدموں میں لا کر نہ ڈال دوں تو میرا نام بدل دیجئے......سالے بڑے مجاہد بنے پھرتے ہیں............"

تینوں نے ایک ساتھ زوردار شیطانی قہقہہ بلند کیا تھا۔

سیکرٹ ایجنٹ

سیکرٹ ایجنٹ ایک منفرد اور دلچسپ ناول ہے۔ انگریزی ادب سے لی گئی ایک کہانی، جس کا ترجمہ ڈاکٹر صابر علی ہاشمی نے کیا ہے۔ ایک ہنستی مسکراتی تحریر ہے، جس میں سسپنس، ایکشن کے ساتھ ساتھ طنز و مزاح کا عنصر بھی شامل ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک عام شہری ہے جو اپنے دوست کے دعوت دینے پر سیکرٹ ایجنٹ بننے اور CIA کے ساتھ کام کرنے کی حامی بھر لیتا ہے اور پھر سلسلہ شروع ہو جاتا ہے دلچسپ واقعات سے بھرپور، ایک انوکھی سراغ رسانی کا۔ سیکرٹ ایجنٹ کو ناول سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

تیرھواں باب

بی ایس ایف کے ہیڈ کوارٹر کی تباہی............!!

اگلے روز اخبارات کی چیختی چلاتی سرخیوں نے کرنل گوپال کرشنا کا خون کھولا دیا۔گو کہ انٹیلی جنس رپورٹس اسے مل چکی تھیں لیکن جس طرح اخبارات نے اس حادثے کو اچھالا تھا اس کے بعد تو ان سب کیلئے ڈوب مرنے کا مقام ہی بن چکا تھا۔

''میر صاحب............بہت برا ہوا............بہت برا۔ ہماری تو ساری کامیابیوں پر صرف یہ ایک واقعہ مٹی پھیرنے کیلئے کافی ہے''
اس نے اخبار ایک طرف رکھ کر سامنے بیٹھے میجر رائے کی طرف دیکھ کر کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

''سر! میرے جذبات آپ سے مختلف نہیں......میں تو سمجھتا تھا لون صاحب کی طرف سے لشکر اسلام کیخلاف اس کارروائی کے بعد یہ لوگ خوفزدہ ہو جائینگے لیکن............''

اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اوہ مائی گاڈ............''

کرنل گوپال کرشنا نے لمبی سانس لی۔

''مجھے ایک بات نے خاصا پریشان کیا ہے کہ ان کے اندر اتنی گھس پیٹھ کے باوجود ہم ابھی انہیں اندر سے توڑنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو سکے............''

میجر رائے نے اچانک ہی کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''ہوں ں............اب میں یہی کرنے جا رہا ہوں......اب انہیں اندر سے توڑنا ہی ہوگا۔ میجر رائے............!

اگر بھارت ماتا کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچانا ہے تو یاد رکھو ہمیں ان سب کو اندر سے توڑ دینا ہوگا......مجھے اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ کشمیر ہاتھ سے نکل گیا تو کیا ہوگا......مجھے تو یہ فکر کھائے جا رہی ہے کہ کشمیر کے بعد پھر کس کا نمبر آئے گا......میجر رائے......ہم ایک وقت میں چھ مضبوط علیحدگی پسند تحریکوں کا سامنا کر رہے ہیں......بھارت ماتا کی سلامتی داؤ پر لگی ہے۔ کشمیر کی آزادی کا مطلب بھارت کے آٹھ ٹکڑے......اوہ مائی گاڈ......Impossibale ناممکن......نہیں میر صاحب ایسا نہیں ہونا چاہیے ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا............یہ پولیس چیف اور یہ آرمی......سب بکواس ہے۔ایک دم بکواس' کچھ فائدہ نہیں ان کا......ارے چھ لاکھ فوج اگر پانچ سو آتنک وادیوں (دہشت گردوں) پر قابو نہیں پا سکتی تو بھاڑ میں جائے ایسی فوج......ان لوگوں کی نالائقیوں نے بھارتی فوج کی ''کریڈیبلٹی'' داؤ پر لگا دی ہے۔ ڈیم اٹ............''

اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑی چھتری کو اتنے زور سے سامنے دھری میز پر مارا کہ ایک مرتبہ تو میجر رائے سہم کر رہ گیا۔

لیکن............میجر رائے جانتا تھا۔

جب کبھی کرنل گوپال کرشنا پر مایوسی کا دورہ پڑتا تو وہ سیخ پا ہو جاتا تھا اور ان لمحات کا وہ دنیا کا خطرناک ترین انسان بن جاتا تھا۔ بالکل درندہ جنگلی درندہ......جسے سوائے چیر پھاڑ کے اور کسی شے سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہتی تھی۔

میجر رائے کو علم تھا کہ ایسے ہی لمحات میں اس کی تمام شیطانی صلاحیتیں ایک دم سے بیدار ہو جایا کرتی تھیں۔

''میرے ساتھ آؤ............''

اس نے اچانک کھڑے ہو کر میجر رائے کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

دونوں کنٹرول روم میں پہنچ گئے تھے............

Any information (کوئی اطلاع)؟

اس نے کنٹرول آپریٹر سے دریافت کیا؟

''یس سر............''

یہ کہتے ہوئے وہاں کمرے میں موجود تین مستعد آپریٹروں میں سے ایک نے کرنل گوپال کرشنا کو ایک ''ٹیلی فون میسج'' پکڑا دیا۔

یہ ایک ٹائپ شدہ میسج تھا۔ کرنل گوپال کرشنا نے وہیں کھڑے کھڑے اس پر ایک نظر ڈالی اور وہ کاغذ اپنے ماتحت میجر رائے کو تھما دیا۔

اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ ناچنے لگی تھی۔

میجر رائے نے کاغذ پر نظریں دوڑائیں اور ٹائپ شدہ تحریر کے اختتام پر اس کے تنے ہوئے اعصاب بھی ڈھیلے پڑ گئے۔

''ویل ڈن کیپٹن ناگرہ............''

اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔

''کم آن............''

کرنل کرشنا نے اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور اپنے خصوصی کمرے میں چلا گیا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا یہ لڑکا بڑا اسمارٹ ہے کچھ کر گزرے گا............''

کرنل گوپال کرشنا نے ''ٹیلی میسج'' اپنے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''یس سر! واقعی کمال ہو گیا۔ اب ہماری ٹیم مکمل ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ میں تو مجاہدوں کے ہاتھوں کیپٹن بخشی کی موت کے بعد سے خود کو بہت اکیلا جاننے لگا تھا............''

میجر رائے نے کہا۔

''ارے یار بہت دم ہے...... ابھی بہت دم ہے اپنے بندوں میں۔ یہ لڑکا۔ کیپٹن ناگرہ اسکی پوری نہیں کر سکتا...... لیکن کچھ کرے گا ضرور''

کرنل گوپال کرشنا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

کیپٹن بخشی ان کا ساتھی تھا جسے تامل ناڈو میں ایک خفیہ آپریشن کے دوران ''ایل ٹی ٹی ای'' کے باغیوں نے مار ڈالا تھا۔ اس کی موت کے بعد کرنل گوپال کرشنا اور میجر رائے خود کو خاصے تنہا تنہا محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ ان تینوں کی ٹیم مثالی سمجھی جاتی تھی اور آرمی انٹیلی جنس میں وہ ''سپر فٹ'' کے کوڈ نام سے جانے جاتے تھے۔

کیپٹن بخشی کے بعد بہت سے ڈیپوٹیشن پر آئے ینگ آفیسرز کو اس ٹیم میں شامل کیا گیا۔

لیکن کرنل کرشنا کسی سے مطمئن نہیں ہوتا تھا۔

☆☆☆

دراصل ان تینوں نے مل کر کارکردگی کا جو معیار قائم کر لیا تھا کیپٹن بخشی کی موت کے بعد سے پھر دوبارہ اس کارکردگی کا مظاہرہ نہ کر پائے۔
ان دونوں کی طرف سے تو کوئی کمی نہیں ہوئی تھی لیکن تیسرے ممبر کی طرف سے مطلوبہ نتائج نہیں ملا کرتے تھے۔
کیپٹن ناگرہ کو تین ماہ پہلے ہی ڈیپوٹیشن پر بھیجا گیا تھا۔اس کے "او۔سی" نے کرنل کرشنا سے خود کہا تھا۔
"مجھے امید ہے ناگرہ شاید بخشی کی کمی پوری کردے گا He is genious بہت Extra Ordinary لڑکا ہے۔ بڑا دم ہے اس میں............"
"Hope so"
کرنل گوپال کرشنا نے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ حالانکہ اس نے تب یہی رائے قائم کی تھی کہ یہ بھی پہلے کی طرح کا "جینئس آفیسر" ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے آنے والے تین ینگ آفیسرز کے متعلق بھی ان کے افسران اعلیٰ نے یہی رپورٹس دی تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ بمشکل دو تین ماہ بھی ان کے ساتھ نہیں چل پائے تھے اور کرنل گوپال کرشنا کی درخواست پر ان کا تبادلہ کسی دوسرے "فیلڈ انٹیلی جینس یونٹ" میں کر دیا جاتا تھا۔
لیکن............ حیرت انگیز طور پر جب اس کی پہلی ملاقات کیپٹن ناگرہ سے ہوئی تو اس نے میجر رائے سے کہا تھا۔
"میر صاحب لڑکے میں دم ہے............"
"بھگوان کرے ایسا ہی ہو سر............"
میجر رائے نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا تھا۔
اس کی تجویز پر کرنل گوپال کرشنا نے کیپٹن ناگرہ کو ایک اہم مشن سونپ کر بانڈی پورہ کی طرف روانہ کیا تھا۔
اور............ آج جب اسے دس روز کے بعد اس کا پیغام ملا تو کرنل کرشنا کو یوں لگا جیسے وہ مجاہدین کی اس تازہ کارروائی کا بھرپور جواب دے سکیں گے۔
کیپٹن ناگرہ کو نیا پلان سوچتے ہوئے کرنل گوپال کرشنا کو نجانے کیوں ایک امید سی بندھ گئی تھی کہ وہ اس پر عمل کر گزرے گا۔
کیپٹن ناگرہ کشمیری پنڈت گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ جموں میں پیدا ہونے والے کیپٹن ناگرہ کی تربیت بھی اس کے والدین نے روایتی کشمیری انداز و روایات کے مطابق کی تھی اور آرمی میں کمیشن حاصل کرنے کے بعد اسے زیادہ تر مقبوضہ کشمیر' لداخ اور چین کے سرحدی علاقوں میں ہی رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ بھارتی فوج کے محکمہ جاسوسی میں اس کی آمد بھارتی محکمہ جاسوسی کیلئے نیک شگون ہی تھا۔
کیپٹن ناگرہ نے جن دنوں کمیشن لیا کشمیر میں جدوجہد آزادی نے نئی کروٹ لی تھی اور جیسے جیسے وہ محکمانہ امتحانات پاس کر کے آگے بڑھتا گیا تحریک آزادی بھی اپنے نقطہ عروج کی طرف گامزن رہی۔
اسے مسلمانوں سے نفرت ورثے میں ملی تھی۔
اس کے پنڈت والد گو کہ ایک سرکاری محکمے میں اعلیٰ آفیسر تھے لیکن اپنی روایت کی پاسداری نے انہیں کبھی جموں سے باہر نکلنے نہ دیا۔ اس کے والدین اکثر گلہ کیا کرتے تھے کہ انہیں سری نگر سے مجبوراً ہجرت کر کے جموں آنا پڑا تھا کیونکہ مسلم اکثریتی علاقے میں رہائش ان کیلئے مستقبل میں خطرات پیدا کر سکتی تھی۔
کیپٹن ناگرہ کبھی کبھی سوچتا تھا کہ اس کے والدین نے بھلے وقت میں جموں کو اپنا مستقر بنانے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ گزشتہ چھ ماہ میں ان کے درجنوں رشتہ دار سری نگر سے مہاجر ہو کر جموں اور دہلی میں ڈیرے لگا چکے تھے۔ انہوں نے کشمیری مجاہدین کے مظالم کی ایسی ایسی خود ساختہ کہانیاں اختراع کی تھیں جنہوں نے کیپٹن ناگرہ کے دل میں ان کیخلاف پہلے سے موجود انتقام کی آگ کو دو چند کر دیا تھا۔

اپنے کالج کے زمانے ہی سے اس کا آنا جانا سری نگر لگا رہتا تھا۔

اس کی ایک وجہ تو کالج کے مختلف تفریحی ٹرپ تھے اور دوسری اہم وجہ اس کے رشتہ داروں کی سری نگر میں موجودگی تھی جو اب ایک ایک کر کے اپنے گھر بار چھوڑ کر یہاں آگئے تھے..........

کیپٹن ناگرہ نے مجاہدین کی اس لڑائی کو اپنی ذاتی جنگ میں تبدیل کر لیا تھا اور وہ بہر صورت اس ''شورش'' کا خاتمہ چاہتا تھا تاکہ دوبارہ سری نگر سمیت سارے کشمیر پر بھارتی حکومت کا مکمل کنٹرول قائم ہو اور سری نگر میں اس ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کریں جیسے ان کے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے۔

ملٹری انٹیلی جنس سے اس کی تبدیلی جب سے ''را'' کے اس خصوصی ونگ میں ہوئی تھی اس نے تب سے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اب اسے اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے اور اپنی کارکردگی کو چار چاند لگانے کا موقعہ ملے گا۔

کرنل ناگرہ نے اسے بڑی اہم ذمہ داری سونپی تھی۔

اسے مجاہدین کے کسی بھی با اثر گروپ تک رسائی حاصل کر کے ان کے ''ذخائر'' کا پتہ لگانا تھا جس کے بارے میں کرنل ناگرہ کا شیطانی ذہن ایک بڑے منصوبے کا آغاز کرنے والا تھا..........

اور.......... پندرہ روز کی محنت شاقہ کے بعد اس نے یہ مہم سر کر لی تھی۔ اس نے بانڈی پورہ میں مخبروں کا جال بن کر مقامی با اثر تنظیم ''العمر'' کے اس ''ہائیڈ آؤٹ'' تک رسائی حاصل کر لی تھی جہاں دو روز بعد ''بیس کیمپ'' سے تازہ گولہ بارود کی کھیپ پہنچنے والی تھی۔

یہ اطلاع صدفی صد درست تھی اور کرنل گوپال کرشنا کو ایمرجنسی میسج بھیجنے کے بعد اب وہ اس کے اگلے احکامات کا منتظر تھا۔

☆☆☆

ہیلی کاپٹر کی ہنگامی پرواز کے ذریعے کرنل گوپال کرشنا اور میجر رائے اس کے پاس دوپہر کے کھانے پر پہنچ گئے تھے۔

''ہمیں آج ہی اپنے مشن کا آغاز کرنا ہے..........''

کرنل گوپال نے دونوں کو بریفنگ دینے کے بعد کہا۔

''ٹھیک ہے سر! آج ہی ہوگا اور آپ کی منشاء کے عین مطابق..........''

کیپٹن ناگرہ نے اسے یقین دہانی کے لہجے میں کہا۔

''شاباش.......... ناگرہ مائی بوائے.......... مجھے لگتا ہے تم بخشی کی کمی ضرور پوری کرو گے..........''

گوپال کرشنا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سر..........''

ناگرہ نے دونوں پاؤں جوڑ کر اپنا بازو جھٹکے سے بلند کیا اور اسے سیلوٹ کر کے باہر آگیا جہاں اس کا نائب صوبیدار اس اطلاع کے ساتھ موجود تھا کہ ''سیف ہاؤس'' پر اس کا مخبر رشید ایک اہم اطلاع کے ساتھ حاضر ہے۔

ناگرہ اپنی جیپ پر سیف ہاؤس کی طرف چلا گیا۔ اس کے اگلے پلان کی کامیابی کا بہت سارا دارومدار مخبر رشید کی اس اطلاع پر بھی تھا جس کیلئے اس نے بطور خاص اس کی ڈیوٹی لگائی تھی۔

''سیف ہاؤس'' بانڈی پورہ کے شہری علاقے سے ملحقہ مضافاتی علاقے میں ایک تجارتی فرم کے دفتر کی آڑ میں قائم تھا جہاں سے بظاہر پھلوں کی تجارت کی جا رہی تھی۔ اس دفتر کا سارا عملہ ''را'' پر مشتمل تھا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

یہ ''راء'' کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک ان کا یہ ٹھکانہ مجاہدین کی نظروں سے اوجھل تھا۔ یہ سب کشمیری نژاد ہندو تھے۔

لیکن............ یہاں وہ مسلمانوں کی حیثیت سے قیام پذیر تھے۔

انہوں نے باغات کا ٹھیکہ لے کران سے پھل حاصل کر کے ایکسپورٹ کرنے والی کمپنی کے ملازمین کا روپ دھار رکھا تھا اور یہ ساری کارروائی اتنے حقیقی انداز میں کی گئی تھی کہ اس پر جھوٹ کا گمان نہیں گزرتا تھا۔

جس جیپ میں کیپٹن ناگرہ یہاں پہنچا تھا ایسی جیپیں مقامی کاشتکار اور باغبان عام استعمال کیا کرتے تھے اور اس نے لباس بھی مقامی لوگوں جیسا ہی پہن رکھا تھا یوں بھی ہوشیار انٹیلی جنس آفیسر کی حیثیت سے اس پر فوجی ہونے کا شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

رشید کو اس کے ساتھیوں نے بڑی حفاظت سے رکھا ہوا تھا وہ تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں پہنچا تھا۔ لیکن کیا مجال جو کسی کو کانوں کان بھی خبر ہونے پائی ہو۔

کیپٹن ناگرہ نے اپنا سیٹ اپ بڑی ہوشیاری سے تربیت دیا تھا جس میں اس امر کو بطور خاص ملحوظ خاطر رکھا گیا تھا کہ کسی بھی مرحلے پر اس کے ساتھیوں میں کسی کی شخصیت بھی مشکوک نہ ہونے پائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ''سورس'' سے ہمیشہ براہ راست رابطہ رکھتا تھا۔ اس نے آج تک اپنا کام کسی اور کو نہیں سونپا تھا۔

رشید ایک الگ اور آرام دہ کمرے میں بیٹھا تھا جہاں اس کی ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ اس نے اپنے جسم کو گرم رکھنے کیلئے یہاں آتے ہی وہسکی کا ایک پیگ چڑھالیا تھا۔

ایسے ہی لوازمات کیلئے اس نے یہ لعنتی راستہ اختیار کیا تھا۔

کیپٹن ناگرہ نے اس کیلئے شراب و شباب کا مکمل اہتمام کر رکھا تھا اور اسے کبھی ان دونوں کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

''ہاں بھئی رشید کیا حال ہے؟ کیا خبر ہے؟''

ناگرہ نے بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''صاحب! آپ نے اگر رشید سے دوستی کی ہے تو آپ کو علم ہونا چاہیے کہ ہم بھی یاروں کے یار ہیں............''

اس نے جھومتے ہوئے کہا۔ وہسکی اس کے دماغ کو چڑھنے لگی تھی۔

گلدستہ اولیاء

اللہ کے برگزیدہ بندوں کے حالات وواقعات پر مشتمل ایک گرانقدر تصنیف جو اسلم لودھی کی عالمانہ عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ اس کتاب میں، حضرت رابعہ بصریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ، حضرت شاہ قبول اولیاؒ، حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ، حضرت سلطان باہوؒ، حضرت حافظ محمد عبدالکریمؒ (موہری شریف)، حضرت خواجہ صوفی نواب الدین (موہری شریف)، حضرت الحاج محمد معصومؒ (موہری شریف)، حضرت شاہ کمالؒ بخاری، حضرت مخدوم حسام الدین ملتانی، حضرت حافظ محمد اسحاقؒ قادری نقشبندی، حضرت سید سلطان احمد سخی سرور، عاشق رسول حضرت صوفی بندے حسن خان، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد الیاس قادری کے حالات زندگی رقم ہیں۔ گلدستہ اولیاء کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **تحقیق و تالیف** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

''یار ہم بھی کسی معمولی ایرے غیرے سے دوستی کے قائل نہیں۔ یہاں تو ہر دوسرا کشمیری کام کرنے کیلئے تیار ہے۔ تمہارا انتخاب کچھ دیکھ کر ہی کیا ہے ناں............''

ناگرہ نے اس کو ہلا شیری دی۔

''صاحب! آج رات وہ اپنے گھر میں گزارے گا............''

رشید نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''پکی بات ہے ناں............''

کیپٹن ناگرہ نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر تصدیق چاہی۔

''ایک دم پکی بات ہے صاحب............سولہ آنے پکی............''

رشید نے بڑے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''اگر یہ خبر صحیح نکلی تو تمہیں معمول سے دوگنا انعام ملے گا رشید............''

کیپٹن ناگرہ نے اس کے ہاتھ بے قراری سے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے کہا۔

''سر! میں خود اس کی بیوی کو لے کر آیا ہوں۔ اس کا ماموں میرا دوست ہے اور ہم دونوں اسے کپواڑہ سے لے کر آئے ہیں۔ میں چونکہ مجاہدین کیلئے کام کرتا رہتا ہوں۔ یہ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ مجھے گنائی کے ماموں نے بتایا تھا آج وہ اپنے گھر میں رات گزارے گا۔ اس لئے وہ اس کی بیوی کو لینے جا رہا ہے......سر! گنائی قریباً چھ ماہ کے بعد اپنے گھر آیا ہے۔ اور اس کی بیوی کو بھی اس کے والدین نے کسی رشتہ دار کے گھر میں چھپایا ہوا تھا۔ آج دونوں میاں بیوی اکٹھے ہوں............''

رشید نے اسے تمام تفصیلات ایک ایک کرکے بتانی شروع کیں۔

''ویل ڈن............''

ناگرہ نے اپنی بے قابو دھڑکنوں کو بمشکل سمیٹا۔ حزب کا مقامی کمانڈر گنائی آج رات اپنے گھر گزارنے جا رہا تھا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ ان کے اگلے منصوبے کی کامیابی ابھی سے سو فی صد یقینی ہو گئی تھی۔

''تم آج سری نگر نکل جاؤ......موج میلہ کرکے پانچ چھ روز بعد آنا............''

ناگرہ نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ رشید تھوڑی دیر بعد چلا گیا............

اس کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہ ہو سکی کہ ''سیف ہاؤس'' سے بانڈی پورہ تک ''را'' نے اس پر کڑی نظر رکھی تھی۔ کیپٹن ناگرہ اپنے آپریشن کا آغاز کرنے سے پہلے اس بات کی گارنٹی چاہتا تھا کہ رشید مجاہدین کی ''کاؤنٹر انٹیلی جنس'' کی نظروں میں تو نہیں آچکا............اکثر ایسا ہوا تھا کہ مجاہدین اپنے کسی ساتھی کو خود ہی ''را'' کے جال میں پھنسا کر اسے ''ڈبل کراس'' کر لیا کرتے تھے اور بھارتی فوج کو اس طرح کی متعدد کارروائیوں میں زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا تھا۔

''ماڈر گاؤں'' میں بی ایس ایف کے ہیڈ کوارٹر پر مجاہدین نے جو قیامت ڈھائی تھی اس میں بنیادی کردار بھارتی انٹیلی جنس کے ایک ''ڈبل کراس'' مخبر نے ہی ادا کیا تھا۔ ناگرہ اس مرحلے پر بڑا محتاط تھا۔ اسے آپریشن کی کامیابی سے زیادہ اپنی پرسٹیج کی فکر دامن گیر تھی۔ وہ کسی بھی مرحلے پر کرنل گوپال کرشنا پر اپنی کوئی کمزوری ظاہر ہونے سے خوفزدہ تھا۔

اسے علم اور احساس تھا کہ اگر نے کرنل گوپال کرشنا کا اعتماد حاصل کر لیا تو ساری زندگی عیش کرتا رہے گا۔

کرنل گوپال کرشنا تھا تو عہدے کا کرنل......لیکن اس کے اختیارات بھارتی فوج کے کسی جرنیل سے بھی زیادہ زیادہ تھے۔ اس کے پاس

لاکھوں روپے کا بجٹ موجود تھا۔

اپنے ماتحتوں پر وہ ''را'' کے خفیہ فنڈز کے دروازے کھول دیا کرتا تھا۔

اور............

کیپٹن ناگرہ نے یہ سوچ کر ایک منصوبے کے تحت ہی اس کا قرب حاصل کیا تھا کہ یہاں ''فنڈز'' کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اسے مکمل یقین تھا کہ اگر کرنل گوپال کرشنا کے ساتھ اس نے ایک سال بھی گزار لیا تو بھارت کے تین چار بڑے بڑے شہروں میں وہ اپنے لئے ایک ایک بنگلہ ضرور خرید سکتا تھا۔

اور............یہی اس کا خواب تھا جس کی تکمیل کیلئے وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھا۔ دولت اس کی بہت بڑی کمزوری تھی اس نے فوج ضرور جوائن کی تھی جہاں دولت مند بننے کے چانسز نہیں تھے۔

لیکن............وہ اپنی اسی نوکری سے دولت مند بننا چاہتا تھا اور بڑی کامیابی سے اس منصوبے پر عمل پیرا تھا۔ اس نے دن رات محنت کر کے اپنی ساکھ قائم کی تھی تاکہ ''خفیہ فنڈز'' کے استعمال پر مکمل اختیار مل جائے۔

جو آپریشن وہ کرنے جا رہا تھا۔ اگر اس میں نتائج اس کی توقع کے مطابق برآمد ہوتے تو کچھ عجب نہیں تھا کہ وہ کم از کم دلی میں اپنا ایک اپارٹمنٹ تو ضرور خرید لیتا............

اس نے رشید کے ذریعے دو اہم ترین معلومات حاصل کر لی تھیں۔ دوسری اطلاع کو تو وہ قدرت کی طرف سے اپنے لئے خصوصی انعام سمجھ رہا تھا۔

حزب کے مقامی کمانڈر گنائی جس کی گرفتاری پر حکومت نے تین لاکھ روپے کا انعام کا اعلان کر رکھا تھا اس کے قابو آنے والا تھا لیکن............اسے صرف تین لاکھ پر اکتفا نہیں کرنا تھا۔ اسے ان تین لاکھ کو تیس لاکھ میں تبدیل کرنا تھا جس کیلئے اس کے شیطانی ذہن نے ایک کامیاب منصوبہ بندی کی تھی۔

وہ حزب کے مقامی کمانڈر گنائی کو اس طرح مارنا چاہتا تھا کہ اس قتل کا الزام ''العمر'' پر آئے۔ جس کے بعد وہ ''العمر'' کے لئے آنے والی گولہ بارود کی کھیپ پر اس طرح حملہ آور ہونا چاہتا تھا کہ اس کیلئے ''حزب'' ذمہ دار قرار پائے۔

اگر وہ اپنے شیطانی منصوبے میں کامیاب ہو جاتا تو بانڈی پورہ میں دو مضبوط مجاہد تنظیموں کے درمیان نفرت کی مستقل بنیاد بندھ جاتی جس کے بعد اس پر کامیابی کی راہیں کھل جاتیں۔ انعامات کی بارش برسنے لگتی اور وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جاتا۔

وہ اپنی پہلی ہی ''حیران کن'' کے ذریعے اپنے افسر اعلیٰ کرنل گوپال کرشنا کو چونکا دینا چاہتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ نہ صرف گوپال کرشنا اسے بخشی کا جانشین سمجھنے لگے بلکہ وہ اپنے دست راست میجر رائے عرف میر صاحب کی جگہ بھی اس کو دیدے جس کے بعد وہ اپنی مرضی سے ''را'' کے کروڑوں روپے کے فنڈز استعمال کر سکتا تھا۔

اپنی متوقع کامیابی کے نشے سے سرشار وہ تھوڑی دیر کے بعد کرنل گوپال کرشنا کے سامنے بیٹھا اسے اپنی ''تازہ اطلاع'' کا سرپرائز دے رہا تھا۔

اس نے کرنل گوپال کرشنا کو جب اپنے اگلے منصوبے سے آگاہ کیا تو کرنل گوپال کرشنا عش عش کر اٹھا۔

''دم ہے لڑکے میں............دم ہے............''

اس نے میجر رائے کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی جو اردلی کی طرح ان دونوں کیلئے پیگ تیار کر رہا تھا۔

چودھواں باب

حزب کا مقامی کمانڈر گنائی قریباً چھ ماہ کے بعد گھر واپس لوٹا تھا۔

مقامی مجاہدین نے اس بات کا مکمل اہتمام کر رکھا تھا کہ اس کی آمد کی خبر کسی کو نہ ہونے پائے آخری لحات تک گنائی کے والدین کو بھی لاعلم رکھا گیا تھا اور انہیں بھی کسی دوسرے محلے میں جہاں گنائی کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا اس کے ساتھی شام ڈھلے لے کر گئے تھے۔

گنائی کی مجاہدہ بیوی بھی جس نے نزدیکی گاؤں میں پناہ لے رکھی تھی ایک عرصے کے بعد اپنے خاوند سے ملنے جا رہی تھی۔ مقامی آبادی میں گنائی کی بیوی کلثوم بہن کو ایک مجاہدہ کی حیثیت سے شہرت حاصل تھی وہ بھارتی بربریت کے خلاف ہزاروں کی تعداد میں مشتمل خواتین کے متعدد جلوسوں کی قیادت کر چکی تھی۔ متعدد مرتبہ پولیس نے اسے تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ آخری جلوس میں تو کلثوم بہن کا سر ایک زوردار لاٹھی کی ضرب سے پھٹ گیا تھا۔

لیکن............اس کی خوش قسمتی تھی یا پھر اس کی مجاہد بہنوں کا جذبہ ایثار و قربانی کہ انہوں نے کبھی بھارتی فوج یا پولیس کو اتنا موقعہ نہیں دیا کہ وہ کلثوم بہن کو گرفتار کر سکیں۔ ہمیشہ کلثوم کے گرد اس کی مجاہد بہنیں ایک دیوار کی صورت کھڑی ہو جاتیں اور اسے بچا کر لے جاتی تھیں۔

سر پر گہری چوٹ نے کلثوم بہن کو نڈھال ضرور کر دیا تھا۔

لیکن............اس کا جذبہ ایمان سرد نہیں ہوا تھا۔

اب بھی وہ اپنی تحریروں کے ذریعے مقامی آبادی کو ہندو سامراج کیخلاف سرگرم عمل رکھتی تھی اور یہ سلسلہ کامیابی سے جاری تھا۔ اس کے خاوند نے دم رخصت اسے کہہ دیا تھا کہ اب شاید اس دنیا میں ملاقات ممکن نہ رہے۔ انہوں نے تو ایک دوسرے سے گناہ بھی معاف کروا لئے تھے۔ دونوں ہی جانتے تھے کہ جس راستے پر وہ چل پڑے ہیں اس کا انجام شہادت کے سوا کچھ نہیں۔

دونوں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھے۔

دنیا کی سیاست پر ان کی گہری نظر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں مومنانہ بصیرت سے نوازا تھے۔

انہیں اس تلخ حقیقت کا ادراک تھا کہ آزادی کی منزل ابھی دور ہے ان کی قربانیوں میں کوئی کمی نہیں رہی تھی۔ ان کے جذبے صادق تھے۔ ان کا عمل اخلاص والا تھا۔

لیکن............عالم اسلام کی اجتماعی بدبختی نے یہاں بھی ڈیرے جمار کھے تھے کہ ان قربانیوں اور شہادتوں کو منافق سیاسی لیڈر شپ اپنے مقاصد کیلئے کیش کروا رہی تھی۔

یہی وہ لوگ تھے جو ان کے اور آزادی کے درمیان حائل تھے وہ جانتے تھے کہ جب کبھی اس قوم نے برہمن کی غلامی سے نجات حاصل کی سب سے پہلے ان کی کمبختی آجائے گی یہی سبب تھا کہ وہ اپنی بقا کی جنگ لڑنے پر متحد ہو گئے تھے۔

وہ جانتے تھے کہ ان کی منافقانہ لیڈر شپ کی بقا صرف اور صرف کشمیر کی غلامی میں ہے۔ اگر کشمیر آزاد ہو گیا تو ان کو حاصل تمام عیاشیاں ختم

Captured by Qamar Abbas

ہو جائیں گے۔

وہ بظاہر مجاہدین کی مخالفت بھی نہیں کرتے تھے اور اندرون خانہ ولی سرکار سے اپنے مضبوط تعلقات میں معمولی سی دراڑ بھی نہیں آنے دیتے تھے۔

لیکن .... ان حقائق کا ادراک رکھنے کے باوجود دونوں میاں بیوی اپنے مشن سے مخلص تھے۔ وہ آزادی کی اس جنگ میں اپنی حیثیت میں مکمل مجاہدین کے ساتھ شامل تھے۔ انہیں اس بات کا یقین ضرور تھا اگر آزادی کی لذت سے انہیں آشنائی نہ مل سکی تو بھی ان کی آنے والی نسلیں غلام نہیں رہیں گے۔

☆☆☆

آج جب کلثوم بہن کو پیغام ملا کہ اس کا خاوند اس سے ملاقات کر رہا ہے تو اس نے سب سے پہلے اس اطلاع پر اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ شکر گزارا اور نوافل شکرانہ ادا کیے تھے۔ گنائی کا ماموں اپنے ایک دوست ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ اس کو خفیہ ٹھکانے سے لینے آیا تھا اور انہوں نے کلثوم بہن کو باانڈی پورہ کے ایک محفوظ علاقے میں پہنچا دیا۔ مجاہدین نے اسی مکان میں دونوں میاں بیوی اور گنائی کے والدین کی ملاقات کا بندوبست کیا تھا۔

نظم کا پابند ہونے کے ناطے کلثوم بہن نے اپنے خاوند سے متعلق کوئی سوال نہیں کیا تھا نہ تو اس کے آنے اور ملاقات کا وقت دریافت کیا تھا نہ ہی یہ پوچھا تھا کہ یہ اس وقت کہاں ہیں؟

مغرب کی نماز سے فراغت پر اچانک ہی اسے اپنی پشت سے ''السلام علیکم'' کی مانوس آواز سنائی دی۔

''وعلیکم السلام''

کہتے ہوئے اس نے گردن گھمائی۔

اس کی نظروں کے سامنے اس کے سرتاج کھڑے تھے............

☆☆☆

میدان جہاد کی ریاضتوں اور کلفتوں کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا تھے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اس کی داڑھی خاصی بڑھی ہوئی تھی۔ سر کے بال بھی بڑھے ہوئے تھے اور آنکھوں کی چمک دوچند ہو گئی تھی۔

سامنے کمرے میں موجود گنائی کی بوڑھی والدہ باہر آ گئیں انہوں نے بیٹے کو سینے سے چمٹا لیا اور بے اختیار اس کے بوسے لینے لگیں۔

احساس تشکر تھا یا پھر ایک مدت کی جدائی کے بعد وصال کا احساس جس نے کلثوم بہن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگا دی تھیں۔

لیکن...... یہ گھڑیاں رو کر گنوانے والی نہیں تھیں۔

وصال کے ان لمحات کا ایک ایک پل غنیمت تھا۔

اس ایک ایک پل کیلئے وہ اللہ کی ہزار ہزار مرتبہ شکر گزار تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کیلئے اٹھائے اپنے خاوند اور مجاہدین کی سلامتی اور کشمیری کی غلامی کی سیاہ رات کے خاتمے کی دعا مانگی اور بڑے پر اعتماد قدموں سے چلتی اپنے خاوند کے پاس آ گئی جس کی ماں اس کی بلائیں لیتی نہیں تھکتی تھی۔

گنائی نے رسماً ہی اپنی شریک حیات کی خیریت دریافت کی تھی ورنہ تو وہ جانتا تھا کہ بظاہر یہاں عافیت کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

تینوں وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے پھر اس کی والدہ کھانا تیار کرنے کے بہانے باہر آ گئی تاکہ اپنی بہو کو جی بھر کر اپنے شریک حیات سے باتیں کرنے کا موقع تو دیدیں۔

تھوڑی دیر بعد گنائی کا بوڑھا باپ وہاں پہنچ گیا۔ چاروں رات گئے تک باتیں کرتے رہے۔ جس کے بعد وہ آرام کرنے کیلئے پہلے سے مخصوص کردہ جگہوں پر چلے گئے۔ اس گھر میں گنائی کے والدین نے قیام کرنا تھا ان کے والدین کو مجاہدین صرف مخصوص اوقات میں ہی اپنے بیٹے سے ملاقات کیلئے لانے کا منصوبہ بنا رہے تھے کیونکہ انہیں علم تھا کہ گنائی کے والدین پر بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظر لگی ہے اور ان کے اچانک دو چار روز کیلئے غائب ہو جانے سے اس علاقے میں انٹیلی جنس ایجنسیاں قیامت برپا کر دینگی۔

مجاہدین جس طرح محفوظ راستے سے اس کے والدین کو لائے تھے اسی طرح انہوں نے دونوں کو واپس گھر پہنچا دیا۔

کلثوم کو ایک پل قرار نہیں تھا۔

اتنے عرصے کے بعد خاوند سے ملاقات پر اس کا رواں رواں اللہ تعالیٰ کا سپاس گزار تھا..........

لیکن..........کوئی ان دیکھی طاقت اس کے کانوں میں بار بار ایک ہی سرگوشی کر رہی تھی کہ اس کے خاوند کی زندگی محفوظ نہیں ہے۔

دونوں رات گئے تک باتیں کرتے رہے پھر سونے کیلئے چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ لیکن..........کلثوم کی آنکھوں سے نیند غائب تھی۔

وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی..........پھر کچھ سوچ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا خاوند آنے والی قیامت سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا۔

کلثوم نے اپنے خاوند کو نیند سے جگانا مناسب نہ سمجھا اور دبے پاؤں دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے اپنے دل کی تسکین اور انجانے خوف کے تحت نوافل پڑھنے کا فیصلہ کیا اور اس ارادے سے اب وضو کرنے کیلئے جا رہی تھی۔ وضو کرنے کے بعد اس نے جائے نماز بچھائی اور نوافل ادا کرنے لگی۔

ابھی اس نے پہلی رکعت ہی مکمل کی تھی جب اسے دوسرے کمرے سے فائرنگ کی آواز سنائی دی..........

یہ کیپٹن ناگرہ کی گن سے نکلنے والی گولیاں تھیں..........

اس کے ساتھ دو بلیک کیٹس کمانڈوز بھی تھے۔ ان تینوں موذیوں نے ایک مقامی آستین کے سانپ کے ذریعے یہاں تک رسائی حاصل کی تھی۔

☆☆☆

مجاہدین کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ اس مکان کے پچھواڑے ملحقہ مکان کا رہائشی نصیب علی جو بظاہر ان کا بڑا سرگرم حمایتی تھا در اصل ''را'' کا زرخرید کتا تھا جس نے سر شام ہی سارے محلے کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تینوں بھارتیوں کو اپنے گھر میں چھپا لیا تھا اور اس کے گھر کی دیوار پھلانگ کر ہی وہ تینوں گنائی تک پہنچے تھے۔ انہوں نے اس بات کی تصدیق کر لی تھی کہ مکان کی شمالی سمت مجاہدین نے خالی چھوڑی ہوئی ہے کیونکہ اس طرف نصیب علی کا گھر تھا اور نصیب علی کے ہوتے ہوئے انہیں اس طرف سے کسی حملے کی فکر نہیں تھی۔

کیپٹن ناگرہ اور اس کے دونوں ساتھیوں نے جان بوجھ کر کلاشنکوف گنیں استعمال کی تھیں اور جو گولیوں کے خول یہاں گرے تھے انہیں دیکھنے کے بعد ہر کوئی یہی کہتا کہ یہ ''اپنوں کی کارستانی'' ہے۔

کیپٹن ناگرہ نے اسی پر بس نہیں کیا۔

کلثوم بہن دیوانہ وار اپنے مجاہد خاوند کے کمرے کی طرف لپکی تو سیاہ نقاب اور مجاہدین جیسا لباس پہنے اس نے تین حملہ آور دیکھے جن میں سے ایک نے مزید شاندار اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کمرے سے بھاگنے میں گھبراہٹ کی اداکاری کی اور اپنی ٹانگ کمرے کے پردے میں لپٹا

کر بظاہر منہ کے بل گرنے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی گن اس طرح وہاں پھینکی جیسے افراتفری میں بھاگتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گن گر پڑی ہو۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے ہمراہیوں میں سے ایک کو "خالد" کہہ کر مدد کیلئے پکارا..........!

کلثوم کی آنکھوں نے آخری منظر یہی دیکھا کہ تینوں افراتفری میں وہاں سے بھاگ رہے تھے اور ایک بھاگنے والے نے اپنے ساتھی کو "خالد" کہہ کر پکارا تھا۔

وہ تڑپ کر اپنے خاوند کی طرف لپکی جس کے ہونٹوں پر قرآنی آیات کا ورد اور چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ کلثوم نے دیوانہ وار اسے جھنجھوڑا لیکن اس کے شہید خاوند کی مسکراہٹ ابدی ہو چکی تھی۔

کلثوم نے غم اور غصے کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ بندوق اٹھائی اور چاہا کہ بھاگنے والوں پر فائر کرے وہ کھڑکی تک پہنچی۔

اس نے بھاگنے والوں کے ہیولے شمال کی سمت دیکھے اور ان پر گولیاں بھی چلائیں۔

لیکن......اب وہ اس کی رینج سے باہر نکل چکے تھے۔

گولیوں کی آواز نے سارے محلے کو جگا دیا۔ شہید کے گھر پر مقامی آبادی کا تانتا بندھ گیا۔ اور یہ "العمر" کے لوگ تھے۔

نصیب علی نے زہر فشانی کی اور کلثوم بہن کو فوراً بھاگنے والے آخری شخص کی بات یاد آ گئی۔

غم سے نڈھال وہ اپنے خاوند کی چارپائی سے لگی بیٹھی تھی جس کے کونے سے ابھی تک شہید کا خون رِس رہا تھا۔

گنائی کے مجاہد ساتھیوں میں سے ایک نے لپک کر وہ گن اٹھا لی جو حملہ آور "افراتفری" میں فرار ہوتے ہوئے پھینک گئے تھے اور جس سے کلثوم بہن نے گولیاں بھی چلائی تھیں۔ گن کے ایک کونے پر "العمر" کندہ تھا۔

مجاہدین عموماً اپنی گنوں پر اپنے نظم کا نام لکھ لیا کرتے تھے۔

نصیب علی کی زبان سے نکلا زہر دوسرے ہی لمحے اس مجاہد کے ذہن کو ڈس گیا۔ اس نے نصیب علی کی بات صاد کر دیا جس کے ساتھ ہی وہاں بحث مباحثہ شروع ہو گیا۔ زیادہ لوگ اسے دشمن کی دھوکے کی چال اور کچھ لوگ "العمر" کی کارستانی قرار دے رہے تھے......!!

سارے شہر میں گنائی کی شہادت کی خبر رات کے پہلے پہر ہی جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ بانڈی پورہ کے سارے مکین اپنے عظیم کمانڈر عقیدت پیش کرنے صبح ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔

کیپٹن ناگرہ نے اپنی سکیم میں کوئی سقم نہیں رہنے دیا تھا۔ صبح کے اخبارات کی چیختی چلاتی سرخیاں گنائی کی شہادت کا المیہ بیان کر رہی تھی۔ قریباً تمام اخبارات نے اس کی شہادت کا ذمہ دار "العمر" کو گردانا تھا۔ کسی نے کھل کر اور کسی نے بین السطور میں یہ بات لکھی تھی۔

صبح جب گنائی کا جنازہ اٹھا تو غم و غصے سے بھرے سوگواروں نے جنازے کے راستے میں آنے والے مقامی "العمر" کے کمانڈر خالد کے گھر پر حملہ کر دیا گو کہ علاقے کے بڑے بوڑھے نوجوانوں کو چیخ چیخ کر سمجھاتے رہے کہ یہ "سازش" ہے۔

لیکن............وہ سازش ہی کیا جس کا انجام تباہی نہ ہو۔

کیپٹن ناگرہ نے اپنی تمام صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا تھا۔ جنازے کے جلوس میں موجود "را" کے تنخواہ دار ٹاؤٹ لوگوں میں غلط فہمیاں پھیلانے میں مصروف تھے۔ وہ ہر شخص کو گمراہ کرنے پر تلے ہوئے تھے اور جنازے کے اس ہجوم میں گھوم پھر کر اپنی مذموم سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

☆☆☆

Captured by Qamar Abbas

''العمر'' کے مجاہدین کا خفیہ اجلاس کمانڈر خالد کی قیادت میں جاری تھا۔ وہ لوگ بڑی پریشانی کے عالم میں اس فکر میں غلطاں تھے کہ اس گھناؤنی سازش کے پس پردہ محرکات کیا ہیں۔ یہ بات ان سے زیادہ کون جان سکتا تھا کہ ''را'' نے کچھ عرصے سے مجاہدین کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے انہیں آپس میں ٹکرانے کی سازش تیار کی تھی اور اس میں اسے کچھ کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ کیونکہ مقبوضہ کشمیر ہی میں مجاہدین کے لبادے میں ملبوس منافقین کا گروہ جو حکومتی بندر بانٹ میں اپنے لئے بہت سی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھا بھی ایک طرح ''راء'' کا ہراول دستہ ثابت ہو رہا تھا۔ یہ لوگ یہی چاہتے تھے کہ مجاہدین کی تحریک اتنی زیادہ مضبوط نہ ہو جائے کہ پھر وہ براہ راست بھارتی حکومت کے ساتھ میز پر بیٹھ کر مذاکرات کرنے کی پوزیشن میں آجائیں۔

وہ چاہتے تھے کہ ''سوداکاری ایجنٹ'' کے فرائض ہمیشہ وہی انجام دیں تاکہ ان کی سیاسی اہمیت بھی مسلم رہے اور وہ جب چاہیں حکومت کو بلیک میل کر کے اپنا منہ بھی کالا کرتے رہیں۔ جہاں ایک طرف کشمیر کے لاکھوں عوام آزادی کی اس جنگ سے اپنے مستقبل کی امیدیں وابستہ کئے بیٹھے تھے وہاں دوسری طرف چند ہزار بدبختوں کا یہ ٹولہ اپنی تمام تر منافقانہ توانائیاں اس بات پر صرف کر رہا تھا کہ مجاہدین کو ان کے مقصد میں تو کامیابی نہ ہو لیکن وہ حکومت کیلئے ضرور درد سر بنے رہیں۔

وہ محدود جنگ آزادی کے قائل تھے۔

اس طرح انہیں دوہرے فوائد حاصل ہو رہے تھے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ سیاسی میدان بھی مجاہدین کے ہاتھوں میں دے دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایک سازش کے تحت مجاہدین کو صرف توپ و تفنگ تک ہی محدود کر دیا تھا اور اپنی خودساختہ تنظیموں کے منہ پر مجاہدین والے نعروں کے لیبل چسپاں کر کے مکمل منافقت اور ریاکاری کے ساتھ اپنے دھندے میں مصروف تھے۔

''را'' نے اس گروہ منافقین کا خوب استعمال کیا۔

انہیں سنہرے مستقبل کے سپنے دکھا کر عہدوں اور پیسوں کا لالچ دیکر انہیں اپنے کام لگا دیا تھا اور یہ عقل کے اندھے جو بظاہر خود کو گانٹھ کے پورے سمجھتے تھے محض وقتی مفادات کیلئے ہزاروں شہیدوں کے خون کو رائیگاں کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

کمانڈر خالد کی پریشانی دیدنی تھی۔

اسے اپنے گھر کی تباہی کا افسوس نہیں تھا اسے تو رہ رہ کر ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی کہ ''را'' نے اب مجاہدین کے مضبوط ترین مرکز بانڈی پورہ کو اپنی مذموم سرگرمیاں کا امرکز بنالیا ہے اور انہیں یہاں کامیابی حاصل ہو گئی۔

اس سے پہلے ''راء'' نے اپنا یہ کھیل سری نگر میں بھی کامیابی سے کھیلا تھا۔ جہاں مجاہدین مختلف گروپوں میں اپنے لوگ داخل کر کے اور ان میں غلط فہمیاں جنم دے کر انہیں ایک دوسرے سے ٹکرا چکے تھے۔

کیا اب بانڈی پورہ میں تھا؟............

اس سے آگے خالد کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔

اس خیال نے اسے لرزہ کر رکھ دیا تھا۔

''میرے خیال سے فوری طور پر ہم بزرگوں کی ایک پنچایت بنا کر اس معاملے کو ختم کروائیں۔ کیونکہ اس کا ابھی آغاز ہوا ہے اگر ہم نے اس مرحلے پر اس سازش کو ناکام نہ بنایا تو پھر خدا ہی ہمارا حافظ ہوگا............''

خالد نے اپنی بات کے خاتمے پر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''ہم حزب کے کمانڈر سے رابطہ کر رہے ہیں۔ زیادہ ضروری یہ بات ہے کہ انہیں اعتماد میں لے کر دشمن کی چال سے آگاہ کیا جائے......''

دوسرے ساتھی نے مشورہ دیا۔

Captured by Qamar Abbas

''کمانڈر مختار میرے رابطے میں ہے کیوں نہ ہم اس سے ملاقات کر لیں............''

تیسرے ساتھی نے کہا۔

''یہی مناسب رہے گا۔آج رات ہی انہیں اپنے ہائیڈ آؤٹ پر بلا لو یا پھر میں وہاں جاتا ہوں...........''

''جیسا بھی آپ لوگ فیصلہ کریں..........''

کمانڈر خالد نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

تھوڑی دیر تک آپس میں مشاورت کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو اسی مشن پر روانہ کیا تھا کہ وہ مختار سے رابطہ قائم کرے۔

شام کے بعد ان کا رابطہ مختار سے ہو گیا جو خود بھی اس صورتحال سے بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ لوگ ایک خفیہ جگہ مشاورت کیلئے اکٹھے ہو رہے تھے۔دونوں تنظیموں کے مجاہدین نے مشترکہ حفاظتی بندوبست کئے تھے اور کمانڈر مختار نے خصوصی مشاورت کیلئے جہانگیر اور حسین خان کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔

رات کے پہلے پہر مقامی مجاہد کمانڈر اس افسوسناک صورتحال پر غور کر کے اس سازش کو ناکام بنانے کیلئے کوشاں تھے۔ایک بات ان سب کیلئے متفقہ طور پر طے شدہ تھی کہ کمانڈر گنائی کو ''را'' نے شہید کیا ہے اور اب اس شہادت کی آڑ میں اپنے گھناؤنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے۔

''العمر'' کے کمانڈر خالد نے محسوس کیا کہ باقی تمام مجاہد گفتگو میں حصہ لے رہے تھے لیکن.......... جہانگیر ابھی تک خاموش تھا۔

''آپ خاموش کیوں ہیں۔کچھ کہئے ناں..........''

بالآخر کمانڈر خالد نے کہہ ہی دیا۔ اس نے گو کہ آج پہلی مرتبہ جہانگیر کو دیکھا لیکن ''ویٹ لیب'' اور ''ماڈر گاؤں'' کیمپوں کی اس کے ہاتھوں تباہی کے بعد سے مجاہدین اپنے دلوں میں اس کیلئے احترام و عزت کے جذبات محسوس کرنے لگے تھے۔

''میرا نقطہ نظر ذرا مختلف ہے؟''

جہانگیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

مجاہد کمانڈروں نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''ایک بات تو طے ہو گئی کہ گنائی کی شہادت ''را'' کا سیاہ کارنامہ ہے۔لیکن جس بات کو ہم سمجھ نہیں پا رہے ہیں وہ یہ ہے دشمن کی کامیابی ہمیں آپس میں الجھا دینے میں ہے۔دشمن نے وقتی طور پر ہی سہی اپنے مقصد میں کامیابی تو حاصل کر لی لیکن ہم نے ابھی تک ان آستین کے سانپوں تک رسائی حاصل نہیں کی جن کی مدد سے انہوں نے اپنا کام ہے.......... دشمن کی چال کو اس کے منہ پر واپس مارنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان آستین کے سانپوں کا کھوج لگا کر انہیں کیفر کردار تک پہنچائیں.......... اگر آپ مجھے دو دن دیدیں تو مجھے امید ہے انشاء اللہ میں اسے ڈھونڈ نکالوں گا جس کے بعد ہم اس قابل ہوں گے کہ دشمن کو اس کی اصلیت سے آگاہ کر سکیں..........''

''ماشاء اللہ.......سبحان اللہ.......انشاء اللہ ایسا ضرور ہو گا..........''

مجاہدین نے باری باری اس کی تجویز پر صاد کیا۔حزب اور العمر کے مقامی مجاہدین جن کی تعداد پانچ تھی تو جہانگیر کے ساتھ کر دیا گیا۔ان لوگوں نے جہانگیر کی ہدایت پر کام کر کے اسے مکمل رپورٹ بہم پہنچائی تھی جس کے بعد انہوں نے اگلی کارروائی کرنا تھی۔

☆☆☆

کرنل گوپال کرشنا، میجر رائے اور کیپٹن ناگرہ نصیب علی سمیت وہاں موجود تھے۔چاروں شراب کے جام سے دل بہلا رہے تھے۔

''بھئی کمال کر دیا......ویل ڈن..........''

کرنل گوپال کرشنا جسے جنازے کے جلوس کی پل پل کی خبریں مل رہی تھیں خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ جب انہیں یہ خبر ملی کہ جنازے کے جلوس کے شرکا نے ''العمر'' کے مقامی کمانڈر خالد کے گھر کو تباہ کر دیا ہے تو وہ اپنی جگہ خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں سر! آگے آگے دیکھئے...... کیوں نصیب صاحب............''

کیپٹن ناگرہ نے نصیب کے جام میں وہسکی انڈیلتے ہوئے کہا۔

''بالکل صحیح کہا مہاراج...... بالکل صحیح............''

نصیب علی نے بے غیرتوں کی طرح دانت نکالے۔

''یہ لو اپنا انعام اور اپنے ہوش وحواس قائم رکھنا۔ اگر زندہ رہنا ہے تو اپنے حواس شل نہ ہونے دینا............''

کیپٹن ناگرہ نے نوٹوں کی ایک گڈی اس کی طرف بڑھائی۔

''بھگوان آپ کا بھلا کرے مہاراج...... جے ہند............''

نصیب علی نے جس کو اب شراب چڑھنے لگی تھی کھڑے ہو کر شرابیوں کی طرح ہاتھ ہلایا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ جہاں موجود دو گارڈز اسے جس خفیہ راستے سے لائے تھے اسی راستے سے واپس لے گئے۔

''کام مکمل ہونے پر اس کا کام تمام کر دینا............''

اس کے باہر نکلتے ہی کرنل گوپال کرشنا نے کیپٹن ناگرہ سے کہا۔

''آئی نو اٹ سر...I KNOW IT SIR

کیپٹن ناگرہ نے اس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔

''ٹیم تیار ہے۔ کتنے بجے جانا ہے............''

میجر رائے نے کہا۔

''ایک گھنٹے بعد...... اور اس مرتبہ نئی ٹیم ہونی چاہیے............''

کیپٹن ناگرہ نے کہا۔

''ایسا ہی ہوگا۔ مطمئن رہو............''

کرنل گوپال کرشنا نے اس کی عجیب سی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''میں جانتا ہوں سر! کہ ہماری سابقہ آپریشنوں میں ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم اس کا ''فالو اپ'' نہیں کرتے۔ میرا اصول یہی ہے سر کہ مقامی ''سورس'' کو استعمال کرو اور ضائع کر دو۔ ان لوگوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کب ان کی نام نہاد غیرت ایمانی جاگ اٹھے اور یہ آتنک وادیوں (دہشت گردوں) سے جا ملیں...... یوں بھی راز تب ہی راز رہتا ہے سر! جب اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دل میں یا پھر زمین میں دفن کر دیا جائے''

کیپٹن ناگرہ کی بات نے میجر رائے کو چونکا دیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا کہ اگر اس لونڈے کے پر نہ کاٹے گئے تو یہ اتنا اونچا اڑنے لگے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی چھٹی ہو جائے............ ایک گھنٹہ تک وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے جس کے بعد کیپٹن ناگرہ ''را'' کے چار بلیک کیٹس کے ساتھ جو ایک پرائیویٹ کار میں اس کے منتظر تھے اپنے اگلے مشن پر روانہ ہو گیا۔

☆☆☆

Captured by Qamar Abbas

''العمر'' کے مجاہدین اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر گولہ بارود کی اتنی مقدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تھے جس سے وہ اپنے اگلے منصوبوں کو کسی حد تک پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔

اس وقت گولہ بارود اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچا کر مجاہدین جو تعداد میں چار تھے نماز کی ادائیگی کی تیاریاں کر رہے تھے جب انہیں کسی آہٹ کا احساس ہوا۔ اس سے پہلے کہ انہیں صورتحال کی سمجھ آئے اچانک ہی چاروں اطراف سے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی اور اس سے پہلے کہ وہ مقابلے کیلئے تیار ہوں۔ بارود میں دھماکہ ہوا جس نے سارے شہر کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ چاروں مجاہد اس دھماکے کے ساتھ ہی منزل مراد پا گئے۔

لیکن............ حیرت انگیز طور پر ان میں سے ایک زندہ رہا۔

یہ حفیظ لون تھا۔

''راء'' کا زرخرید حفیظ لون جسے اس کام کیلئے خطیر رقم ادا کی گئی۔ اس کھیل میں سب سے اہم کردار اس نے ادا کرنا تھا۔ کیپٹن ناگرہ نے اسے اس بری طرح جکڑا تھا کہ اس بے چارے کیلئے بچ نکلنے کا کوئی راستہ ہی باقی نہیں رہا تھا۔ اس کی دونوں جوان بہنوں کو ''را'' نے اپنی گرفت میں لے کر اسے اپنے لئے کام کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

حفیظ لون نے ایمان کی کمزوری کا مظاہرہ کیا اور دشمن کی چال میں پھنس گیا۔ اس نے کیپٹن ناگرہ کو اسلحے کی اس کھیپ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ اسی کی مدد سے کیپٹن ناگرہ نے یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔

اب اسے اپنا اگلا کام کرنا تھا............

حفیظ لون نے اس یقین دہانی کے بعد کہ اس کے باقی تینوں ساتھی شہید ہو چکے ہیں ٹارچ سے مخصوص اشارہ کیا اور دوسرے ہی لمحے نزدیکی جھاڑیوں میں چھپا کیپٹن ناگرہ اس کے سامنے موجود تھا۔

''شاباش حفیظ............ میں تمہیں اتنا انعام دلاؤں گا کہ بھارت کے کسی بھی شہر میں تم اپنی دونوں بہنوں اور ماں کے ساتھ آبرومندانہ زندگی بسر کر سکو گے۔ اپنے اعصاب کو سنبھالو............ حواس قائم رکھنا۔ خبردار اگر تمہارے کسی عمل سے بھی انہیں شک ہو گیا تو وہ تمہاری تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ ''حزب'' کے حملے کی خبر اپنے مرکز کو پہنچا دو............ انہیں بتا دینا کہ ''حزب'' کے لوگوں نے تمہیں جان بوجھ کر صرف اس لئے زندہ چھوڑا ہے کہ تم اپنے گروپ کے لوگوں تک یہ خبر پہنچا سکو کہ ''حزب'' والوں نے کمانڈر گنائی کی موت کا بدلہ لے لیا ہے......... بس تین چار روز بعد تمہیں میرا پیغام مل جائے گا۔ بھارت کے جس شہر میں تم چاہو گے ہم تمہارے لئے تمام بندوبست کر دینگے............''

کیپٹن ناگرہ نے یہ کہہ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور اندھیرے کی چادر میں غائب ہو گیا۔

❁......❁

ریشمی خطرہ

مسعود جاوید کے باصلاحیت قلم کی تحریر۔ جرم وسزا اور جاسوسی وسراغرسانی پر ایک منفرد تحریر۔ ایک ذہین قابل اور خوبصورت خاتون (پرائیوٹ) سراغرساں کا دلچسپ قصہ، ایک مجرم اس پر فریفتہ ہو گیا تھا۔ ان کی ممکنہ شادی کی شرط بھی عجیب وغریب تھی۔ ایک نہایت دلچسپ سنسنی خیز ناول۔ سراغرساں کے نام کی مناسبت سے ایک خاص ترتیب سے کون قتل کر رہا تھا؟ جاننے کے لیے پڑھیے............ **ریشمی خطرہ** جو کتاب گھر کے **جاسوسی ناول** سیکشن میں دستیاب ہے۔

پندرہواں باب

کمانڈر مختار کی امامت میں مجاہدین نماز فجر کی ادائیگی کی تیاری کر رہے تھے۔ جب کمانڈر ''العمر'' کو پیغام پہنچایا گیا کہ حرب نے ان کے تازہ گولہ بارود کے ذخیرے پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا ہے اور تین مجاہد شہید ہو گئے ہیں بمشکل ایک مجاہد حفیظ لون وہاں سے جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہوا ہے جس کے ذریعے یہ اطلاع وہاں تک پہنچی ہے۔

''لاحول ولا قوۃ............''

خبر سنتے ہی ''العمر'' کے کمانڈر خالد نے بے ساختہ کہا۔

تمام لوگ سمجھ گئے کہ گنائی کی شہادت سے ''را'' نے جس خطرناک کھیل کا آغاز کیا تھا اس کا یہ نقطہ اختتام تھا۔

''ان کو جواب دینا ناگزیر ہو گیا ہے خالد بھائی............''

حرب کے کمانڈر مختار نے کہا۔

''ہاں اور اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ ہم مشترکہ حملے کر کے ''را'' کو سمجھا دیں کہ اس کی سازش کی سمجھ ہمیں آ گئی ہے اور ہم اس کا منہ توڑ جواب دینے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں............''

کمانڈر خالد نے کہا۔

''مجھے اگر آپ جلد از جلد زندہ بچ جانے والے مجاہد سے ملا سکیں تو شاید اللہ تعالیٰ بہتری کی کوئی صورت نکال دیں............''

اچانک ہی جہانگیر نے کمانڈر خالد کی طرف دیکھ کر کہا۔

کمانڈر خالد نے ایک لمحے توقف کیا۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اور جہانگیر سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں...... میرے خیال میں یہ جگہ مناسب نہیں۔ ہمیں کسی اور جگہ کا انتخاب کرنا ہو گا............''

''یہی مناسب ہے............''

کمانڈر مختار نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

نماز انہوں نے کمانڈر مختار کی اقتدا میں ادا کی۔ پھر سب کے ہاتھ ان بے گناہ مجاہدین کے درجات کی بلندیوں کی دعا کیلئے اٹھ گئے جو اپنوں کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر مقرب ہو گئے تھے۔

وہ ساری رات جاگتے آئے تھے۔

لیکن............ کیا مجال جو کسی مجاہد کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک دکھائی دیا ہو ''العمر'' کے دو مجاہدوں کی راہنمائی میں جہانگیر اسی ''ہائیڈ آؤٹ'' کی طرف جا رہا تھا جہاں حفیظ لون موجود تھا۔

کمانڈر مختار اور کمانڈر خالد بھی الگ الگ راستوں سے یہاں تک پہنچے تھے۔ تھوڑی دیر بعد حفیظ لون ان تینوں کے سامنے موجود تھا۔

جہانگیر نے اس سے کرید کرید کر درجنوں سوالات کیے تھے اور واقعات کی جزئیات کا کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں رہنے دیا تھا۔ قریباً پندرہ بیس

منٹ بعد ہی حفیظ لون ہی نہیں کمانڈر خالد اور کمانڈر مختار بھی محسوس کرنے لگے تھے کہ حفیظ لون پھنس گیا ہے۔ اب وہ بھی تفتیش کے انداز میں اس سے سوالات کر رہے تھے۔

اچانک ہی حفیظ لون کی آواز بھرا گئی۔

شاید اس کا مردہ ضمیر جاگ اٹھا تھا۔ اس نے سسکیاں لیکر رونا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی اس نے اپنی بہنوں کی گرفتاری سے ''را'' کے ہاتھوں بلیک میل ہونے تک کی ساری کہانی انہیں سنا دی۔ کیپٹن ناگرہ نے اسے جس طرح کھیل میں کٹھ پتلی بنایا تھا اس کی تفصیلات سے بھی اس نے انہیں آگاہ کیا۔

کیپٹن ناگرہ نے اسے اپنا نام کیپٹن خان بتایا تھا اور خود کو مسلمان فوجی افسر ظاہر کیا تھا اور اسکی بہنوں کے ذریعے اسے بلیک میل کیا تھا۔

''کیپٹن خان نے وعدہ کیا تھا کہ اگر میں یہ کام کر دوں گا تو میری بہنوں کی عزت محفوظ رہے گی.............''

یہ کہہ کر حفیظ پھر سسکیاں لے کر رونے لگا۔

کمانڈر خالد کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا..............

اس کا ہاتھ اپنے پستول کی طرف بڑھا...............

لیکن.............اچانک ہی جہانگیر کے اشارے پر کمانڈر مختار نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور اب وہ اسے دوسرے کمرے میں لے جا رہا تھا۔

حفیظ لون اب خاموشی سے سر جھکائے اپنی قسمت کے فیصلے کا منتظر تھا۔ جہانگیر اس کے چہرے پر بغور نظریں جمائے کچھ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا جلد ہی اسے اطمینان ہو گیا کہ حفیظ اداکاری نہیں کر رہا بلکہ اسے اپنے گناہوں کی شدت کا احساس ہو گیا ہے۔

''دیکھو حفیظ.............تم جو کچھ کر چکے ہو۔ مجاہدین کا جتنا نقصان ہو چکا ہے اس کا ازالہ تو کسی صورت ممکن نہیں لیکن ایک طریقہ ایسا ضرور ہے جس سے تم کم از کم اپنے ان گناہوں کا کفارہ کسی حد تک ادا کر سکتے ہو.............''

''اگر میری جان لے کر بھی میرے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکتا ہے تو میں حاضر ہوں..............''

حفیظ نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

''میرے ذہن میں ایک تجویز ہے لیکن اس کیلئے تمہارے کمانڈر سے اجازت لینا ضروری ہے کیونکہ تم ایک نظم سے وابستہ ہو اور میں بھی ....ہم دونوں ہی اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے.............''

جہانگیر نے کہا اور اسے اکیلا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

باہر آ کر اس نے دو مجاہدوں کو چھپ کر اس کی نگرانی کیلئے کہا تھا۔ اس نے اب حفیظ کو فرار ہونے کا موقع بھی دیا تھا اور اس بات کا اہتمام بھی کیا تھا کہ اگر وہ فرار ہونے لگے تو اسے بھاگنے نہ دیا جائے۔

لیکن.............دوسری بات کا حفیظ کو علم نہیں تھا۔

جہانگیر نے اس کا امتحان لیا تھا۔ اگر وہ بھاگنے کی کوشش کرتا تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے۔ یہی تھا کہ وہ کفارہ ادا کرنے میں مخلص نہیں ہے جس کے بعد اس کی تنظیم کو اس کا فیصلہ کرنے کا اختیار تھا بصورت دیگر اس پر اعتبار کیا جا سکتا تھا۔

☆☆☆

دوسرے کمرے میں کمانڈر مختار ''العمر'' کے کمانڈر خالد کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہا تھا جب جہانگیر کمرے میں داخل ہوا۔

''خالد بھائی مجھے آپ کے کسی معاملے میں مداخلت کا تو حق نہیں ہے لیکن آپ کی اجازت سے ایک تجویز ضرور آپ کی خدمت میں پیش

کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میرا منصوبہ کامیاب رہا تو انشاءاللہ ہم کسی حد تک ہی سہی اپنے نقصانات کا ازالہ بھی کر لیں گے اور دشمن کو یہ احساس بھی دلا سکیں گے کہ اپنے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی حدیث کے مطابق مومن کی بصیرت سے ڈرو...... میرا ایمان ہے کہ شہدا کی روحوں کو ضرور اس سے تسکین حاصل ہوگی............"

یہ کہہ کر اس نے اپنے منصوبے سے دونوں کو آگاہ کیا۔

"نہیں جہانگیر میں تمہیں اس طرح آنکھیں بند کر کے جہنم میں کودنے کی اجازت نہیں دے سکتا............ یہ بڑا خطرناک منصوبہ ہے"

کمانڈر خالد نے نفی میں گردن ہلائی۔

"جہانگیر بھائی ابھی آپ نے بہت کام کرنا ہے۔ ہم اس طرح آنکھیں بند کر کے آپ کو اتنا جان لیوا قدم اٹھانے کی اجازت کیسے دیدیں............"

کمانڈر مختار نے کہا۔

لیکن............ تھوڑی دیر کے بعد بالآخر انہوں نے بادل نخواستہ ہی سہی جہانگیر کی بات مان لی اور اسے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کی اجازت دیدی۔ دونوں کا شکریہ ادا کر کے وہ اسی کمرے میں واپس آیا جہاں حفیظ کو چھوڑ کر گیا تھا۔

حفیظ اپنی جگہ موجود اور بہت شرمندہ دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے بڑی پر امید نظروں سے جہانگیر کی طرف دیکھا جس نے اثبات میں سر ہلا کر اسے قدرے مطمئن کر دیا۔

"تم کیپٹن خان سے کس طرح رابطہ کرتے ہو............"

جہانگیر نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

جواب میں حفیظ لون نے اسے "را" کے اس "سیف ہاؤس" کا پتہ سمجھایا جہاں باغباں کمپنی کی آڑ میں کیپٹن ناگرہ نے اپنا خفیہ ٹھکانہ قائم کیا ہوا تھا۔

حفیظ نے بتایا کہ وہ اسی باغ کے ایک ملازم کو اپنے آنے کی اطلاع دیتا ہے جس کے بعد وہ لوگ خود ہی کیپٹن خان کو وہاں بلا لیتے ہیں۔

"تم آج ہی جاؤ اور کیپٹن سے ملاقات کے بعد اسے کہنا کہ تم نے جہانگیر تک رسائی حاصل کر لی ہے اور اسے گرفتار کروا سکتے ہو لیکن یہ شرط عائد کرنا پہلے تمہیں میری گرفتاری پر رکھے انعام کی آدھی رقم دی جائے۔ اس طرح انہیں یقین ہو جائے گا کہ تم جھوٹ نہیں بول رہے............"

جہانگیر نے اس کی طرف جھکتے ہوئے اسے آہستہ آواز میں سمجھایا۔

اس کی تجویز نے ایک مرتبہ تو حفیظ کو لرزا کر رکھ دیا۔ کیونکہ حفیظ کو علم تھا کہ جہانگیر ہی اس سے مخاطب ہے۔

"لیکن............ یہ کیسے ممکن ہے............ میں آپ کی زندگی............"

حفیظ نے گھبراتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن جہانگیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم میری زندگی کی فکر نہ کرو...... ان بے گناہوں کی زندگیوں کی فکر کرو جو دل میں بہت کچھ کرنے کی حسرت لیے اپنے اللہ کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اس گناہ کو معاف کر دیں تو جیسے میں کہوں ویسے ہی کرو............"

"ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم میں آج ہی جاتا ہوں............"

حفیظ نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

"تم جاؤ لیکن ایک بات یاد ہمیشہ رکھنا میں نے تمہیں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا ایک موقعہ دیا ہے...... لیکن یہ بات کبھی اپنے گمان میں بھی نہ لانا کہ تم مجھے دھوکہ دے سکو گے............"

جو شخص خود کو بطور "چارہ" درندوں کے سامنے پیش کرنے جا رہا ہے اس سے متعلق تمہیں بھی کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے............"

جہانگیر نے کہا اور حفیظ نے خاموشی سے گردن جھکا لی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چلا گیا۔

☆☆☆

اگلے روز شام کے بعد کیپٹن ناگرہ نے اس سے ملاقات کی تھی۔ جب حفیظ کی زبانی اسے علم ہوا کہ وہ مشہور دہشت گرد جہانگیر کو گرفتار کروانے جا رہا ہے تو کیپٹن ناگرہ کیلئے خود پر قابو رکھنا ممکن نہیں رہا۔ اسکے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوئی جاتی تھیں اور اسے کپکپاہٹ کا احساس ہو رہا تھا۔

"تمہیں علم ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟............"

ناگرہ نے بے چینی سے پوچھا اسے ابھی تک اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں...... میری آج ہی اس سے ملاقات ہوئی ہے اور ہم دونوں گہرے دوست بن گئے ہیں۔ اگر آپ نے یہ موقعہ ہاتھ سے گنوا دیا تو دوبارہ کبھی موقعہ نہیں ملے گا کیونکہ دو روز بعد وہ باندی پورہ سے کسی اور طرف نکل جائیگا"

حفیظ نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن کس طرح گرفتار کراؤ گے............"

کیپٹن ناگرہ نے بے چینی سے دوبارہ دریافت کیا۔

"اسی جگہ بڑے اطمینان سے۔ کل دوپہر کو یہیں اسے نہتا کر کے...... لے آؤں گا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ یہاں میرے عزیزوں کا ایک بڑا اچھا باغ ہے جو بڑی اچھی پناہ گاہ بھی بن سکتا ہے............"

حفیظ نے دوبارہ اطمینان سے پوچھا۔

"ونڈر فل...... میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا۔ تمہاری قسمت بدل جائیگی۔ تمہارے دن پھر جائیں گے۔ ساری زندگی عیش کرو گے"

ناگرہ نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے سر! جہانگیر کی گرفتاری کے بعد ایک پل بھی یہاں رکنا میرے لئے ناممکن ہوگا مجھے اس بات کا اطمینان ہونا چاہیے کہ مجھے فوراً دہلی پہنچانے کا بندوبست کیا جائے کیونکہ میں نے اپنے گھر والوں کو آج صبح ہی یہاں سے سری نگر روانہ کر دیا ہے جہاں سے وہ دہلی چلے جائینگے......"

حفیظ نے اسے پکا کرتے ہوئے کہا۔

"جیسے تم چاہو گے ویسا ہوگا............"

ناگرہ کے تو خوشی سے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے تھے۔

"اور ایک ضروری بات یہ بھی ہے سر! کہ مجھے جہانگیر کی گرفتاری پر رکھے گئے انعام کا آدھا حصہ ایڈوانس ملنا چاہیے............"

حفیظ کی اس بات نے کیپٹن ناگرہ کو چونکا دیا کیونکہ حفیظ سیدھے لفظوں میں ڈھائی لاکھ روپے کا مطالبہ کر رہا تھا۔ جہانگیر کی گرفتاری پر 5 لاکھ کا اعلان کیا گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... تمہیں کیا مجھ پر اعتبار نہیں............"

کیپٹن ناگرہ نے پوچھا۔

"اگر آپ برا مت مانیں تو مجھے کسی پر اعتبار نہیں...... یہ بھی تو ممکن ہے آپ جہانگیر کو گرفتار کرتے ہی سارے انعام کے چکر میں مجھے گولی مار دیں............"

حفیظ لون نے کہا۔

''گولی تو میں تمہیں اب بھی مار سکتا ہوں......لیکن میں ماروں گا کیوں؟''

کیپٹن ناگرہ نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں کیپٹن صاحب آپ اتنی اہم اطلاع کے بعد مجھے گولی نہیں ماریں گے لیکن گرفتاری کے بعد اس کے چانسز ضرور ہیں۔ ایڈوانس کی شکل میں کم از کم مجھے یہ اطمینان تو رہے گا کہ میں اپنے گھر والوں کو کچھ دے کر مرا ہوں............''

حفیظ نے سنجیدگی اختیار کی ہوئی تھی۔

کیپٹن ناگرہ نے پر اس نے اچھی طرح واضح کر دیا تھا کہ اب اس کی زندگی کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے اور جب تک اسے آدھا ایڈوانس نہیں ملے گا وہ کچھ نہیں کرے گا۔ ناگرہ نے اس پر بہت جال پھینکے کہ کسی طرح حفیظ مان جائے اور تھوڑے پیسوں میں اس کی جان چھوڑ دے۔ اس نے واقعی یہی کچھ سوچا تھا وہ جہانگیر کو گرفتار کرنے کے بعد سب سے اس کی چھٹی کرواتا۔ کم از کم یہ پانچ لاکھ روپیہ تو سارے کا سارا اس کا ہوتا۔

ناگرہ نے دوکانداروں کی طرح اسے بالآخر ڈیڑھ لاکھ روپے ایڈوانس پر رضامند کر ہی لیا اس نے حفیظ کو بتایا تھا کہ گرفتاری سے پہلے حکومت اسے ایک کوڑی بھی نہیں دیگی۔ یہ پیسے بھی وہ اسے ذاتی اکاؤنٹ سے نکلوا کر دے گا۔

بڑی دیر کے بعد بالآخر اس نے نیم رضامندی ظاہر کر دی ساتھ ہی شرط عائد کر دی کہ رقم کیش کی شکل میں دی جائے۔

ناگرہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اس کا خون پی جائے۔ اس نے بڑی مشکل اور ہمت سے خود پر ضبط کیا ہوا تھا۔ لیکن دل ہی دل میں قسم کھائی تھی کہ وہ جہانگیر کے قابو آتے ہی حفیظ کو اپنے ہاتھ سے گولی مارنے کے بعد ساری رقم اس کی دونوں بہنوں سے پوری کرے گا۔ جنہیں کم بخت نے کہیں غائب کروا دیا تھا اور اب ناگرہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ ان کا پتہ دریافت کر سکتا۔

سہ پہر کو جب حفیظ وہاں سے رخصت ہوا تو اس کے پاس ناگرہ کا دیا ہوا ڈیڑھ لاکھ روپیہ موجود تھا۔ ''را'' کے دو ایجنٹ سائے کی طرح اس کا پیچھا کرتے وہاں تک آئے تھے جہاں حفیظ نے واپس پہنچنا تھا۔

لیکن............انہیں اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ چھ مجاہدین کی ایک جماعت نے ان پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔ بانڈی پورہ سے اس مضافاتی علاقے تک جہاں ''را'' کا سیف ہاؤس تھا جہانگیر نے مجاہدین کا جاسوسی جال بچھا دیا تھا۔ اب ''را'' کی ایک ایک حرکت پر وہ کڑی نظر رکھے ہوئے تھے۔

مجاہدین کے اس آپریشن کی نگرانی ان کے تین بہترین کمانڈر کمانڈر حسین خان' کمانڈر خالد اور کمانڈر مختار کر رہے تھے اور اس مشترکہ آپریشن میں مرکزی کردار جہانگیر نے ادا کرنا تھا۔ مجاہدین کو احساس تھا کہ جہانگیر اندھے کنویں میں چھلانگ لگا رہا ہے لیکن ان کے دل گواہی دے رہے تھے کہ اپنے سابقہ کارناموں کی طرح اس مرتبہ بھی انشاء اللہ وہ سرخرو ہو کر ہی واپس لوٹے گا۔ اس کے باوجود انہوں نے حفاظتی اقدامات کیلئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

اس آپریشن کی کامیابی سے وہ بہترین نتائج حاصل کر سکتے تھے......ایک مرتبہ اگر ''را'' کو بھرپور جواب ملتا تو مقامی ٹاؤٹوں کے حوصلے کم از کم ضرور پست ہو جاتے اور مجاہدین کا دبدبہ بھی بڑھ جاتا۔

حفیظ اور ناگرہ کے درمیان شام کے بعد کا وقت طے پایا تھا۔ اس نے ناگرہ سے کہا تھا کہ وہ جہانگیر کو رات کے کھانے کے بعد سیر کے بہانے یہاں تک لائے گا اور ایک مخصوص مقام پر جس کی نشاندہی پہلے سے ناگرہ نے کر دی تھی۔ کوئی بھی بہانہ کر کے چند منٹ کیلئے اکیلا چھوڑ دیگا جس کے بعد وہ فرار ہو جائے گا اور جہانگیر پکے ہوئے آم کی طرح کیپٹن ناگرہ کی جھولی میں گر پڑے گا۔

☆☆☆

Captured by Qamar Abbas

کیپٹن ناگرہ کی حالت تاش کے اس کھلاڑی جیسی تھی جس کے ہاتھ اچانک کوئی ترپ کا پتا لگ گیا ہو............''

اس نے پہلے تو یہی سوچا کہ کرنل گوپال کرشنا کو اعتماد میں لے کر جہانگیر کی گرفتاری والا آپریشن بنائے لیکن..........اچانک ہی اسے یاد آ گیا کہ میجر رائے کچھ اکھڑا اکھڑا دکھائی دیتا ہے وہ کیپٹن ناگرہ کی پے در پے کامیابیوں کی وجہ سے اس سے حسد کرنے لگا تھا کیپٹن ناگرہ نے واضح طور پر میجر رائے کا بدلا ہوا رویہ اپنے تئیں محسوس کر لیا تھا۔

اس نے پچھلے ایک ہفتے میں جو دو شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں اس کے بعد سے اعلیٰ فوجی حلقوں میں اس کا کام زیر بحث آنے لگا تھا اور اب جو سرپرائز وہ دینے جا رہا تھا اس کے بعد سے تو کرنل گوپال کرشنا کی ناک کا بال بن جاتا............

کیپٹن ناگرہ نے بڑی سوچ بچار کے بعد یہ آپریشن اپنے طور پر انجام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہانگیر کو ہتھکڑیوں میں جکڑ کر کرنل گوپال کرشنا کے سامنے پیش کرے اور اسے چونکا کر رکھ دے۔

کیپٹن ناگرہ کو یقین ہو چلا تھا کہ جہانگیر اس کے گھڑے کی مچھلی ہے اور کل بہر صورت اس کے کانٹے میں پھنس جائیگی۔ اس نے جہانگیر کی گرفتاری کیلئے زیادہ دھوم دھڑکا کرنے کے بجائے اپنے ''سیف ہاؤس'' پر موجود چھ جوانوں کو ہی اعتماد میں لینا ضرور سمجھا تھا۔ ناگرہ کو اس وہم نے بھی آن لیا تھا کہ اگر گوپال کرشنا کی مشاورت اس میں شامل ہوگئی تو یہ آپریشن بڑا وسیع ہو جائے گا اور جو کام وہ اپنے چھ جوانوں سے لینے جا رہا تھا اس کیلئے چھ سو کی نفری منگوائی جائے گی جو سارے بانڈی پورہ کو گھیرے میں لے گی۔

فرار کے تمام ممکنہ راستوں پر پہرے لگ جائینگے۔

جگہ جگہ ''ناکے'' لگا کر چیکنگ شروع کر دی جائیگی۔

غرض ایسی تمام حرکات ہوں گی جن سے مجاہدین خبردار ہو جائینگے جس کے بعد دنیا کی کوئی طاقت کم از کم جہانگیر کو گرفتار نہیں کروا سکتی تھی کیونکہ بانڈی پورہ کی ہر گلی اور مکان اس کا مسکن اور پناہ گاہ بن جاتی۔

یہ بھی ممکن تھا کہ میجر رائے جو پہلے ہی حسد کی آگ میں جل رہا تھا اس اطلاع کو ہضم ہی نہ کر سکے اور وہ محض اس وجہ سے کہ کہیں کل کا لونڈا کیپٹن رمیش ناگرہ اس سے آگے نہ نکل جائے اس کا سارا پلان ہی خاک میں ملا دے۔

انٹیلی جنس کے کھیل میں سب سے کامیاب ہتھیار بے اعتمادی ہی تو تھا............

انہیں یہی تو بتایا جاتا تھا کہ ہر کسی کو شک کی نگاہ سے دیکھو۔ کسی پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک وہ خود کو اس کا اہل ثابت نہ کر دے اور جب اعتماد ہی کرو تو ایک حد تک..........محتاط رہ کر۔

اور وہ اسی اصول پر عمل پیرا ہونے جا رہا تھا۔

اس نے اپنے موجودہ ساتھیوں کی مدد سے یہ معرکہ سر کر کے اپنے افسر اعلیٰ کو ''سرپرائز'' دینے کا پروگرام بنا رکھا تھا۔ کیپٹن ناگرہ ابھی تک اس خوش فہمی کا شکار تھا کہ اس کے دونوں سابقہ آپریشن کامیاب ہو چکے ہیں۔ حفیظ لون نے آج رات کو شکار اس کے جال تک پہنچانا تھا جس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کو مخصوص سگنل دے کر فوراً حفیظ لون سے چھٹکارا حاصل کرنا تھا۔

کمانڈر مختار نے جس ہوشیاری سے علی الصباح ہی مجاہدین کو اس علاقے سے میں مناسب پوزیشنوں پر بٹھایا تھا وہ کیپٹن ناگرہ کے گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھیں اس باغ کے ارد گرد موجود دوسرے باغات میں کام کرنے والوں کی آمد و رفت یہاں لگی رہتی تھی گو کہ یہ کوئی مصروف گزرگاہ نہیں تھی۔

لیکن............اکا دکا مزدور اس طرف آتے جاتے رہتے تھے۔

ان مزدوروں کے روپ میں رات کی تاریکی میں قریباً پندرہ بیس مجاہدین نے خود کو کیموفلاج کر لیا تھا۔

Captured by Qamar Abbas

ان کا تعلق مجاہدین کے مختلف گروپوں سے تھا لیکن وہ ایک ''ٹاسک فورس'' کی طرح کام کر رہے تھے۔ ان مجاہدین کو بڑی صبر آزما ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ انہوں نے اگلا سارا دن اور رات یہاں درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر اس طرح وقت گزارنا تھا کہ ارد گرد کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے اور اگلے احکامات تک صبر و رضا کے پیکر بن کر ''انتظار کرو اور دیکھو.........'' کی تعمیل کرنی تھی۔

اس وقت جہانگیر اور حفیظ باندی پورہ کے ایک محلے میں مجاہدین کی ایک عارضی پناہ گاہ پر چھپے بیٹھے تھے۔ انہوں نے یہاں پیدل ہی اپنے ''ٹارگٹ'' تک جانا تھا۔ جوں جوں کیپٹن ناگرہ سے طے شدہ وقت نزدیک آ رہا تھا۔ حفیظ لون کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی تھیں۔

اسے حیرت ہو رہی تھی کہ جہانگیر بالکل مطمئن بیٹھا تھا اس نے شام کو نماز بھی معمول کے مطابق ادا کی تھی اور کھانا بہت پرسکون ہو کر کھایا تھا.........!!

جبکہ حفیظ کیلئے نوالے حلق میں اتارنا ہی کار دارد تھا۔

وہ ایک تو گزشتہ کارنامے پر ضمیر کی خلش میں مبتلا تھا اور دوسری طرف یہ فکر دامن گیر تھی کہ آخر کیپٹن ناگرہ ''را'' کا آفیسر ہے اور حفیظ اس سے کس طرح بچ جائے گا۔ اگر خدانخواستہ نتائج جہانگیر کی توقعات کے مطابق نہ نکلے تو.........

اس سے آگے وہ کچھ سوچنے سے بھی خوفزدہ تھا۔

اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اگر جہانگیر کے کھیل کا پانسہ پلٹ گیا تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی جام شہادت نوش کر لے گا۔ اس سے اپنے ضمیر کی خلش سے نجات کیلئے ہر ممکن انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عشا سے کچھ دیر پہلے انہوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔

کمانڈر خالد نے انہیں قرآن کے سائے میں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ ان کی رخصتی کے بمشکل پانچ منٹ بعد ہی وہ پہلے سے منتخب اپنے ''ٹھکانے'' کی طرف چل دیا۔

کمانڈر مختار حسین خان اور خالد کو احساس تھا کہ جہانگیر ایک خودکش مشن پر جا رہا ہے۔

لیکن.........وہ کبھی اسے دشمن کے منہ میں تر نوالہ بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے ''را'' کی طرف سے ہر ممکنہ عمل اور ردعمل کو ذہن میں رکھ کر منصوبہ بندی کی تھی اور اس کی حفاظت کے انتہائی اقدامات کیے تھے جن میں بطور خاص یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ کسی بھی ناگہانی صورتحال کا سامان ہونے کے بمشکل تین منٹ کے اندر اندر مجاہدین کی جوابی کارروائی ہو جائے۔

جن مجاہدین کو گزشتہ رات کے اندھیرے میں یہاں ''کیموفلاج'' کیا گیا تھا انہیں مخصوص دوربین کے ساتھ ایسی پوزیشن میں چھپایا گیا تھا کہ کسی بھی ممکنہ کارروائیوں پر ان کی نظر رہے۔

کمانڈر خالد نے خود ایسی پوزیشن لے رکھی تھی جہاں سے وہ ''راء'' کے اس خفیہ ٹھکانے کو ہٹ کر سکتا تھا۔ جس میں بظاہر مزدوروں کے روپ میں خطرناک اسلحے کے ساتھ کیپٹن ناگرہ کے ساتھی موجود تھے۔ اس نے اپنی ''پیکا'' پر نائٹ ویژن فٹ کی ہوئی تھی۔ جس سے وہ چند سیکنڈ کے اندر اسے ہٹ کر سکتا تھا۔ دوسری طرف دو کہنہ مشق اور آزمودہ مجاہد اپنی ''لانگ رینج'' گنوں کے ساتھ موجود تھے جو اندھیرے میں آواز پر بھی نشان لگانے میں مہارت رکھتے تھے۔

گھر سے روانگی کے فوراً بعد ہی سے جہانگیر اور حفیظ لون عقابی نظروں کے حصار میں آ چکے تھے۔ نگرانی کرنے والوں نے اس امکان کو اپنے ذہن میں مکمل محفوظ کر رکھا تھا کہ دوسرے طرف ''راء'' والے بھی دونوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔

حفیظ لون کے جسم پر لرزہ سا طاری ہونے لگا تھا اسے اپنے دل کی دھڑکن بے قابو ہوتی دکھائی دے رہی تھی اور اپنے اوسان بحال کرنے کیلئے مسلسل قرآنی آیات کا ورد کر رہا تھا جبکہ جہانگیر کی انتہائی کوشش تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو حفیظ نارمل رہے اس کے سارے کھیل کا دارومدار حفیظ کے نارمل رہنے پر ہی تھا۔ اس لئے وہ اس سے لاپرواہی سے باتیں کرتا جا رہا تھا کہ حفیظ کا دھیان بٹا سکے۔

اس نے روانگی سے پہلے حفیظ کو اس کے فرائض سے آگاہ کر دیا تھا اور امید کر رہا تھا کہ حفیظ اس کے تیار کردہ ڈرامے کے مطابق ہی ایکٹ کرے اس کے سارے کھیل کا دارومدار حفیظ کے نارمل ایکشن پر تھا۔

دونوں اب اسی راستے پر چل رہے تھے جس کے دورویہ بنے درختوں کی قطار انہیں اس مقام تک لے جاتی جہاں ''را'' نے اپنا ''سیف ہاؤس'' بنا رکھا تھا۔

جہانگیر آگے تھا اور حفیظ اس کے پیچھے چل رہا تھا...... جیسے ہی وہ درختوں کے جھنڈ سے ایک قدرے کھلی جگہ پر پہنچے دونوں کو ایک گھنے درخت کے پیچھے آہٹ کا احساس ہوا۔ حفیظ نے اسی دوران خود کو نارمل کر لیا تھا اور انہی لمحات کیلئے اب تک جہانگیر سے ذہنی طور پر تیار کرتا آیا تھا۔

''آہٹ محسوس کرتے ہی اس نے اپنا پستول نکال کر جہانگیر کی طرف تان لیا۔

''ہینڈز اپ..........''

اس نے جہانگیر کو للکارا..........

اور..........

جہانگیر نے ہونقوں کی طرح ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔

☆☆☆

کیپٹن ناگرہ اور اسکے ساتھیوں کیلئے حفیظ کا یہ ایکشن بڑا غیر متوقع تھا لیکن غیر قدرتی نہیں تھا۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں چھپا ہوا تھا اور انہوں نے اچانک جہانگیر کو گھیرے میں لے کر بالکل اسی طرح ''ہینڈز اپ'' کرائے تھے۔ جس کے بعد اس کے ایک ساتھی نے سائلنسر لگے پستول سے حفیظ لون کو موقع پر ڈھیر کر دینا تھا اور انہوں نے درختوں کے اسی جھنڈ میں چھپی جیپ میں جہانگیر کو ڈال کر فوراً یہاں سے لے جانا تھا۔

کیپٹن ناگرہ اور اس کے دونوں ساتھی اچانک ہی ان کے سامنے آگئے تھے۔ اس نے تب یہی سوچا کہ شاید لالچ میں اندھا حفیظ لون اپنے نمبر بنانے کیلئے جہانگیر کو ایک طرح سے باندھ کر اس کے سامنے پیش کر کے اپنی اہمیت جتانے کے چکر میں ہے۔

''ویل ڈن حفیظ..........شاباش..........''

کیپٹن ناگرہ نے اپنی پستول جہانگیر کی طرف تان کر حفیظ سے کہا۔

''اسے باندھ لو..........گرفتار کر لواسے..........''

اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا۔ جن کے انتظامات پہلے سے مکمل تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنی جیکٹ کی جیب سے پتلی سی مضبوط رسی اور دوسرے نے ایک بڑا سا کالے رنگ کا رومال نکال لیا۔ ان میں سے ایک نے پھرتی سے جہانگیر کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھنے تھے اور دوسرے نے ایک آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھنی تھی۔

''غدار..........کمینے..........چالباز..........''

جہانگیر نے منصوبے کے حفیظ کو لعن طعن کرتے ہوئے اپنا رخ اس کی طرف کیا۔ حفیظ لون نے اس کی ہدایات غصے سے اسے گالی دیکر ''شٹ اپ'' کہا اور بالکل نیچرل انداز سے جہانگیر کی طرف سے اس طرح بڑھا جیسے اسے پستول کا دستہ مارنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

جہانگیر کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے جہانگیر کی ہدایت کے مطابق اپنی پوزیشن ایسی کر لی تھی کہ وہ جہانگیر اور کیپٹن ناگرہ کے درمیان آ گیا تھا۔

عین ان لمحات میں جہانگیر نے اپنے دونوں قدموں پر سارے جسم کا بوجھ ڈالا اور خود کو اس طرح فضا میں اچھالا جیسے اس کے پاؤں میں

Captured by Qamar Abbas

سپرنگ لگے ہوں۔ ناگرہ کیلئے اس کا یہ عمل اتنا غیر متوقع اچانک اور خوفناک تھا کہ ایک لمحے کیلئے تو وہ گڑ بڑا کر ہی رہ گیا...... اس نے جب تک اپنا پستول سیدھا کیا جہانگیر کا ایکشن مکمل ہو چکا تھا۔ اس کی فضا میں گھومتی ہوئی لات حفیظ کے پہلو سے برآمد ہوئی اور زناٹے کی آواز پیدا کرتے ہوئے کیپٹن ناگرہ کی گردن کے پچھلے حصے پر اتنے زور سے لگی کہ وہ چکرا کر منہ کے منہ زمین پر گر پڑا۔

ناگرہ کے دونوں ساتھیوں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑی رسی اور کالا کپڑا پھینک کر شاید اپنے ہولسٹروں سے پستول نکالنے کیلئے ہاتھ بڑھائے تھے...... لیکن ان کی یہ حسرت دل ہی میں دم توڑ گئی۔

حفیظ لون کی پستول نے شعلہ اگلا اور ان میں سے ایک اپنے پیٹ کی طرف جھکتا ہوا زمین پر گر پڑا جبکہ زمین پر اپنے پاؤں ٹکاتے ہی جہانگیر دوبارہ اسی پوزیشن میں واپس لوٹا اور اس مرتبہ اس نے دونوں پنجوں پر اچھل کر پوری قوت سے فلائنگ کک دوسرے حملہ آور کے سینے پر رسید کی جو الٹ کر دور جا گرا۔

پستول ناگرہ کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ اپنا ہاتھ ہی آگے بڑھاتا۔ جہانگیر نے اس کی گردن کے پچھلے حصے میں اتنے زور سے کسی مخصوص مقام پر لات رسید کی تھی کہ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے اور آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اسے اپنے اوسان خطا ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

بجلی کی سی پھرتی سے اب جہانگیر نے بھی اپنا پستول نکال لیا تھا...........!!

چند منٹوں بعد وہاں پانسہ پلٹ چکا تھا اور اس رسی سے حفیظ لون کیپٹن ناگرہ کے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ رہا تھا۔

جس حملہ آور کو گولی لگی تھی وہ چند ثانیے کیلئے تڑپا لیکن تھوڑی دیر بعد بے حس و حرکت ہو گیا۔

ابھی حفیظ نے رسی باندھنے کا عمل بمشکل مکمل ہی کیا تھا جب اچانک ہی جہانگیر کو یوں لگا جیسے اس پر کسی فوج نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا ہو۔ یہ وہ مجاہد تھے جو ان درختوں کے جھنڈ میں کمانڈر خالد کی کمان میں چھپے ہوئے تھے اور تین منٹ بعد ہی ان کے سامنے موجود تھے...........!!

الحمدللہ...........

ماشاءاللہ...........

مبارک...........مبارک...........

ہر مجاہد کے منہ سے بے ساختہ کلمات نکل رہے تھے...........

انہوں نے اگلے تین چار منٹ میں ناگرہ اور اس کے ساتھی کو ان کی وہاں چھپی ہوئی جیپ میں ڈال لیا اور ڈرائیونگ سیٹ کمانڈر خالد نے خود سنبھال لی تھی ابھی اس نے انجن سٹارٹ ہی کیا تھا جب ان کے عقب سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں۔

کمانڈر مختار کی کمان میں مجاہدین نے کیپٹن ناگرہ کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا تھا جو اس ''سیف ہاؤس'' میں کیپٹن ناگرہ کی اگلی ہدایات کے منتظر تھے۔ ان پر یہ آفت بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹی تھی اور اب وہ حملے کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے ہتھیار سنبھال رہے تھے۔

ان بے چاروں میں سے دو کو ہی چند منٹ تک کھڑکیوں سے فائرنگ کی مہلت نصیب ہوئی تھی جب وہ سب اپنے کمرے سمیت بھک سے اڑ گئے۔

....

سولہواں باب

''را'' کے بانڈی پورہ ہیڈ کوارٹر میں یہ میسج میجر رائے نے خود موصول کیا تھا..........!!

ایک زہر خندہ مسکراہٹ اسکے ہونٹوں پر جم گئی۔ اس کے سر سے گویا ایک پہاڑ جیسا بوجھ خود بخود ہٹ گیا تھا۔

جو کام اسے خود کرنا تھا وہ مجاہدین نے ہی کر دیا تھا۔

وہ تو ضمیر کی ملامت سے بھی بچ گیا۔ وگرنہ میجر رائے نے کیپٹن ناگرہ کو مجاہدین کے ہاتھوں مروانے کا مکمل بندوبست کرلیا تھا۔ وہ کسی بھی ''ڈبل کراس'' کے ذریعے یہ خبر مجاہدین تک پہنچا سکتا تھا جس کے بعد ناگرہ جواب اس کے راستے کا پتھر بن چکا تھا اس کے راستے سے ہٹ جاتا۔

''تھینک یو ایشور..........''

اس نے زیرلب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

اس بات کا اسے اچھی طرح گمان تھا کہ اگر یہ وائرلیس میسج صحیح ہے تو اب تک مجاہدین کے ہاتھوں کیپٹن ناگرہ کا ''کریا کرم'' ہو چکا ہوگا۔ اسے مجاہدین کی اس ایریا میں طاقت کا بخوبی اندازہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ انہوں نے اگر منصوبہ بندی کے ساتھ ''را'' کے اس خفیہ مرکز پر حملہ کیا ہے تو جوابی ردعمل کے تمام امکانات کا توڑ سوچ کر ہی کیا ہوگا۔

میجر رائے کو البتہ پریشانی ضرور لاحق ہوگئی تھی کہ کیپٹن ناگرہ کے اس ''سیف ہاؤس'' کا علم اسے کیوں نہیں تھا؟

اس بات کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ کرنل گوپال کرشنا کو بھی اس کی خبر نہ رہی ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب اس کا کرنل ایک کیپٹن کو کل کے لونڈے کو اس پر فوقیت دینے لگا ہے۔

اس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا تھا۔

بھگتو بیٹا......بھگتو......اول تو تم زندہ نہیں بچوں گے کیوں تمہارے ہاتھوں دو بڑے کارنامے انجام پائے ہیں اور مجاہدین اپنے کسی بھی ساتھی کے قاتل کو نہ تو سودے بازی کیلئے استعمال کرتے تھے نہ ہی اسے معاف کرتے تھے اگر پھر بھی تم کسی طرح بچ گئے تو کم از کم ساری زندگی کیلئے ''را'' کے اس ''ڈیٹ'' Det سے ضرور نکل جاؤ گے..........کیونکہ کرنل گوپال کرشنا ''را'' کے اس اصول پر بڑی سختی سے عمل پیرا تھا کہ ایک مرتبہ دشمن کی نظر میں آجانے والا کوئی بھی افسر یا ایجنٹ ان کے کام کے لائق نہیں رہتا..........

میجر رائے دل ہی دل میں یہ سوچتا ہوا مسکرایا اور اس کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ چونکہ یہ پیغام ''را'' کی مخصوص ''فریکوئنسی'' پر دیا گیا تھا اس لئے اس بات کے امکانات کم ہی تھے کہ وہ اس علاقے میں موجود مختلف فورسز نے بھی وصول کیا ہو اور ابھی تک کوئی ان کی مدد کو پہنچا ہو یوں بھی یہاں یہ اصول تھا کہ ''را'' اپنے معاملات سے خود ہی نمٹتی تھی اور جب تک کرنل گوپال کرشنا یا میجر رائے کی طرف سے سیکورٹی فورسز کو کوئی حکم نہ پہنچ جاتا وہ لوگ ''را'' کے کسی ''سیف ہاؤس'' کی مدد کو نہیں جا سکتے تھے..........

کرنل گوپال کرشنا دوسرے کمرے میں شراب نوشی سے دل بہلا رہا تھا جب میجر رائے اپنے دل میں پھوٹتے لڈو لے کر بظاہر بڑے سنجیدہ چہرے کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہوا..........

''سر بیڈلک Badluck......''

اس کے منہ سے نکلا۔

کرنل گوپال کرشنا نے بالکل نارمل انداز میں اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا اور میجر رائے نے ''ڈی کوڈ میسج'' والی سلپ اس کے سامنے رکھ دی۔

کاغذ پر نظریں دوڑاتے ہوئے کرنل گوپال کرشنا اچانک اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''اوہ مائی گاڈ............''

اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

میجر رائے نے زندگی میں اسے کبھی اتنا بدحواس نہیں دیکھا تھا۔ اس کیلئے اپنے جذبات کا چھپانا ناممکن ہوتا جا رہا تھا۔

''شاید یہ کیپٹن ناگرہ کا............''

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اوہ.........یس.........ویری سیڈ''

"Oh yes very sad , very sad"

کرنل گوپال کرشنا نے شاید خود پر قابو پانے کیلئے وہسکی کا ایک بڑا گھونٹ اپنے حلق میں انڈیلا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ............واقعی سر! یہ تو بہت برا ہوا............شاید نظر لگ گئی ہمارے ینگ مین Young man کو............''

میجر رائے نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

کرنل گوپال کرشنا نے اس کے گہرے طنز کو محسوس کر لیا تھا۔

لیکن.........کیا مجال جو اس نے اپنے چہرے سے اس کا ذرہ بھر شائبہ بھی ہونے دیا ہو۔

''او کے......تم خود آن سپاٹ On Spot سارے ایریا کو ریڈ الرٹ کر دو۔ نزدیک ترین جتنی بھی ''موبائلز'' ہیں سب کو اس طرف روانہ کرو............اس ایریا کی تمام روڈز Roads فوراً بلاک کر دو............فوراً کہیں وہ ناگرہ کو مار ہی نہ ڈالیں............کہیں وہ............''

کرنل گوپال کرشنا نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔ وہ بے چینی سے ٹہلنے لگا تھا۔

میجر رائے نے رکنا مناسب نہ سمجھا اور دوسرے کمرے میں پہنچ کر اس نے دوسرے ہی لمحے ایریا میں موجود تمام سکیورٹی فورسز کو ''ریڈ الرٹ سگنل'' دیدیا تھا۔

اچانک ہی کرنل گوپال کرشنا کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے ''ایمرجنسی مائیک'' میجر رائے کے ہاتھ سے پکڑ لیا تھا اور اب اس علاقے کی تمام ''موبائلز'' کو ''را'' کے ''سیف ہاؤس'' کی لوکیشن سمجھا کر انہیں فوراً گھیرے میں آئے کیپٹن ناگرہ کی مدد کیلئے وہاں رش کرنے کے احکامات جاری کر رہا تھا۔

اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اس نے مائیک کو سٹینڈ پر رکھا اور دیوار پر ٹنگے نقشے کے نزدیک پہنچ گیا۔

اگلے ہی لمحے وہ اپنے پہلو میں کھڑے میجر رائے کو اس سیف ہاؤس کی مکمل لوکیشن سمجھا کر فوراً کیپٹن ناگرہ کی مدد کو پہنچنے کا حکم دے رہا تھا۔

''میر صاحب.........Do your best ہر ممکن کوشش کرنا......ہمیں اس ''ینگ مین'' کو بچانا ہے یہ ایجنسی کی عزت کا معاملہ ہے......میرا خیال ہے تم میری بات سمجھ رہے ہو گے............''

اس نے میجر رائے کی طرف پہلی مرتبہ آنکھیں اٹھا کر دیکھا۔

''میں اپنی انتہائی کوشش کروں گا سر! انتہائی کوشش............''

میجر رائے نے مستعد فوجیوں کی طرح اپنے دونوں قدم جماتے ہوئے کہا۔

''آل رائیٹ ....آل رائیٹ ....''

کرنل گوپال کرشنا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میجر رائے باہر نکل گیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ پہلے سے تیار اپنے ''بلیک کیٹس'' کمانڈوز کے اس گروپ کی طرف جا رہا تھا جنہیں ''را'' کی زبان میں ''ایمرجنسی کیٹس'' کہا جاتا تھا اور جن کو کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کیلئے 24 گھنٹے تیار رہنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

بھارتی کمانڈوز کے اس گروپ سے تعلق رکھنے والے جوان کسی بھی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کیلئے ہر وقت حالت جنگ میں Stand by رہتے تھے اور محض تین منٹ کے چیلنج وقت میں کسی بھی مہم جوئی پر چل دیتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد تین بلیک کیٹس کمانڈوز تین مختلف گروپس میں پہنچ گئے جہاں مجاہدین کا ایک گروپ ان کے استقبال کیلئے موجود تھا۔ دونوں قیدیوں کو الگ الگ دو اطراف میں لے گئے تھے اور کمانڈر خالد نے حفیظ لون کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا جبکہ جہانگیر کو وہ اپنے ساتھ ہی لے آیا تھا۔

''آپ تھوڑی دیر کمر سیدھی کر لیں............ انشاء اللہ کل صبح کے بعد دوسرے کمانڈروں کی معیت میں قیدیوں سے ملاقات کرینگے''

خالد نے اسے کہا۔

جہانگیر سمجھ گیا کہ وہ ایک ذمہ دار کمانڈر کی حیثیت سے بھی کر سکتا تھا............''

''ٹھیک ہے............''

جہانگیر نے کہا۔

کمانڈر خالد نے اس کیلئے وہیں سلیپنگ بیگ کا بندوبست کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جہانگیر وہاں آرام کر رہا تھا۔

کیپٹن ناگرہ کی گرفتاری نے اس کے دماغ سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا تھا اور اب وہ قدرے مطمئن ہو کر لیٹا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیند کی وادیوں میں سکون کا جھولا جھول رہا تھا صبح اس کی آنکھ ایک مجاہد کی اذان کی آواز پر کھلی تو اسے احساس ہوا کہ مقبوضہ کشمیر میں اپنی آمد کے بعد وہ شاید طویل ترین نیند سویا ہے۔

☆☆☆

میجر رائے اپنے بلیک کیٹس کے ساتھ موقعہ واردات سے خاصی دور رک گیا تھا............

اس نے کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں کہ آنکھیں بند کر کے اس جہنم میں کود جاتا۔ جہاں تک کرنل گوپال کرشنا کا تعلق تھا کہ کیپٹن ناگرہ کو مجاہدین کے آہنی شکنجے سے نکال کر لایا جائے تو یہ اس کی نیک خواہش ہی ہو سکتی تھی جس پر عمل شاید یہاں موجود بھارت کی چھ لاکھ فوج مل کر بھی کرنا چاہتی تو نہ کر پاتی۔

ایک مرتبہ مجاہدین کی گرفت میں آنے والے کسی عام بھارتی سپاہی کو بھی ان کی قید سے نکال لانا آج تک ممکن نہیں ہوا تھا جبکہ ناگرہ تو خود ''را'' کا ایک کیپٹن تھا۔

اس نے اپنے جوانوں کو گاڑیاں سڑک کے پہاڑی سلسلے میں قدرے محفوظ مقام پر اور ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر کھڑی کرنے کا حکم دیا تھا اور اب تمام جوانوں کو وہیں اپنی گاڑیوں کے اردگرد پوزیشنیں سنبھالنے کی تاکید کر کے اس علاقے میں موجود بھارتی فوج کے کمانڈر سے رابطہ

Captured by Qamar Abbas

کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وائرلیس پر مطلوبہ رابطہ بحال ہو چکا تھا!

ایریا کمانڈر نے اسے بتایا کہ انہوں نے ''را'' کی مدد کیلئے اپنی ایک کمپنی روانہ کر دی ہے اور آخری اطلاعات کے مطابق وہ لوگ ابھی تک مطلوبہ مقام تک پہنچ سکے کیونکہ راستے میں مجاہدین کی لگائی ہوئی دو سرنگوں میں پھنس کر وہ اپنے ٹرک اور سات جوانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جس کے بعد سے ان کے کمانڈر نے انہیں احتیاط سے پیدل ہی اس طرف روانہ کر دیا تھا۔

''اس طرح تو وہ لوگ صبح تک بھی ٹارگٹ ایریا میں نہیں پہنچ پائیں گے..........''

میجر رائے نے سیخ پا ہو کر کہا تھا۔

''مجھے علم ہے میجر..........لیکن میں اس طرح اپنے جوانوں کو چوہے دان میں پھنسنے کی اجازت تو دینے سے رہا.....رات کے وقت ہم ادھر ہیلی کاپٹر بھی نہیں بھیج سکتے.....علاقہ بڑا غیر محفوظ ہے اور دہشت گردوں کے ہاتھ ہماری ہی کچھ اینٹی کرافٹ بھی لگ گئی ہیں..........''

آئی ایم سوری میجر.....لیکن میں آنکھیں بند کر کے اپنے جوانوں کو جہنم میں جھونکنے سے رہا..........!!

''اوکے Any other hope..........'' (کوئی اور امید) میجر رائے نے زچ ہو کر دریافت کیا۔

''آف کورس..........میرے خیال سے اب تک بی ایس ایف کے جوانوں کے ساتھ ان کی لڑائی کا آغاز ہو گیا ہے اور اگر آپ چاہیں تو یہاں سی آر پی کی دو کمپنیاں بھی موجود ہیں۔ سنا ہے بڑے بہادر لوگ ہیں۔ آنکھیں بند کر کے موت کے کنویں میں بھی چھلانگ لگا دیتے ہیں.....''

ایریا کمانڈر نے جو اس ''کال'' پر خاصا سیخ پا ہو رہا تھا تلخی اور طنز کے لہجے میں کہا۔

''آپ جیسے بہادر کمانڈروں کی موجودگی میں جوانوں کا مورال تو بلند رہتا ہے۔ ممکن ہے جو آپ کہہ رہے ہوں وہ سچ ہی ہو..........ٹھیک ہے میں ہیڈ کوارٹر کو اطلاع کرتا ہوں کوئی متبادل بندوبست کرے.....ہم اپنے لوگوں کو اسی طرح بے یار و مددگار چھوڑنے سے رہے..........''

یہ کہہ کر میجر رائے نے اس کا جواب سنے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

''ڈیم اٹ.....گدھا.....الو کا پٹھا..........''

ایریا کمانڈر کرنل نے وائرلیس کا سلسلہ منقطع ہونے پر میجر رائے کو گالیاں بکنی شروع کر دیں۔

یہاں بانڈی پورہ اور سوپور کے فوجی افسران میں ''را'' سے ناراضگی پائی جاتی تھی کیونکہ کرنل گوپال کرشنا کوئی ایکشن کرنے سے پہلے بھی ان لوگوں کو اعتماد میں لینے کا تکلف نہیں کرتا تھا اور ''رازداری'' کے چکر میں انہیں لاعلم رکھ کر جہنم میں جھونک دیا کرتا تھا۔ جب بھی ''را'' کی طرف سے ایسی کوئی ''ایس او ایس کال'' آرمی کے یونٹوں میں پہنچتی تو ان کے کمانڈر ہی نہیں جوان بھی بڑے سیخ پا ہوا کرتے تھے۔

''را'' کی کال پر جب وہ بھاگم بھاگ ٹارگٹ ایریا میں پہنچتے تو اکثر مجاہدین کے ٹریپ Trape میں پھنس جاتے جس سے بھارتی فوج کے جوان بڑی بے بسی میں ہاتھ ملتے اپنے ساتھیوں کو مرتا دیکھتے رہتے۔

اگلے روز جب مجاہدین کے اس علاقے میں سرگرم خفیہ ریڈیو سٹیشن کی نشریات سے مرنے والے بھارتی فوجیوں کے نام اور نمبروں کا اعلان ہوتا تو انہیں بڑی سبکی اٹھانا پڑتی۔ اس صورتحال نے جوانوں کے مورال پر برا اثر ڈالا تھا اور خصوصاً شام کے بعد مدد کیلئے ملنے والی کسی بھی ''کال'' پر پہلے کی طرح آنکھیں بند کر کے عمل نہیں کرتے تھے بڑے محتاط ہو کر اپنے جوانوں کو میدان میں اتارتے تھے۔

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی افواج کے اوسی کا اپنے افسران کو حکم تھا کہ وہ اپنے ''کا یلٹی ریٹ'' کو ہر ممکن حد تک کم کریں اور مجاہدین کو مارنے سے اپنے جوانوں کی جان بچانا زیادہ ضروری خیال کریں۔

ان تلخ حقائق کا ادراک میجر رائے سے زیادہ اور کسے ہو سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کرنل گوپال کرشنا اپنی کارکردگی بڑھانے کے چکر میں

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

بھارتی فوج کے وقار سے کھیل رہا ہے لیکن............ اسے بہرحال کرنل گوپال کرشنا کی ہاں میں ہاں ہی ملانی تھی۔

اپنے کمانڈوز کو وہیں محفوظ آڑ میں کھڑے کر کے اس نے دوسری پیرا ملٹری فورسز کے مقامی کمانڈروں سے رابطے شروع کئے اور جیسے جیسے قربانی کے بکرے میسر آتے گئے انہیں میدان کارزار کی طرف دھکیلتا رہا۔

جب اسے اپنے وائرلیس سیٹ پر دوسری طرف سے یہ سگنل ملنے لگے کہ مجاہدین کی طرف سے اب کوئی مزاحمت باقی نہیں رہی اور وہ اپنا کام مکمل کر کے فرار ہو چکے ہیں تو اس نے اپنے سورماؤں کو بھی آگے بڑھایا۔

آدھے گھنٹے کی مزید احتیاطی مسافت کے بعد بالآخر وہ لوگ وہاں پہلے سے موجود پیرا ملٹری فورسز اور آرمی کے جوانوں سے مل گئے جو اپنے زخمی ساتھیوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے اور اسے ''شہدا'' کی لاشیں ایک بڑے ٹرک میں جمع کر کے پیچھے بھیجنے کا بندوبست کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ کرنل گوپال کرشنا کو وائرلیس سیٹ پر ہی یہاں کی رپورٹ دے رہا تھا۔

اس کے تو علم میں یہ بات نہیں تھی کہ یہاں کوئی ''را'' کا سیف ہاؤس بھی موجود ہے جس کی کمان کیپٹن ناگرہ کے ہاتھ ہے پھر اسے یہاں اپنے ایجنٹوں کی تعداد کا علم کیسے ہوتا۔

ایمرجنسی فورسز کے ایک سنیئر آفیسر نے اسے بتایا تھا کہ انہوں نے ایک کمرے سے سات لاشیں برآمد کی ہیں جبکہ ایک لاش وہاں سے کچھ فاصلے پر پڑی تھی...... یہ سب ''را'' کے ''کور ایجنٹ'' تھے۔

اس نے وہی رپورٹ آگے کرنل گرپال کرشنا کو سنا دی۔''اوہ مائی گاڈ............ اس کا مطلب ہے صرف دو زندہ بچے ہیں۔کیپٹن ناگرہ اور اس کا ساتھی............''

کرنل کرشنا کی سوگوار اور غصیلی آواز سنائی دی۔

''یس سر............''

میجر رائے اس کے علاوہ اور کیا ''کومنٹ'' کر دیتا۔

''ٹھیک ہے تم لوگ یہیں ٹھہرو...... میں صبح یہیں ملتا ہوں...... اس طرح ان لوگوں کو آسانی سے نکلنے کا موقعہ نہیں ملنا چاہیے............''

کرنل گوپال کرشنا نے مجاہدین کو وائرلیس سیٹ پر گولیاں دیتے ہوئے سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب میجر رائے کو ایک اور پریشانی لاحق ہو گئی تھی............!

اگر کیپٹن ناگرہ کو وہ لوگ زندہ اغوا کر کے لے گئے ہیں تو کہیں ''سودے بازی'' نہ کر لیں۔ ورنہ تو اسے یہاں آسانی سے مارا بھی جا سکتا تھا۔

لیکن نہیں............

اس کے دل و دماغ نے یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کیپٹن ناگرہ کے اس ''سیف ہاؤس'' تک مجاہدین کی رسائی اور ناگرہ کا اغوا ایک ہی بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کی اصلیت کا مجاہدین کو علم ہو گیا تھا اور وہ کمانڈر گنائی کے قاتل اور العمر کے چار مجاہدوں اور اسلحہ تباہ کرنے والے ''را'' کے اس آفیسر کو کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

یہ ان کی غیرت ایمانی کیخلاف ہوتا............!

عین ممکن تھا وہ اس کے دوسرے ساتھی کو ''سودے بازی'' کیلئے استعمال کر لیتے...... لیکن کیپٹن ناگرہ کو چھوڑنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں سوچا اور اپنے جوانوں کو اس علاقے میں پھیل کر پوزیشنیں لینے کے احکامات دے کر خود ایک بکتر بند گاڑی میں

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

لیٹ رہا۔اس نے اپنے ایک خاص جوان کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے اسے جگادے اورانہیں بتادیا تھا کہ کرنل گوپال کرشنا کی آمد کسی بھی وقت متوقع ہے۔ایسا نہ ہوکہ جب اس کی آفیسرانچارج آئے تو وہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہوں۔

اس کے جوانوں نے اپنے آفیسر کی خواہش کا احترام کیا تھا اوراسے کرنل گوپال کرشنا کی آمد سے پہلے ہی بیدار کردیا تھا جو علی الصبح ایک ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر یہاں پہنچا تھا۔

ہیلی کاپٹر کی پرواز کیلئے بڑا محفوظ راستہ اختیار کیا گیا تھا اوراسے باندی پورہ میں پھیلی بھارتی فوج کے مورچوں سے اڑاتا ماہر پائلٹ یہاں تک لے آیا تھا۔

’’آئی ایم سوری سر! کاش ایسا نہ ہوتا...... بیڈلک Bad luck.........‘‘

میجر رائے نے اسے تعظیم دیتے ہوئے سوگوار لہجے میں کہا۔

’’آل رائیٹ .... آل رائیٹ۔اٹ از او کے .... ایسا ہی ہوتا ہے لڑائی میں .... کبھی کبھی دشمن بھی جیت جاتا ہے بڑے ٹف لوگ ہیں...... بڑے مشکل ہوتے جارہے ہیں۔Any way میں دیکھوں گا...........‘‘

اس نے مجاہدین کے ہاتھوں تباہ ہونے والے اس کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا جس میں’’را‘‘ کے جوانوں کی لاشیں جوں کی توں پڑی تھیں۔

میجر رائے نے ابھی تک اپنی رائے ظاہر نہیں کی تھی نہ ہی کوئی اور کومنٹ دیا تھا۔وہ چاہتا تھا کرنل گوپال کرشنا خود احساس کرے کہ کیپٹن ناگرہ نے اپنے قد سے لمبی چھلانگ لگائی تھی۔

’’بہت برا ہوا لیکن ایک بات تو صاف ہے کہ ابھی تک جہانگیر اس علاقے میں سرگرم ہے اوراب ناگرہ کی جان تب ہی بچ سکتی ہے اگر جہانگیر کو قابو کرلیا جائے...........‘‘

کرنل گوپال کرشنا نے ایک طرف کونے میں کھڑے ہوکر میجر رائے سے باتیں کرتے ہوئے کہا۔

’’یس سر...........‘‘

میجر رائے نے اثبات میں ہونقوں کی طرح گردن ہلادی۔

’’نہیں میر صاحب........... صرف یس سر سے کام نہیں چلے گا۔کچھ کرنا ہوگا کیپٹن ناگرہ کا اغوا اوراس کے ساتھیوں کا مارے جانا ایجنسی کیلئے بہت بڑا اسیٹ بیک ہوگا........... بہت بڑا اسیٹ بیک...........‘‘

اس نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

آتش پرست

وجیہہ سحر کے کہنہ مشق قلم سے ایک اور سنسنی خیز اور دلچسپ ناول۔ماہرین آثار قدیمہ ایک چار ہزار سال پرانی ممی دریافت کرتے ہیں۔جسے اس انداز میں حنوط کیا گیا تھا کہ وہ آزاد ہوتے ہی زندہ ہوجائے۔چار ہزار سال پرانی ممی کے ہنگامے،خوف وہراس اور قتل وغارت۔آج کی دُنیا کو اس منحوس ممی سے کیسے چھٹکارا دلایا گیا،جاننے کے لیے پڑھیے...... **آتش پرست**

جسے جلد ہی کتاب گھر پر **ایکشن ایڈونچر مہم جوئی ناول** سیکشن میں پیش کیا جائے گا۔

Captured by Qamar Abbas

''آئی نو اٹ سر..........''

میجر رائے نے اس سے آنکھیں ملائے بغیر جواب دیا۔

''ٹھیک ہے میر صاحب! اب ہماری اور تمہاری دوستی کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو کوئی بھی ڈیل کرنی پڑے لڑکے کو ان کے چنگل سے نکالنا ہے اپنے تمام سورس لڑا دو...... مخبروں کا جال اس علاقے میں پھیلا دو.......... وہ انسان ہیں جادوگر نہیں.......... مجھے بانڈی پورہ کے ہر گھر کی نگرانی چاہیے...... ہر گھر کی نگرانی.......... جتنی فورس کی ضرورت ہے منگوالو...... اس علاقے میں سفید پوشوں کا جال بچھادو''

کرنل گوپال کرشنا کی آواز میں قہر گونج رہا تھا۔

''ایسا ہی ہوگا سر! میں دیکھ لوں گا ان کو...... افسوس ناگرہ نے چھلانگ لگانے میں جلدی کر دی...... ان کا شکار کھیلنے کیلئے بڑے صبر اور استقامت کی ضرورت ہے..........''

بالآخر اس سے رہا نہ گیا اور میجر رائے نے کہہ دیا۔

''میں جانتا ہوں میر صاحب.......... لیکن اس میں غلطی میری بھی تھی خیر اپنے پیشے میں صرف اندازے کی معمولی غلطی پر ہی تو سارے کھیل کا دارومدار ہوتا ہے..........''

کرنل گوپال کرشنا کو میجر رائے نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی مسئلے پر اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے سنا تھا.......... اسے دکھ سا ہوا۔

☆☆☆

اپنے ٹھکانے پر پہنچتے ہی میجر رائے نے تمام فیلڈ آفیسرز کو ہنگامی میٹنگ کی کال دے دی تھی اور اس وقت یہاں مختلف بھیس بدل کر کام کر رہے ''را'' کے مقامی فیلڈ آفیسروں کا اجتماع ہو چکا تھا میجر رائے دیوار پر لٹکے نقشے کی مدد سے انہیں سمجھا رہا تھا کہ ان لوگوں نے کس کس ایریا کو Cover کرنا ہے اس نے اپنی دانست میں سارے علاقے کے ایک ایک انچ کو کور کر لیا تھا۔

ابھی ان کی میٹنگ جاری ہی تھی جب میجر رائے کے پی اے نے اسے ایک ہنگامی میسج کی اطلاع دی۔ یہ میسج کتنا اہم ہو سکتا تھا اس کا اندازہ میجر رائے نے فوراً ہی کر لیا کیونکہ اس طرح کی خفیہ اور اہم میٹنگز کے دوران کا کوئی ماتحت انہیں ڈسٹرب کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔

''یس..........''

اس نے استفہامیہ نظروں سے اپنے ماتحت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''سر.......... آپ کیلئے بڑی اہم کال ہے..........''

اس کے ماتحت نے فون کی طرف اشارہ کیا۔

میجر رائے نے فون اٹھایا اور بڑی مضبوط آواز میں ''ہیلو'' کہا

''مجھے کرنل گوپال کرشنا سے بات کرنی تھی لیکن یہ لوگ اسے ملانے کو تیار نہیں شاید یہی اس کیلئے بہتر ہوگا کیونکہ جو اطلاع میں دینے جا رہا ہوں اسے سننے کے بعد اس کی ''ہارٹ'' اٹیک سے موت بھی واقع ہو سکتی تھی..........''

دوسری طرف سے بغیر کسی تمہید و تعارف گفتگو کا آغاز ہو گیا۔

''شٹ اپ...... کون ہو تک...... کیا بکواس کر رہے ہو..........''

میجر رائے نے فون کرنے والے کو ڈانٹتے ہوئے اپنے ماتحت کو مخصوص اشارہ کیا جس کا مطلب تھا کہ فون ٹیپ کر لیا جائے۔

''را'' کے پاس اپنا بگنگ سسٹم تھا جس کے تحت وہ کسی بھی لمحے کوئی بھی کال بگ کر سکتے تھے۔ اس کا سمارٹ ماتحت دوسرے ہی لمحے اپنے

کام میں مصروف ہو گیا۔

''میرا صرف ایک ہی تعارف ہے میجر رائے کہ میں بھارتی استبداد کی موت ہوں............ مجھے علم ہے تم نے فون بگ کرنا شروع کر دیا لیکن تم مجھے پکڑ نہیں سکو گے کیونکہ ہم نے تم لوگوں سے سب کچھ سیکھ لیا ہے۔ یہ فون میں ایک بوتھ سے کر رہا ہوں...... مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ مجاہدین کی مشترکہ کمیٹی نے کیپٹن ناگرہ کو کمانڈر گنائی اور العمر کے چار مجاہدین کے قتل کے جرم میں سزائے موت سنائی ہے.....تم لوگ کل صبح تک اس کی لاش موصول کر لو گے.............اپنے تمام مخبروں کو اب باقی سب کچھ بھول کر اس کی لاش کی تلاش پر لگا دو............اور ہاں تمہارا دوسرا ایجنٹ ہماری حراست میں ہے اس کا نام صوبیدار مرلی پرشاد ہے جس نے ابھی تک کسی مجاہد کو شہید نہیں کیا اگر اپنے صوبیدار کو زندہ واپس لینا چاہتے ہو تو ہمارے دس آدمی جن کی لسٹ تھوڑی دیر میں تمہیں پہنچ جائیگی رہا کر دینا............میری بات مکمل سن لو............درمیان میں بولنے کی کوشش نہ کرو...... یہ نہ سمجھنا کہ صوبیدار کی موت کا کسی کو علم نہیں ہوگا اور تم اسے معمول کی کارروائی میں ''دہشت گردوں کیخلاف لڑتا ہوا مارا گیا'' لکھ کر جان نہیں چھڑا سکو گے......ہم اس کے اقبالی بیان کی فلم بنا کر ساری دنیا میں تمہیں ننگا کر دیں گے کہ ''را'' اپنے اہلکاروں کو مجاہدین کے پاس قربانی کا بکرا بنا کر بھول جاتی ہے...... اس طرح تمہارے باقی ساتھیوں کے ''مورال'' پر بھی بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے.........ہم صرف ایک رعایت دے سکتے ہیں کہ اگر تم لوگ اس ''ڈیل'' کیلئے تیار ہو تو یہ بات پریس تک نہیں پہنچے گی............امید ہے اس فراخدلانہ پیشکش پر تمہارا کرنل ہمارا شکرگزار ضرور ہوگا......میں تمہارا عندیہ جاننے کیلئے اگلے گھنٹوں میں کسی وقت بھی فون کر لوں گا......اب شوق سے مجھے گرفتار کرو تمہیں فون کی پوزیشن کا علم تو ہو گا چکا ہو......''

دوسری طرف سے تمسخر اڑانے کے انداز میں ''بائے بائے'' کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

غصے سے میجر رائے کا دماغ پھٹنے لگا تھا............

اس نے اندازہ کیا کہ اگر یہ کال کرنل گوپال کرشنا نے ریسیو کی ہوتی تو واقعی غصے سے اس کے دماغ کی شریان ہی پھٹ جاتی۔

اس کے ماتحتوں نے عقل مندی کی تھی جو کرنل کے بجائے میجر رائے کو فون دیدیا تھا......دوسری طرف بات کرنے والے کے زہر میں بجھے طنزیہ الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کے کانوں میں داخل ہوئے اور زہر بن کر اس کی نس نس میں اتر گئے تھے۔

اس کا خون کھولنے لگا تھا............

اسے یوں لگا جیسے مجاہدین نے اس کارروائی کے ذریعے ''را'' کے منہ پر بھرپور طمانچہ رسید کر دیا ہو میجر رائے کو اپنا سارا سسٹم Shake ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ دوسری طرف سے بات کرنے والا کتنا ہوشیار تھا جسے ''را'' کے ہر ممکنہ ردعمل کا اندازہ تھا اور اس نے بڑی کامیابی سے دو تین منٹ تک میجر رائے کی نبضیں دبائے رکھی تھیں۔

میجر رائے کو جہاں کیپٹن ناگرہ کی موت سے خوشی ہوئی تھی۔ وہاں ساری ''ایجنسی'' کی اس طرح ہونے والی بے عزتی پر اس کا خون بھی کھول رہا تھا۔ اس نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے فیصلہ کیا اور واپس میٹنگ روم میں آ گیا۔

خود کو بالکل نارمل رکھ کر اس نے میٹنگ برخاست کی اور اپنے ماتحتوں کو ان ہی احکامات کے ساتھ فیلڈ میں واپس بھیج دیا۔

اب وہ کرنل گوپال کرشنا کے کمرے کی طرف اس آڈیو کیسٹ کے ساتھ جا رہا تھا جس میں فون کرنے والے کی گفتگو ریکارڈ کی گئی تھی......

انہیں فون کی پوزیشن کا علم بھی ہو گیا تھا اور رائے نے اس طرف اپنے آدمی بھی دوڑا دیے تھے.........لیکن وہ بھی جانتا تھا کہ اب وہاں کچھ بھی باقی نہیں بچا ہو گا۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

سترھواں باب

جہانگیر کی مشاورت سے مجاہدین نے یہ منصوبہ ہوشیاری کے ساتھ تیار کیا تھا۔

کیپٹن ناگرہ بڑا کمزور ثابت ہوا اور مجاہدین نے دو تین گھنٹے کے اندر ہی اس سے سارے حقائق اگلوا لئے۔ اس نے کمانڈر گنائی کی شہادت سے العمر کے اسلحہ ڈپو پر حملہ اور مجاہدین کے درمیان منافقت پیدا کرنے والی ''را'' کی کارروائیوں کا سارا بھید اس امید پر کھولا تھا کہ شاید اس طرح اس کی جان بخشی ہو جائے اسے امید تھی کہ اگر اس کے بدلے سودے بازی کی گئی تو ''را'' اس کی رہائی کی ہر قیمت ادا کرنے پر تیار ہو جائیگی۔

لیکن............ مجاہدین نے مشاورت سے اس کی سزائے موت کا فیصلہ کیا تھا............

اس فیصلے پر عملدرآمد اس لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ ''را'' نے مجاہدین کو اندر سے توڑنے کی تین چار کامیاب کوششیں کی تھیں اور سری نگر میں تو صورتحال خاصی کشیدہ بھی ہو رہی تھی۔ ان حالات میں ''را'' کو منہ توڑ جواب دینا ناگزیر تھا۔

مجاہدین نے اس کے دوسرے ساتھی صوبیدار مرلی پرشاد کے بدلے البتہ سودے بازی کا فیصلہ کر لیا تھا اور مختلف تنظیموں کے دس مجاہدین کے نام طے پا گئے تھے جن کی رہائی کو صوبیدار مرلی پرشاد کو رہائی سے مشروط کیا جا رہا تھا۔

کمانڈر مختار نے فون کر کے میجر رائے سے بات کی تھی اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اگر ''را'' نے کوئی چالاکی دکھائی تو اسے ہاتھوں سے لگائی گانٹھیں پھر دانتوں سے کھولنی پڑیں گی۔

کیپٹن ناگرہ کے ذریعے انہیں نصیب علی اور ٹیکسی ڈرائیور رشید کی اصلیت کا علم ہوا تھا اور وہ ان تینوں کو اکٹھے ہی نمونہ عبرت بنا کر ''را'' کو بطور تحفہ پیش کرنا چاہتے تھے۔

☆☆☆

نصیب علی اسی روز صبح معمول کے مطابق اپنی دکان کی طرف جا رہا تھا جب گلی کا ایک موڑ کاٹتے ہوئے اچانک ہی اسے اپنے سامنے دو نقاب پوش چہرے دکھائی پڑے......

''کیا حال ہے چاچا نصیب علی............''

ان میں سے ایک نے اپنے چہرے سے چادر ہٹا کر اسے مخاطب کیا۔

یہ العمر کا سرگرم مجاہد حنیف تھا جو اس کے محلے کا رہنے والا تھا۔

نصیب علی کا دل اتنی زور سے اچانک ہی دھڑکا جیسے ابھی سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر آن گرے گا۔

''ٹھیک ہے بیٹا............ اللہ کا فضل ہے............''

نصیب علی نے چاہا کہ آگے نکل جائے۔

Captured by Qamar Abbas

لیکن............دوسرے مجاہد نے اس کے سامنے اپنے جسم کی دیوار تان لی۔

''صبح صبح کیا بھارتیوں کو کوئی نیا شکار دینے جا رہے ہو............''

حنیف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا............حنیف بیٹے تم میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں............''

اس نے گھبراہٹ سے کہا۔

''نہیں نصیب علی تم نے البتہ اپنے ساتھ بہت بڑا مذاق کیا ہے بلکہ ظلم کیا ہے تم نے اس سارے محلے کی عزت کو داغدار کرنے کی سازش کی ہے۔تم جانتے ہو ہمارا یہ محلہ تحریک آزادی کو اب تک بیس جوانوں کے خون کا نذرانہ پیش کر چکا ہے اور تم نے اس محلے کو شہیدوں کی روحوں کے سامنے شرمسار کیا ہے تم نے کمانڈر گنائی کو شہید کروانے اور مجاہدین کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کی سازش حصہ لیا ہے اور تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا............''

یہ کہتے ہوئے اس نے چیختے چلاتے نصیب علی کا بازو پکڑا اور اسے اپنے آگے آگے چلنے کا حکم دیا۔نصیب علی کو یوں لگا جیسے اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ہو۔حنفی کا ہاتھ آہنی شکنجے کی طرح اس کے کندھے پر جما تھا اور وہ لرزتے قدموں سے جھوٹی قسمیں کھاتا محلے کی طرف جا رہا تھا جہاں مجاہدین نے محلے کے بزرگوں کو جمع کر رکھا تھا۔

مسجد کے صحن میں نصیب علی کو حنیف نے بزرگوں کے سامنے پیش کر دیا جہاں پہلے سے موجود تین مجاہدین نے ابھی اس کو ایک ایک ہاتھ ہی دکھایا تھا جب وہ ان کے قدموں سے لپٹ گیا اور وہ روتے ہوئے اپنے جرم کا اقرار کر کے معافی کا طلبگار رہوا............!

مجاہدین نے بزرگوں کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔جنھوں نے آپس میں مشاورت کے بمشکل پانچ منٹ بعد ہی اپنا فیصلہ سنا دیا کہ نصیب علی کو مجاہدین کے مقامی کمانڈروں کے سامنے پیش کر دیا جائے اور مجاہدین جو بھی فیصلہ کریں گے وہ انہیں قبول ہو گا............

یوں دکھائی دیتا تھا جیسے مقبوضہ کشمیر کے اس حصے میں مجاہدین نے اپنی حکومت قائم کر لی ہو اور بھارتی لا اینڈ آرڈر کا یہاں سے جنازہ نکل چکا ہو۔یہاں بزرگوں کو جیوری کی حیثیت حاصل تھی اور وہ چند منٹ کی مشاورت کے بعد ہی اس فیصلے پر پہنچ گئے تھے کہ آستین کے اس سانپ کا سر کچل دیا جائے تو ہی بہتر ہے............

تڑپتے مچلتے نصیب علی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر مجاہدین اسے اپنے ساتھ لے گئے۔شہر کے لوگ کاروبار حیات میں مصروف ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد ہی کیپٹن ناگرہ اور نصیب علی کی لاشیں بانڈی پورہ کے مضافاتی علاقے سے گزرنے والی ایک معروف شاہراہ پر پڑی تھیں۔

کیپٹن ناگرہ کے گلے میں ایک تختی پر اس کا نام' نمبر ایڈریس اور جرم کی تفصیلات کے ساتھ لکھا گیا تھا کہ مجاہدین نے اسے سزائے موت دی ہے جبکہ نصیب علی کے گلے میں موجود تختی پر صرف ''آستین کے سانپوں کو وارننگ'' کے الفاظ لکھے تھے............

لاشوں کے گرد مقامی لوگ مجمع کی صورت جمع ہو رہے تھے۔اچانک ہی بی ایس ایف کی ایک جیپ اور ٹرک پر سوار جوانوں نے وہاں آ کر لوگوں کو ہوائی فائرنگ کر کے وہاں سے بھگا دیا۔

بی ایس ایف کے جوان کیپٹن ناگرہ کی لاش اپنے ساتھ لے گئے تھے جبکہ نصیب علی کی لاش کو انہوں نے بلندی سے نیچے گزرتے ایک تیز رفتار نالے میں پھینک دیا تھا۔

کرنل گوپال کرشنا کے سامنے ریکارڈ کیسٹ موجود تھی اور وہ اپنے دانت پیستے ہوئے بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

''ڈیم اٹ............''

اس نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو زور سے میز کے کونے پر مارا تو میجر رائے کو یوں لگا جیسے یہ چھڑی اس کے بدن پر رسید کی گئی ہو۔

اس نے اپنی ساری سروس میں آج تک کرنل گوپال کرشنا کو اتنے غصے کی حالت میں اور اس قدر پریشان نہیں دیکھا تھا۔

میجر رائے بلی کی طرح بغیر آواز پیدا کیے سامنے الماری تک گیا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک چھوٹا وسکی کا پیگ تیار کر کے اپنے کرنل کو پیش کر دیا جس نے ایک گھونٹ میں سارا پیگ اپنے حلق میں انڈیل لیا۔

کرنل کرشنا خود کو قدرے نارمل کر رہا تھا اور اب ایک آرام دہ کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا جبکہ میجر رائے نے اس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی تھی۔

''میرا خیال ہے یہ کمانڈر مختار کی آواز ہے............''

کرنل گوپال کرشنا نے نارمل ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے یقین ہے سر! وہ بڑا اذیت پسند ہے۔ہمیں پریشان کرنے کیلئے ایسی حرکتیں کرتا رہتا ہے۔یقیناً وہی اتنی جرأت اور بیباکی سے بات کر سکتا ہے............''

میجر رائے نے کہا۔

ابھی کرنل نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا ہی تھا جب اسے اپنے انٹر کام پر اہم وائرلیس میسج کی اطلاع ملی۔

دوسرے ہی لمحے وہ وائرلیس ہیڈ فون کانوں سے لگائے کھڑا تھا۔

دوسری طرف لائن پر اس ایریا کا بی ایس ایف کمپنی کمانڈر اس سے بات کر رہا تھا۔

اس نے دونوں لاشوں کی اطلاع دے کر بتایا کہ نصیب علی کی لاش انہوں نے راستے میں نالے میں پھینک دی ہے اور کیپٹن ناگرہ کی لاش ساتھ لے آئے ہیں............

کرنل نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

لاش ''را'' کے آفس تک پہنچانے اور راز داری کی تلقین کے ساتھ اس نے سلسلہ منقطع کر دیا اور دوسرے فون پر اب وہ اپنی ہیلی کاپٹر سروس سے رابطہ کر رہا تھا۔

''ایک لاش فوری طور پر جموں پہنچانی ہے......ہری اپ............''

اس نے احکامات جاری کیے اور میجر رائے سے مخاطب ہوا............

''یہاں تھوڑا سا سٹاف چھوڑ دو......ہمیں ابھی اسی وقت اپنا آفس تبدیل کرنا ہے۔ان کی طرف سے جیسے ہی ناموں کی لسٹ ملے سارا سیٹ اپ ختم کر دو......اگر ایجنسی کے آفس بھی غیر محفوظ ہیں تو پھر یہاں محفوظ کیا رہ گیا ہے............''

''یس سر............''

میجر رائے نے ایڑیاں بجا کر اسے تعظیم دی اور کمرے سے باہر آ گیا۔وہ اپنے کمانڈنگ آفیسر کے موڈ سے آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ اس وقت کرنل گوپال کرشنا کو تنہائی درکار ہے کیونکہ وہ کوئی بھی اہم فیصلہ تنہائی میں کیا کرتا تھا............!!

میجر رائے نے اگلے دو گھنٹے بعد اسے ان دس مجاہدین کے ناموں کی لسٹ تھما دی جن کو رہا کرنے کی مجاہدین نے ڈیمانڈ کی تھی............

ایک زہریلی مسکراہٹ کرنل گوپال کرشنا کے ہونٹوں پر لہرائی اور دم توڑ گئی۔

''ٹھیک ہے......انہیں رہا کر دو......آج رات ان سب کو رہا کر کے بانڈی پورہ کے اس محلے کے نزدیک چھوڑ آؤ جہاں اس ٹریجڈی

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

کا آغاز ہوا تھا............"

کرنل گوپال کرشنا نے میجر رائے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"سر............"

میجر رائے نے کچھ کہنے کیلئے منہ ہی کھولا تھا جب کرنل کرشنا نے اس کی بات کاٹ کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے کہا۔

"وہ جو کچھ بھی کریں کرنے دو............ جنگ میں ہمیشہ ایک ہی فریق نہیں جیتا کرتا............ میں ایک لمحے کیلئے بھی ان کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کو تیار نہیں ہوں...... مر جانے دو صوبیدار مرلی پرشاد کو............ دکھانے دو اس کی فلمیں اور ہونے دو پریس کو خبر...... میں دیکھ لوں گا...... انہیں آج رات تک یہ میسج پہنچ جائے کہ ابھی دس لاشیں آئی ہیں اگر کوئی فلم یا پیغام پریس تک پہنچا تو یاد رکھنا ہمارے پاس دس ہزار سے زیادہ کشمیری عقوبت خانے میں موجود ہیں...... اور ہاں...... کوشش کرو صوبیدار کو وہ خود ہی مار ڈالیں...... اگر ایسا نہیں تو تم اسے مار ڈالنا............ Finish it"

اس نے اپنی بات مکمل کی اور گردن کو جھٹکا دے کر باہر نکل گیا۔

میجر رائے ایک مرتبہ لرز کر ہی رہ گیا۔

☆☆☆

کمانڈر مختار اور اس کے ساتھیوں کو یقین تھا کہ "را" کا ایریا کمانڈر کرنل گوپال کرشنا اپنی ایجنسی کی ساکھ بچانے کیلئے اس "ڈیل" پر ہاں کر دے گا۔ کیونکہ وہ اپنے پیشرو ایریا کمانڈر سے کچھ مختلف مزاج کا حامل تھا اور اس کے نزدیک اپنی ایجنسی کی پریسٹیج برقرار رکھنا بہت ضروری سمجھا جاتا تھا اس نے بڑا پرامید ہو کر فون پر رابطہ کیا تھا۔

کال ملنے پر دوسری طرف اسے یہی بتایا گیا تھا کہ اس سے کرنل گوپال کرشنا بات کر رہا ہے لیکن لائن پر میجر رائے موجود تھا۔

"آپ لوگوں نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

اس نے چھٹتے ہی دریافت کیا۔

"ہمیں تمہاری پیشکش قبول ہے...... آج رات تک تمہارے ساتھیوں کو اکٹھا کر لیں گے اور کل شام کے بعد تم جہاں کہو انہیں وہاں چھوڑ دیا جائے گا...... لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم لوگ اس کے بعد حوالدار مرلی پرشاد کو رہا کر دو گے؟"

دوسری طرف سے میجر رائے نے بڑے پرسکون لہجے میں دریافت کیا۔

"میرا خیال ہے ماضی کی تاریخ کا اگر آپ کو علم ہے تو ایسا سوال آپ کبھی نہ کرتے۔ ہم نے کبھی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ریکارڈ اس بات کا گواہ ہے............"

کمانڈر مختار نے کہا۔

"اپنے ساتھیوں کی رہائی کے کتنی دیر بعد تم مرلی پرشاد کو رہا کرو گے............"

میجر رائے نے اگلا سوال دریافت کیا۔

"پندرہ منٹ بعد............"

جواب ملا۔

"کہاں؟"

میجر رائے نے پوچھا۔

''جہاں آپ پسند کریں گے............''

کمانڈر مختار نے جواب دیا۔

وہ اس مرحلے پر بھی کامیاب نفسیاتی جنگ لڑ رہا تھا اور ''را'' کو باور کروانا چاہتا تھا کہ ان کی حکومت صرف چھاؤنیوں اور سرکاری دفاتر تک ہی محدود ہے اور اس سارے شہر میں وہ آسانی سے نقل وحرکت کر سکتے ہیں۔

''ٹھیک ہے تم لوگ اسے وہیں چھوڑ دینا جہاں سے گرفتار کیا تھا۔ہم تمہارے تمام ساتھیوں کو باندی پورہ شہر کے باہر کل رات تک رہا کر دیں گے............''

''ٹھیک ہے............''

یہ کہہ کر کمانڈر مختار نے فون رکھ دیا۔اب وہ بظاہر مطمئن اپنے ٹھکانے کی طرف جا رہا تھا۔جہاں جہانگیر اور دوسرے ساتھی اس کے منتظر تھے۔حوالدار مرلی پرشاد کو انہوں نے ابھی تک ''العمر'' کے ایک خفیہ ٹھکانے پر کمانڈر خالد کی نگرانی میں رکھا ہوا تھا۔

مختار نے جب انہیں حرف بحرف ''را'' کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنائی تو وہاں موجود سب مجاہدین کے منہ سے بے ساختہ الحمدللہ نکلا۔

لیکن............جہانگیر خاموش رہا۔

''کیا بات ہے جہانگیر بھائی............آپ کیا اس فیصلے سے مطمئن نہیں؟''

کمانڈر خالد نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا

''نہیں............''

جہانگیر کے منہ سے بے ساختہ ہی نکل گیا۔

سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔مجاہدین حیرانی اور پریشانی کے ملے جلے جذبات لئے اس کی طرف متوجہ تھے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟''

اس مرتبہ کمانڈر مختار نے پوچھا تھا۔

''مختار بھائی برا مت ماننا۔مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے............''

جہانگیر نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

''لیکن اس کی کوئی معقول وجہ تو ہوگی............''

اس مرتبہ کمانڈر خالد نے قدرے اونچی آواز میں کہا تھا۔

''ہاں ہے............کیا آپ لوگ بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں سے متعلق کسی خوش فہمی کا شکار ہیں!میرا دل نہیں مانتا کہ انہوں نے ہمارے دس ساتھیوں کو محض دو ٹیلی فون کالوں کے بعد رہا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی جبکہ ہم نے ان کے ایک کیپٹن کو مار ڈالا اور ان کے خلاف کیے بعد دیگرے تین چار کامیاب کارروائی بھی کی ہیں............''

جہانگیر نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔ابھی تک وہ اپنی زبان پر وہ امکانات لانے سے ہچکچا رہا تھا جو مستقبل میں ممکن ہو سکتے تھے۔

کمانڈر خالد اور مختار دونوں نے ایک لمحے کیلئے اس کی طرف دیکھا پھر دونوں ہی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

واقعی جہانگیر نے سچ کہا تھا............!!

''آپ کے خیال میں ان کا ردعمل کیا ہو سکتا ہے............''

کمانڈر مختار نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا حالانکہ جہانگیر نے اس سوال کا جو بھی جواب اسے دینا تھا اس کا کمانڈر مختار کو بخوبی اندازہ تھا۔

''خدا نہ کرے ایسا ہو لیکن مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ انتقاماً ہمیں بہت سی لاشوں کا تحفہ دیں گے کم از کم ان دس مجاہدین کے متعلق جن کی لسٹ ہم نے انہیں دی ہے میں کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں...........''

جہانگیر نے کہا۔

کمانڈر مختار اور خالد نے گردن جھکا لی۔ شاید ان دونوں کو اس بات کا افسوس ہو رہا تھا کہ انہوں نے اتنے اہم فیصلے کرتے ہوئے جہانگیر کو کیوں اعتماد میں نہیں لیا۔

☆☆☆

جہانگیر کو یہ بات کہہ کر عجیب سے پچھتاوے کا احساس ہونے لگا تھا...........!

لیکن........... اس کا ضمیر مطمئن تھا کہ اس نے سچ بات کہہ دی ہے۔ اب بھی ممکن تھا کہ مجاہدین اگلے چوبیس گھنٹوں میں کوئی بھی ایسا منصوبہ بنا لیتے جس سے وہ ''را'' کی سازش کو ''ڈیبلنس'' کر سکیں اور پھر اس کے ذہن نے خود ہی اس طرف رہنمائی بھی کر دی۔

''فی الوقت میرے ذہن میں ایک ہی بات آ رہی ہے...........''

جہانگیر نے کہا اور سب ہمہ تن گوش ہو گئے۔

کمانڈر خالد اور مختار نے امید بھری نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

''اس علاقے میں موجود مجاہدین کے تمام گروپس بانڈی پورہ کی طرف آنے والے راستوں پر دور تک ناکہ بندی کر لیں۔ میرا خیال ہے وہ لوگ اگر انہوں نے خدانخواستہ گرفتار مجاہدین کی شہادت کا منصوبہ بنا لیا ہے تو انہوں یہیں لا کر مقابلہ یا فرار کا ڈرامہ رچائیں گے۔ اس طرح ممکن ہے ہم ان کی کچھ مدد کر سکیں...........''

جہانگیر نے اپنی بات مکمل کی۔

وہاں موجود تمام مجاہدین پر سناٹا طاری تھا.......!

''ٹھیک ہے...........''

کمانڈر مختار نے کہا۔

کمانڈر خالد نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ انہوں نے فوراً ہی وہاں زمین پر نقشہ پھیلا لیا تھا اور مشاورت کرنے لگے تھے قریباً آدھ گھنٹہ کی عرق ریزی کے بعد بالآخر انہوں نے ایک الگ نقشہ بنا کر ایسی خفیہ کمین گاہوں کی نشاندہی کر لی تھی جن پر چھپ کر وہ بھارتی فوج پر گھات لگا سکتے تھے۔

یہ بڑا اہم مشن تھا جس کی کامیابی پر ہی مجاہدین اپنے ساتھیوں کو ''را'' کے شکنجے سے نکال کر اپنی نفسیاتی برتری برقرار رکھ سکتے تھے۔ بصورت دیگر اس علاقے میں اگر ایک مرتبہ بھارتیوں کو قدم جمانے کا موقع مل جاتا تو وہ ان کیلئے بے پناہ مسائل پیدا کر دیتے۔

''میرے خیال سے اب ہمیں ایک لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہیے...........''

کمانڈر مختار نے کہا۔

دوسرے ہی لمحے مجاہدین کے مختلف گروپ کمانڈر اپنے اپنے ساتھیوں کو الگ الگ سے ہدایات جاری کر رہے تھے۔

اگلے روز سر شام ہی انہوں نے خود بانڈی پورہ کی طرف آنے والے راستوں پر اس طرح ''کیموفلاج'' کر لیا تھا کہ بھارتیوں کیلئے انہیں تلاش کرنا ممکن نہ رہا۔ ان کی مورچہ بندی اس مفروضے پر قائم کی گئی تھی کہ بھارتی فوج ڈیمانڈ کردہ مجاہدین کو اس علاقے میں ہی لا کر شہید کرے گی اور

وہ اس طرف آنے والے کسی بھی بھاری کنوائے پر گھات لگا کر حملہ کریں تو ان کے قبضے میں موجود مجاہدین کو ان کے قبضہ سے فرار کروانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مجاہدین جانتے تھے کہ وہ اپنے تمام ساتھیوں کو بہر صورت نہیں بچا پائیں گے۔

لیکن............وہ اس طرح اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ساتھیوں کو بے بسی سے مرتے ہوئے دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔

☆☆☆

عین ان لحات میں جب مجاہدین اپنی منصوبہ بندیوں میں مصروف تھے۔ جہانگیر اور کمانڈر مختار ایک نئے منصوبے پر عمل کرنے جا رہے تھے جہانگیر نے اپنا عندیہ تو ظاہر کر دیا تھا لیکن ان دونوں کو ابھی تک سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اگر ان کے خدشات درست ہی ثابت ہوئے تو اس کا ازالہ کیسے ممکن ہوگا۔

اچانک ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح مختار کے دماغ پر لپکا اور اس نے اسے تائید غیبی ہی سمجھا۔ انہیں یقین تھا کہ اگر وہ اس منصوبے پر کامیابی سے عمل کر گزرتے تو ''را'' کے ساتھ اپنی گیم کو بیلنس کر سکتے تھے۔

کمانڈر مختار کو اگلے ہی روز اپنے ذرائع سے خبر ملی تھی کہ سوپور کے ریسٹ ہاؤس میں آج رات ڈی آئی جی پولیس رادھے شیام نے جو اس علاقے کا دورہ کر رہا تھا قیام کرنا ہے کیونکہ حکومت نے مقبوضہ کشمیر میں نام نہاد انتخابات کروانے کیلئے تیاریاں شروع کی ہوئی تھیں اور ان کا خیال تھا کہ اگر مقامی سسٹم کو وہ منظم کر لیں تو کچھ عجب نہیں کہ اس کی مدد سے وہ کسی حد تک ہی سہی انتخابات کا ''ٹرن آوٹ' Turn out' لے سکیں گے۔ اس طرح عالمی پریس کے سامنے اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کا موقعہ تو مل ہی جائے گا۔

ڈی آئی جی رادھے شیام کا تعلق تو سری نگر سے تھا۔

لیکن............مقبوضہ جے اینڈ کے پولیس میں اسے بڑا اعلیٰ دماغ سمجھا جاتا تھا اور یہ باور کیا جاتا تھا کہ وہ سوپور' بانڈی پورہ' اسلام آباد اور گرد و نواح کے علاقوں میں موجود بھارت نواز کشمیریوں کو احساس تحفظ دلا کر انتخابات کی تیاریں میں حصہ لینے پر آمادہ کر سکے گا۔

رادھے شیام مقامی کانگریس اور بھارت نواز لیڈر شپ کے ساتھ علاقوں کے خفیہ دورے پر نکلا ہوا تھا جس کے بعد اس نے سرکاری طور پر دلی سرکار کو رپورٹ مرتب کر کے دینی تھی اور اس رپورٹ کے بعد ہی بھارتی حکومت کوئی اگلا قدم اٹھاتی۔

رادھے شیام کے اس دورے کو بہت خفیہ رکھا گیا تھا اور صرف چوٹی کے چند بھارت نواز سیاسی ورکرز کو ہی اس کی نقل و حرکت سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ ایسے ہی ایک ''ورکر'' نے جو درا صل مجاہدین کا ''سورس'' تھا کمانڈر مختار کو بتایا تھا کہ آج رات رادھے شیام نے مقامی ریسٹ ہاؤس میں قیام کرنا ہے۔

''اگر ہم آج رات ڈی آئی جی رادھے شیام کو اغواء کر لیں تو شاید خطرہ ٹل جائے اور ہم پھر سودے بازی کی بہتر پوزیشن میں آ جائیں''

کمانڈر مختار کی بات سن کر جہانگیر نے فوراً ہی جیسے اس کے دل کی بات کہہ دی۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن اس مہم پر تم ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے کیونکہ یہاں کامیابی کے امکانات بیس فی صد سے بھی کم ہیں............''

کمانڈر مختار نے کہا۔

''کمال ہے۔ تجویز بھی میں نے پیش کی اور میں ہی نہ جاؤ یہ کیسے ممکن ہے............''

جہانگیر نے کہا۔

تھوڑے رد و قد کے بعد بالآخر کمانڈر مختار نے بادل نخواستہ اسے ساتھ لے جانے پر تیار ہو ہی گیا۔

اس مشن کی اہم نوعیت کے پیش نظر انہوں نے اسے اپنے ساتھیوں سے بھی فی الحال خفیہ رکھا تھا۔ کمانڈر مختار اور جہانگیر کے علاوہ صرف

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

ایک مجاہد ان کی معاونت کیلئے ساتھ تھا۔ انہوں نے اپنے فرن میں ہینڈ گرنیڈ اور پستول چھپا رکھے تھے...... صرف جہانگیر کے پاس "اوزی" گن موجود تھی۔

تینوں شام ڈھلے گھر سے باہر آ گئے اور پیدل ہی اپنی منزل کی طرف گامزن ہوئے۔ انہوں نے سواری کیلئے پہلے ایک مقامی بس کا سہارا لیا لیکن اپنے ٹارگٹ سے دو تین فرلانگ دور ہی اتر گئے۔

"ساحلی ریسٹ ہاؤس" یہاں کا مشہور ریسٹ ہاؤس تھا۔ جسے محکمہ جنگلات کے اعلیٰ آفیسر استعمال کیا کرتے تھے اور اب وہ سیکیورٹی فورسز کے زیر استعمال تھا۔ اسی ریسٹ ہاؤس میں ڈی آئی جی راد ھے شیام مقیم تھا۔

کمانڈر مختار اور اس کا ساتھی عمران اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ البتہ جہانگیر کیلئے یہ جگہ اجنبی تھی۔ اسے کمانڈر مختار نے نقشہ کی مدد سے سب کچھ سمجھا دیا تھا اور ٹارگٹ سے کچھ فاصلے پر بھی انہوں نے ایک جگہ رک کر اسے ہاتھ کے اشارے سے مختلف راستوں کی نشاندہی کر دی تھی۔

تینوں اب بہت محتاط ہو کر اور ریسٹ ہاؤس کی طرف جانے والی سڑک سے ہٹ کر درختوں کی اوٹ میں چھپتے چھپاتے اسی طرف جا رہے تھے۔ یہ علاقہ خاصا سرسبز اور گھنے درختوں سے بھرا ہوا تھا۔

لیکن..............

ان تینوں کی توقعات کے برعکس "را" ضرورت سے زیادہ چوکس تھی۔ ان کے بس سے اترنے کے فوراً ہی بعد سڑک کے کنارے ایک سائیکل پر گزرتے سوار نے جب ان تینوں کو یہاں اترتے دیکھا تو اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا۔

یہ "را" کا مقامی ایجنٹ تھا جو یہاں بھیس بدل کر رہتا تھا............!

☆☆☆

نقش جیلانی

حیات و تعلیمات شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مستند کتاب، جسے آپ تک پہنچایا ہے محمد یوسف جاوید (قلمی نام محمد ابوخلدون) نے۔ پہلے باب میں حضرت شیخ کی پیدائش سے لے کر ان کے سفر بغداد کے حالات کا ذکر ہے۔ دوسرا باب ان حالات کا جائزہ ہے جن سے حضرت شیخ سے پہلے اور ان کی زندگی میں امت مسلمہ گزر رہی تھی۔ تیسرا باب حضرت شیخ کی دینی تعلیم اور اس کے بعد حضرت حماد بن مسلم کی مجلس میں حاضری اور ان کی صحبت میں راہ طریقت طے کرنے کے بارے میں ہے۔ چوتھا باب حضرت کی زندگی کے دیگر حالات اور بعض اکابرامت کے ان کے بارے میں تاثرات پر مبنی ہے۔ پانچواں باب تصوف یا تزکیہ باطن کا ایک عمومی تعارف ہے اور ساتھ ہی اس بارے میں حضرت شیخ کی بعض تعلیمات بھی آ گئی ہیں۔ چھٹا باب حضرت شیخ کی تصنیفات کا ایک مختصر جائزہ ہے۔ ساتواں باب حضرت شیخ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہی باب اس کتاب کا مرکزی باب ہے۔ اس میں عقائد، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات پر حضرت شیخ کے اقوال ان کی تصنیفات سے پیش کیے گئے ہیں۔ **نقش جیلانی** ، کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **تحقیق و تالیف** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ریسٹ ہاؤس کے تین چار کلومیٹر ایریا میں چاروں طرف کرنل گوپال کرشنا نے جاسوسی کا جال بچھا رکھا تھا۔ وہ اس مرحلے پر کوئی معمولی سا دھچکا بھی برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ اسے علم تھا کہ اس طرح مجاہدین نے بھی ان علاقوں میں اپنے مخبروں کا جال پھیلا رکھا ہے۔ خصوصاً مقبوضہ کشمیر کی بھارت نواز سیاسی جماعتوں میں ان کے ہمدرد خاصی تعداد میں موجود تھے جو انہیں پل پل کی خبر سے آگاہ رکھتے تھے۔

اسے یہ تو علم نہیں تھا کہ مجاہدین کو اس کے گھناؤنے منصوبے کا ادراک ہو گیا ہے اس نے تو حفظ ماتقدم کے لئے ڈی آئی جی رادھے شیام کی خصوصی نگرانی کروائی تھی کیونکہ کرنل گوپال کرشنا کو یقین ہو چلا تھا کہ یہاں موجود سکیورٹی فورسز کے سارے نظام کو مجاہدین نے لپیٹ کر رکھ دیا ہے اور وہ جب بھی چاہیں سارے سکیورٹی سسٹم کیلئے چیلنج بن سکتے تھے۔

رادھے شیام کی آمد پر اس نے مجاہدین کے جوابی مخبری نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس ریسٹ ہاؤس کے گرد اگرد تین چار کلومیٹر میں اپنے جن ایجنٹوں کا جال پھیلایا تھا ان میں سے ایک بھی مسلمان نہیں تھا کیونکہ گوپال کرشنا اس مرحلے پر کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ ایک ذہین انٹیلی جنس آفیسر ہونے کے ناطے اس نے اس تلخ حقیقت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا کہ جو شخص چند ٹکوں کے عوض اپنے ہم مذہبوں کیخلاف کام کرنے پر آمادہ ہوا سے مزید چند ٹکوں کے عوض دشمن ان کیخلاف بھی استعمال کر سکتا ہے۔

اپنے ہیڈ کوارٹر میں سڑک پر "مشتبہ نقل و حرکت" اور تین مشتبہ نوجوانوں کی خبر نے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جما دی تھی.......... اس نے مقامی آفیسر انچارج کو مزید چوکس رہنے کا حکم دے کر میجر رائے کو طلب کر لیا تھا جس نے یہ پیغام خود موصول کر کے اس تک پہنچایا تھا۔

"چلو اچھا ہو گیا.......... جن دس کو ہم آزاد کرنے جا رہے تھے ان کی جگہ پوری کرنے کیلئے تین تو آج ہی مل گئے باقی سات بھی آج کل میں مل جائیں گے۔ ان کی گنتی کم نہیں ہوگی.........."

اس نے زہریلی مسکراہٹ میجر رائے کی طرف اچھالی۔

"لیس سر.........."

میجر رائے جانتا تھا کہ اس موڈ میں دکھائی دینے والا کرنل گوپال کرشنا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔

"میر صاحب اس ایریا کا ہر نوجوان جو دہشت گردی میں ملوث ہے زبردست اہمیت کا حامل ہے اگر یہ تینوں مشتبہ دہشت گرد ہیں تو معمولی ملزم نہیں ہو سکتے کیونکہ ان حالات میں رادھے شیام کو اغوا کرنے کی ہمت کرنا بچوں کا کھیل نہیں .... یقیناً اگر وہ اس طرف آئے تو رادھے شیام کو اغوا کرنے کی نیت ہی سے آئے ہوں گے میرا خیال ہے اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک بچ کر نکل جائے تو ہمارے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہوگا.........."

اس نے میجر رائے کو اپنا منصوبہ سمجھاتے ہوئے فوراً صورتحال کا کنٹرول خود سنبھالنے اور اسے پل پل کے واقعات سے آگاہ رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے میجر رائے "ان ایکشن" تھا۔

اس نے اپنے منصوبے کے مطابق ریسٹ ہاؤس کی نگرانی پر مامور اپنے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ یہاں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے اور ڈی آئی جی رادھے شیام کو محفوظ راستے سے "را" کے سیف ہاؤس میں منتقل کر دیا جائے۔

میجر رائے کے احکامات موصول ہوتے ہی "را" کی ٹیم حرکت میں آ گئی تھی۔ انہوں نے رادھے شیام کو اعتماد میں لے کر اگلے دن منٹ کے اندر یہاں سے نزدیک ہی اپنے ایک "سیف ہاؤس" پر منتقل کر دیا تھا۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

رادھے شیام کی حفاظت پر متعین بی ایس ایف اور آرمی کے جوانوں کو کانوں کان بھی خبر نہ ہو سکی کہ ''را'' کے خصوصی بلیک کیٹس نے اگلے بیس منٹ میں ریسٹ ہاؤس کے گرداگرد تین فرلانگ کے ایریا کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ ان کی ترتیب ایسی تھی کہ جس کے درمیان سے نکلنا مجاہدین کیلئے بہت مشکل ہوتا۔ یہ بھارتی فوج کے خصوصی کمانڈوز تھے جنہیں کمانڈو ٹریننگ مکمل کرنے کے بعد ''را'' کی کمان میں دیدیا جاتا تھا۔ یہ ''را'' کا عسکری ونگ تھا جسے بطور خاص مار دھاڑ اور قتل و غارت کی تربیت دی جاتی تھی۔

یہ لوگ درندوں کی طرح خون کی بو پر لپکتے اور اپنے شکار کو چیر پھاڑ کر رکھ دیتے۔

اس گروپ کو آج تین مجاہدین کی زندہ گرفتاری کیلئے میدان میں اتارا گیا تھا۔ انہیں کرنل گوپال کرشنا نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو کم از کم ایک مجاہد کو زندہ اس کے حضور پیش کیا جائے............''

بلیک کیٹس کا حکم ہضم کرنا خاصا مشکل تھا لیکن......اپنے افسر اعلیٰ کے حکم کی تعمیل ان پر لازم تھی۔

میجر رائے یہاں سے قریباً جو کلومیٹر دور ایک بکتر بند گاڑی میں اپنا ''فیلڈ ہیڈ کوارٹر'' سجائے بیٹھا تھا۔ بلیک کیٹس کی کمان براہ راست اس کے ہاتھ میں تھی۔

اندھیرے میں دن کی روشنی کی طرح کام کرنے والی دوربینوں والے بلیک کیٹس نے اندھیرے میں چاروں طرف نگرانی شروع کر دی تھی۔ جلد ہی ان کو گوہر مقصود ہاتھ آتا دکھائی دیا۔

''واکی ٹاکی'' پر آپریشن کمانڈر کو میسج مل گیا تھا کہ ریسٹ ہاؤس کی پشت پر موجود جنگل کے عقب میں پہاڑی کے دامن میں بنے قبرستان کی طرف سے تین سائے اس طرف بڑھ رہے ہیں۔

کمانڈر مختار نے ریسٹ ہاؤس کی طرف جانے کیلئے جو راستہ اختیار کیا تھا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اگر اس علاقے میں عام سکیورٹی فورسز ہی موجود رہتیں تو انہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ یہ ان کی بدقسمتی یا پھر کرنل گوپال کرشنا کی خوش قسمتی تھی کہ اس نے ڈی آئی جی رادھے شیام کے اغوا کے خطرے کو پیش نظر رکھا اور مناسب انتظامات کئے ہوئے تھے۔

''سٹینڈ بائی............''

آپریشن کمانڈر نے میجر رائے کو اطلاع دینے سے پہلے اپنے جوانوں کو حالت جنگ میں رہنے کا حکم دیا تھا۔

میجر رائے نے اس کا پیغام موصول ہوتے ہی اپنے سامنے گاڑی کی دیوار پر لٹکے نقشے پر کچھ لکیریں کھینچ کر مجاہدین کے اس طرف آنے والے رستے کا تعین کیا۔ وہ مجاہدین کی اختیار کردہ حکمت عملی پر حیران رہ گیا۔

اس سمت سے حملے کا گمان تو کسی کو گزرہی نہیں سکتا تھا۔

''سامنے کی طرف سے راستہ خالی کر دو اور انہیں احتیاط سے پشت سے گھیر ڈال لو............''

میجر رائے نے اپنے جوانوں کو اگلا حکم جاری کیا۔

بھارتی بلیک کیٹس نے اپنی اعلیٰ ترین مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجاہدین کی پشت پر اپنا نصف دائرہ مکمل کر لیا تھا۔ اب انہوں نے اپنی دانست میں ان کے فرار کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں اور اگلے حکم کے منتظر بیٹھ گئے تھے۔

اٹھارواں باب

کمانڈر مختار آگے آگے چل رہا تھا۔ دونوں اس کے تعاقب میں پنجوں کے بل چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ جہانگیر کو یقین تھا کہ جس سمت سے ریسٹ ہاؤس کی پشت تک پہنچنے کا پروگرام کمانڈر مختار کے ذہن میں ہے اس میں انہیں کامیابی ضرور حاصل ہوگی۔

اچانک ہی آگے چلتے چلتے کمانڈر مختار پیروں کے بل زمین پر بیٹھ گیا تھا............ اس نے ہاتھ کے اشارے سے جہانگیر کو اپنے نزدیک بلایا اور اپنے گلے میں لٹکی نائٹ ویژن دوربین اسے تھما کر سامنے کی سمت اشارہ کیا۔

اس کے اشارے پر جہانگیر نے دوربین اپنی آنکھوں سے لگائی اور سامنے اندھیرے میں نظریں جما دیں۔ ان کے سامنے کچھ فاصلے پر موجود درختوں کے عقب سے جھانکتا ڈاک بنگلہ دکھائی دیا جس میں رادھے شیام ان کے مخبر کی اطلاع کے مطابق آرام کر رہا تھا۔ جسے انہوں نے یہاں سے اغوا کر کے لے جانا تھا۔ جہانگیر کو علم تھا کہ اگر کسی طرح وہ رادھے شیام تک پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے تو یہاں موجود پہرے داروں کی موجودگی میں بھی اسے گن پوائنٹ پر اغوا کر کے لے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ ڈی آئی جی کی جان کو داؤ پر لگانے کا خطرہ کوئی بھی مول نہیں لے گا۔

انہوں نے منصوبہ یہی بنایا تھا کہ جہانگیر کھڑکی کے راستے ڈاک بنگلہ کے اس کمرے میں داخل ہوگا جہاں ان کے یقین کے مطابق رادھے شیام موجود تھا۔ کمانڈر مختار اور ان کے تیسرے ساتھی نے کچھ فاصلے سے اس کی حفاظت کرنی تھی تاکہ اچانک پیش آمدہ صورتحال کا تدارک کر سکیں۔

کمانڈر مختار خود کھڑکی کے راستے کمرے میں کودنے پر بضد تھا۔

لیکن...... اس کے زخمی بازو اور فربہ جسم کے پیش نظر قرعہ فال جہانگیر کے نام پڑا تھا۔ اسے مجاہدین نے خصوصی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔

تینوں بڑی احتیاط سے قدم قدم چلتے بالآخر ڈاک بنگلے کی پشت پر موجود اس کھڑکی کے نزدیک پہنچ گئے تھے جس سے گزر کر جہانگیر نے کمرے میں اترنا تھا۔

کمانڈر مختار اور اس کے دوسرے ساتھی نے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔ ان کے پاس کچھ ہینڈ گرنیڈ اور ایک ایک پستول اس کے علاوہ کچھ اور کپڑوں میں چھپا کر یہاں تک لانا ممکن ہی نہیں تھا۔

اپنی دانست میں تو وہ بڑی کامیابی سے اپنی منزل تک پہنچ گئے تھے۔

لیکن............ ان تینوں کو اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ قبرستان سے یہاں تک ان کی ایک ایک حرکت پر بلیک کمانڈوز نے نظر رکھی تھی اور وہ بلی کی طرح پنجوں کے بل چلتے ان کے تعاقب میں نصف دائرہ بنا کر آ رہے تھے تاکہ موقعہ ملنے پر اپنے طے شدہ منصوبے پر انہیں للکار کر ہتھیار پھینکنے اور گرفتاری کیلئے خود کو پیش کرنے کیلئے کہہ سکیں۔

بکتر بند گاڑی میں موجود میجر رائے کو ایک ایک لمحے سے خبردار کیا جا رہا تھا اور وہ ایک ماہر فوجی کمانڈر کی طرح اپنا گھیرا مجاہدین کیخلاف آہستہ آہستہ تنگ کرتا جا رہا تھا۔

جہانگیر اب کھڑکی کے نیچے کھڑا حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر ایک نتیجہ پر پہنچنے کے بعد اس نے اوزی گن کو اپنے گلے میں ہار کی طرح لٹکایا اور کھڑکی سے ملحقہ پرنالے کے ذریعے دیوار پر چڑھنے لگا۔

پرانے طرز تعمیر کی حامل اس عمارت کی کھڑکی قدرے بلندی پر بنی ہوئی تھی۔ جہانگیر نے اس برساتی پرنالے کے ذریعے قدرے اوپر جا کر کھڑکی کھول کر اندر کودنے کا پروگرام بنایا تھا۔

ابھی اس نے بمشکل پرنالے پر اپنے ہاتھ جمائے ہی تھی جب اچانک اسے محسوس ہوا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔ ڈاک بنگلے کی چھت سے سرچ لائٹ کی تیز روشنیاں اچانک یوں جاگیں کہ انہوں نے رات کو دن میں بدل دیا۔

''ہالٹ............

ہینڈز اپ.........

خبردار..........''

اس کے چاروں طرف سے آوازیں سنائی دیں۔

☆☆☆

جہانگیر دھپ کی آواز پیدا کرتا زمین پر قدموں کے بوجھ پر آ گرا۔ اسی اثناء میں کمانڈر مختار نے اپنی جان پر کھیل کر جست لگائی اور بہت نزدیک پہنچ کر پستول سے یکے بعد دیگرے دو تین گولیاں سرچ لائٹ پر فائر کر دیں۔ ان کی خوش قسمتی تھی کہ دو گولیاں لائٹ پر لگیں اور اندھیرا چھا گیا

لیکن............ دوسرے ہی لمحے ان کے گرد اگرد گولیاں بارش کے اولوں کی طرح گرنے لگیں۔

دشمن انہیں طے شدہ سکیم کے مطابق ہراساں کرنے کیلئے اس انداز سے فائرنگ کر رہا تھا کہ وہ گھبرا کر ہتھیار پھینک دیں اور ہاتھ کھڑے کر کے خود کو گرفتاری کیلئے پیش کر دیں۔

لیکن............

ان کی توقعات کے برعکس ان کا مقابلہ آہنی ارادوں کے مالک مرد مومنوں سے تھا جنہوں نے اس طرح جیتے جی ہتھیار پھینکنا سیکھا ہی نہیں تھا

مختار نے پلک جھپکتے میں اپنے تین اطراف ہینڈ گرنیڈ پھینک دیئے تھے۔ یہی عمل تیسرے مجاہد نے اختیار کیا جبکہ جہانگیر نے اپنی گن سیدھی کر لی تھی اور وہ اندازے سے اس سمت بھاگا تھا جس طرف اس کی دانست میں حملہ آور موجود نہیں تھے۔

کمانڈر مختار اور اس کے ساتھی نے اپنی جنگی تربیت کے مطابق الگ الگ سمت میں پسپائی اختیار کی تھی۔ منجھے ہوئے سپاہیوں کی طرح انہوں نے ایک ہی طرف فرار ہونے کے بجائے تین مختلف سمتوں میں فرار اختیار کیا تھا تا کہ دشمن کی طاقت منتشر ہو جائے اور تمام فوجی ایک ہی طرف اپنا زور صرف کرنے کے بجائے تین سمتوں میں الجھ جائیں۔

ان کی یہ حکمت عملی قدرے کامیاب رہی تھی............!!

اندھیرے میں انہیں دشمن دکھائی تو نہیں دیا تھا البتہ گولیاں ان کے نزدیک سے گزر رہی تھیں۔ ان کا ایمان تھا کہ کوئی غیبی طاقت انہیں اس اندھا دھند فائرنگ سے محفوظ رکھ رہی ہے کیونکہ بلیک کیٹس کے پاس نائٹ ویژن موجود تھیں۔ ان کی بندوقوں پر یہ دوربینیں نصب تھیں جن کی مدد سے وہ رات کے اس اندھیرے میں بھی اپنا نشانہ آسانی سے تلاش کر سکتے تھے۔

اس کے برعکس کمانڈر مختار کے ہاتھ میں پکڑی دوربین کہیں گر پڑی تھی۔

لیکن............ کیا مجال جو وہ ذرا بھی اس صورتحال سے گھبرایا ہو۔ وہ ماہر فوجیوں کی طرح سیدھا بھاگنے کے بجائے آڑا ترچھا ہو کر درختوں

کی آڑ لے کر بھاگ رہا تھا۔اس طرح وہ قدرے محفوظ ہو گیا تھا۔

ان کا تیسرا ساتھی بھی بڑا منجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔اس نے بھی اپنے دائیں بائیں دو ہینڈ گرنیڈ پھینک کر دشمن کو ایک مرتبہ تو چکرا کر رکھ دیا اور اب اپنے پستول سے اکا دکا فائر کرتا تیسری سمت میں بھاگ رہا تھا۔

جہانگیر نے فرار کے وقت اپنی فائرنگ کی زد میں آنے والے تین بھارتی کمانڈوز کو گرتے دیکھا تھا۔تینوں شاید اس کے نزدیک ہی کہیں پوزیشن لیے ہوئے تھے اور اچانک ہی اس کے سامنے آ کر اس کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اب سامنے کی سمت فائرنگ کرتا وہ بڑی بڑی گھاس میں بھاگتا چلا جا رہا تھا جب اس کا پاؤں اچانک ہی راستے میں آنے والے کسی بڑے پتھر سے ٹکرایا اور وہ سامنے کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔اچانک ہی اس کے سر پر دس بارہ کمانڈوز براجمان تھے انہوں نے بہت پہلے سے یہاں اس کیلئے جال بچھا رکھا تھا۔

☆☆☆

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

زمین پر وہ منہ کے بل گرا تھا...........''اوزی'' اس نے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی جس پر ایک بھاری قدم آن پڑا۔حملہ آوروں کی تعداد کا اسے ابھی علم نہ ہو سکا کیونکہ پندرہ بیس بلیک کیٹس اسے وحشیوں کی پیٹ رہے تھے۔انہوں نے عملاً جہانگیر پر ٹھوکروں پر رکھا ہوا تھا اور یہ دیکھے بغیر مار رہے تھے کہ اس کے جسم پر چوٹ کہاں لگتی ہے۔جہانگیر کیلئے فی الوقت ان کی ٹھوکروں سے بچنا ناممکن ہو گیا تھا۔اس نے ممکنہ حد تک مزاحمت کی۔

لیکن...........کہاں تک؟

بمشکل پانچ منٹ بعد اسے آسمان پر ستاروں کی بارش ہونے کا احساس ہوا اور اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔اس کے بے ہوش جسم کو بھی بلیک کیٹس دیر تک تختہ مشق بناتے رہے۔اپنی دانست میں انہوں نے اس طرح جہانگیر سے اپنے تین ساتھیوں کی موت کا بدلہ چکا لیا تھا جو اس کی گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔

بلیک کیٹس شاید اسے اسی طرح مارتے ہوئے جان سے مار دیتے۔

لیکن...........میجر رائے نے سختی سے حکم دیا تھا کہ اسے زندہ گرفتار کیا جائے اور اب وہ ''زندہ درگور'' جہانگیر کو ایک کھلی جیپ میں پھینک کر اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔انہوں نے اس خدشے کے پیش نظر کہ شاید وہ اس حالت میں بھی فرار نہ ہو جائے اس کے ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ دیئے تھے۔

اس سفر کا اختتام جلد ہی رسوائے زمانہ ریڈ-20 انٹروگیشن سنٹر پر ہوا تھا جہاں بھارت کی مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ایک مشترکہ ٹیم نو گرفتاروں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتی اور انہیں ناکردہ گناہوں کے اقرار کیلئے مجبور کر دیتی تھی۔اس انٹروگیشن سنٹر سے متعلق بہت سی ظلم و بہیمیت کی کہانیاں زبان زد خاص و عام تھیں۔

یہاں آنے والا کوئی خوش قسمت ایک طویل عرصے بعد یہاں سے معذور ہو کر کسی جیل میں پہنچا دیا جاتا تھا لیکن ایسا سب کے ساتھ نہیں ہوتا تھا زیادہ تر آنے والوں کو اذیتیں دے کر جان سے مار دیا جاتا تھا۔ان کے جسم سے گوشت اتار لینا جسم کی ہڈی توڑ دینا جسم کے کسی حصے کو جلانا یہاں کا معمول تھا۔

جہانگیر کو بے ہوشی کی حالت میں انہوں نے لا کر ایک کوٹھڑی میں پھینک دیا..........!!

اسے ہوش آیا تو جسم کیلئے حرکت کرنا ممکن نہیں رہا تھا جس کی ایک وجہ تو اس پر ہونے والا بے پناہ تشدد تھا اور دوسری طرف یہاں کے محافظوں نے اس کی ایک ٹانگ کو ہتھکڑی لگا کر اسے دروازے کی لوہے کی سلاخ کے ساتھ اس طرح باندھ دیا تھا کہ اس کیلئے اپنے جسم کو اپنی مرضی

Captured by Qamar Abbas

سے حرکت دینا ممکن ہی نہیں رہا تھا......!

جہانگیر نے اپنے ذہن پر زور ڈالا تو اسے گزرے ہوئے سارے واقعات یاد آنے لگے اور اب اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ وہ کس جہنم کا ایندھن بننے جا رہا ہے۔ اس نے اپنے جسم کو بے حس و حرکت چھوڑ دیا۔ کیونکہ سلاخوں کے سامنے موجود پہریدار نے اس پر ہی نظریں جما رکھی تھیں۔ جہانگیر چاہتا تھا کہ اس کے ہوش میں آنے کی خبر پا کر اس طرف آنے والے سٹاف کی آمد سے پہلے وہ خود کو کم از کم ذہنی طور پر تیار کر لے۔

اس نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے ان کمزور لمحات میں ثابت قدمی کی التجا کی۔ اپنی تربیت کے بل پر اس نے اپنی جسمانی حالت پر کنٹرول کر لیا تھا اور اب اپنی روحانی تربیت کے سہارے خود کو نارمل کر کے آنے والے حالات کیلئے تیار ہو رہا تھا۔

اچانک ہی وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا گو کہ اس کی اس حرکت سے جس کی تمام ہڈیاں چیخ کر رہ گئی تھی اور درد کی تیز لہر اس کے روئیں روئیں میں سرایت کر گئی تھی لیکن وہ خود کو بہت مضبوط محسوس کر رہا تھا۔

اس مرحلے پر وہ دشمن کے سامنے کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے دم رخصت بیس کمانڈر نے بتایا تھا کہ کسی مجاہد کی زندگی کے کمزور ترین لمحات وہ ہوتے ہیں جب وہ بھارتی فوج کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا ہے اس مرحلے پر اپنے ایمان اور صدق کی سلامتی قائم رکھنا ہی کسی مجاہد کا سب سے بڑا امتحان ہوتا ہے۔

یہ امتحان کی گھڑیاں تھیں............

اسے ماضی کی طرح یہاں بھی سرخرو ہونا تھا۔

اسے بھارتیوں کو بتانا تھا کہ ان کے ظلم و جبر کے سامنے ان کی بے پناہ قوت کے سامنے بھی وہ خود کو بے بس محسوس نہیں کر رہا۔

اسے غاصبوں کو احساس دلانا تھا کہ دنیا کی مضبوط ترین فوج رکھنے کے باوجود وہ ان نہتے مجاہدوں کے سامنے بے بس ہیں۔

وہ یہاں شکست تسلیم کرنے نہیں آیا تھا۔

وہ یہاں شکست خوردہ ہو کر نہیں آیا تھا۔

کیا ہوا اگر اسے دشمن نے زندہ گرفتار کر لیا ہے؟

کوئی ایک یہاں اس ریڈ-20 انٹروگیشن سنٹر میں ایسا تو آئے جو ان بھارتی درندوں کو بتا سکے کہ وہ مجاہدین بھیڑ بکریوں کی طرح نہیں ہانک سکتے۔ ان کے جابرانہ ہتھکنڈے مجاہدین کی گردنوں کو جھکا نہیں سکتے............

انہیں یہ بتانا ضروری تھا کہ وہ بظاہر گوشت پوست کا انسان ہے لیکن فولادی عزم رکھتا ہے کیونکہ اس نے وہ راستہ اپنایا ہے جس پر چلنے والے مر کر بھی زندہ رہتے ہیں۔

اس راستے میں تو موت کا تصور ہی نہیں تھا............

جسمانی موت سے عزائم نہیں مرا کرتے ظلم و تشدد کی وہ خونی آندھی جو آتش و آہن سے لبریز بھارتی فوج نے یہاں چلا رکھی تھی مجاہدین کے عزائم کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

انہیں زیر نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ نام نہاد بین الاقوامی سرحدوں کو اپنے قدموں کی خاک تلے روند کر یہاں مغلوب ہونے نہیں آیا تھا۔

وہ یہاں فاتح بننے آیا تھا۔

جہانگیر اور اس کے ساتھی کسی ملک کی کسی زمین کی لڑائی نہیں لڑ رہے تھے۔ یہ تو نظریے کی جنگ تھی۔ اس میں موت تو ممکن ہے۔ لیکن............ یہاں شکست کا کوئی تصور نہیں تھا۔

اس نے اپنے اللہ کو حاضر ناظر مان کر اپنے دل میں خود سے عہد کیا کہ وہ اپنے جسم کا بند بند کٹوا لے گا۔

لیکن............ان وحشیوں کے سامنے شکست تسلیم نہیں کرے گا۔

یہ سوچ کر اس کے دل پر رکھا بھاری پتھر ہٹ گیا۔ اب وہ خود کو ہلکا محسوس کرنے لگا تھا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کا جسم اذیت کے احساس سے بے نیاز ہو گیا ہو۔ وہ آنے والی کسی بھی آفت کا مقابلہ کرنے کیلئے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار ہو چکا تھا۔

☆☆☆

کمانڈر مختار درختوں اور پتھروں کی آڑ لیتا بالآخر قبرستان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جبکہ ان کا تیسرا ساتھی بلیک کیٹس کمانڈز کی گولیوں کا شکار ہو کر جام شہادت نوش کر چکا تھا۔

مختار نے اسے اپنی آنکھوں سے گولیاں کھا کر گرتے ہوئے دیکھا تھا جبکہ جہانگیر اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا کیونکہ اس نے جس سمت میں راہ فرار اختیار کی تھی ادھر ڈاک بنگلہ کے عقب میں درختوں کے جھنڈ اور بڑی گھنی جنگلی گھاس موجود تھی۔

قبرستان کے عقب میں موجود پہاڑی ٹیلے پر اس کی ہدایت پر پانچ مجاہد پہلے ہی سے مورچہ بند ہو کر اس کے منتظر تھے۔ پروگرام کے اس حصے کا سوائے اس کے اور کسی کو علم نہیں تھا۔ ان مجاہدین کو اپنا عقب محفوظ رکھنے اور کسی بھی ہنگامی صورتحال کا مقابلہ کرنے کیلئے کمانڈر مختار نے اس طرف خاموشی سے پوزیشنیں سنبھالنے کی روانگی سے پہلے خفیہ ہدایات جاری کی تھیں کیونکہ انہوں نے رادھے شیام کو اپنے قابو میں کرنے کے بعد اس طرف سے فرار ہونا تھا اور کمانڈر مختار کو اس بات کا پہلے سے یقین تھا کہ رادھے شیام کے اغواء کے کچھ ہی دیر بعد ان کا تعاقب ضرور شروع ہو جائیگا اور ان کا مقابلہ کسی بے وقوف دشمن سے نہیں تھا۔

ان مجاہدین کے ذریعے وہ کم از کم اپنے تعاقب میں آنے والے بھارتیوں کو آسانی سے روک سکتے تھے۔

اس کے پلان کا دوسرا حصہ تو بخوبی پورا ہو گیا اور اس کے قبرستان میں داخل ہونے کے فوراً بعد اس کے تعاقب میں آنے والے بلیک کیٹس ، بھارتی فوجیوں اور بی ایس ایف کے جوانوں پر مجاہدین نے حملہ کر دیا جو اپنی نائٹ ویژن سے انہیں اس طرف آتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔

اس اچانک جوابی حملے نے بھارتیوں کو گڑبڑا کر رکھ دیا............!

مجاہدین کے نشانے پر آنے والے دو تین ہراول فوجیوں کے زمین بوس ہوتے ہی باقی تمام بھارتی فوجی جوان زمین سے چپک گئے اور اب وہ مدافعتی فائرنگ کرتے پسپائی اختیار کرنے لگے تھے۔

مجاہدین کی تعداد کا تو انہیں اندازہ نہ ہو سکا لیکن جس طرح وہ پوزیشن بدل بدل کر ان پر فائرنگ کر رہے تھے اس سے بھارتیوں نے یہی سمجھا جیسے ان پر کسی فوج نے جوابی حملہ کر دیا ہو۔ یوں بھی مجاہدین پہلے سے محفوظ آڑ میں موجود تھے جب کہ بھارتیوں کیلئے وہ ناگہانی آفت بنے ہوئے تھے۔

اونچائی پر ہونے کی وجہ سے وہ یوں ہی ان سے محفوظ تھے جبکہ دوسری طرف رات کا اندھیرا گہرا ہونے کے سبب بھارتیوں کو سوائے اپنی طرف لپکتی گولیوں کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ صرف بلیک کیٹس کمانڈوز ہی ایسے تھے جن کی گنوں پر رات کے اندھیرے میں دیکھنے والی دوربینیں نصب تھیں جبکہ عام بھارتی فوجیوں اور بی ایس ایف کے جوانوں کو تو یہ سہولت بھی حاصل نہیں تھی اور رات کے اس اندھیرے میں اگر وہ اپنے لئے کمک بھی مانگتے تو یہاں موجود کوئی بھی کمانڈر اپنے جوانوں کی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا۔

مجاہدین کا عقب مکمل محفوظ تھا۔

ان کے پیچھے پہاڑی سلسلہ تھا جس کے بعد گھنا جنگل جس میں گھسنے کی بھارتی فوج دن میں بھی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔ رات کے اس پہر تو

اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

کمانڈر مختار اپنے ساتھیوں میں پہنچ چکا تھا............

لیکن............

اس کی بے چینی دیدنی تھی۔

اس نے اپنے ایک ساتھی کو اپنی آنکھوں سے شہید ہوتے دیکھا تھا لیکن اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جہانگیر زندہ ہے گو کہ ان حالات میں اسے تلاش کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا کیونکہ یہاں چپے چپے پر بھارتی فوج موجود تھی۔

لیکن............اپنے ایک جانباز مجاہد ساتھی کو اس طرح دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ جانا اس کی غیرت ایمانی نے گوارا نہ کیا۔

''میں اکیلا اس سمت جانے کی کوشش کرتا ہوں جدھر سے جہانگیر بھائی کی آمد متوقع ہے............تم لوگ میرا یہیں انتظار کرو............''

اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

لیکن............ان حالات میں کون اسے اس طرح اکیلے جانے کی اجازت دے سکتا تھا اس کے سخت لہجہ اختیار کرنے کا بھی اس کے مجاہد ساتھیوں نے کوئی نوٹس نہ لیا اور دو ساتھی اس کے ساتھ جہانگیر کی تلاش کے اس مشن پر روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے پاس گولیوں کے تھیلے محفوظ کر لئے تھے اور اب اپنی گنیں ہاتھوں میں تھامے ایک لمبا چکر کاٹ کر اس سمت میں جانے کیلئے پر تول رہے تھے جدھر سے جہانگیر کی آمد متوقع تھی۔

مختار نے اپنے ایک مجاہد ساتھی سے جو یہیں رہ گیا تھا اس کی گن حاصل کر لی تھی۔ وہ آگے آگے تھا اور دونوں مجاہد اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے ابھی وہ بمشکل پچاس گز دور ہی گئے تھے جب اچانک ان کے نزدیک سے مشین گن چلنے کی آواز سنائی دی۔ اگر تینوں فوراً ہی زمین پر لیٹ کر پوزیشن نہ لے لیتے تو ان کا گولیوں سے بچ جانا ناممکن تھا۔

مشین گن کی فائرنگ شاید ایک طرح کا سگنل تھا کیونکہ اس کے ساتھ ہی درجنوں خود کار ہتھیاروں سے ان کے چاروں طرف گولیاں بارش کے قطروں کی طرح برسنے لگی تھیں۔

چند منٹ تک تو وہ خاموشی سے زمین سے چپکے رہے............وہ جان بوجھ کر جوابی فائرنگ نہیں کر رہے تھے تاکہ دشمن کو ان کی صحیح پوزیشن کا علم نہ ہو جائے۔ جب گولیاں ان کے بالکل سامنے چند گز کے فاصلے پر پڑنے لگیں اور اس کے ساتھ ہی دشمن کی طرف سے ''روشنی راؤنڈ'' فائر ہوئے تو کمانڈر مختار نے بادل نخواستہ اپنے ساتھیوں کو مراجعت کا حکم دیدیا۔

اب وہ بکھر کر کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے واپس ہو رہے تھے۔

ایک ساتھی اپنی جگہ رک کر فائرنگ کرتا اور دوسرے دو کہنیوں کے بل رینگتے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی طرف چلنے لگتے جس سے ملحقہ قبرستان کے آگے ان کے ساتھی ان کے منتظر تھے پھر فائرنگ کرنے والا مجاہد اپنے دونوں ساتھیوں کی کور فائرنگ میں واپس آنے لگتا۔

اس طرح ایک دوسرے کو ''کور فائر'' دیتے ہوئے قریباً ایک گھنٹہ کی جان توڑ مشقت کے بعد بالآخر وہ دشمن کے جبڑوں سے نکل کر اپنے ساتھیوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

کمانڈر مختار کیلئے فی الوقت جہانگیر کو اللہ کے سہارے پر چھوڑ دینے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔ صبح تک وہ اس کے منتظر رہے لیکن دوسری طرف موجود بھارتیوں کو شاید ان کے عزائم کا اندازہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے اب اس سمت باقاعدہ گولہ باری شروع کر دی تھی۔

بھارتیوں کی یہ عادت تھی کہ دوسری طرف مجاہدین کی موجودگی کی صورت میں بے دریغ اپنا بارود پھونکنا شروع کر دیتے تھے۔

صبح پو پھٹنے تک ان کی فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ کمانڈر مختار اور اس کے ساتھی جانتے تھے کہ اس درمیان وہاں تازہ دم فوج پہنچ چکی ہو گی اور پو پھٹتے ہی وہ شکاری کتوں کی طرح ان کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔ اس امکان کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے اپنے مجاہدین کی جانوں کی سلامتی کیلئے انہیں آدھی رات کے بعد پسپائی اختیار کر کے اپنے ہائیڈ آؤٹ کی طرف واپس لوٹ جانے کا حکم دیدیا تھا اور خود بھی ان کے ساتھ ہی چلا

آیا تھا

وہ بہت بدل ہو رہا تھا............

زندگی میں ایسے متعدد مواقع آئے تھے جب وہ دشمن کے درمیان سے اس طرح زندہ سلامت نکل کر اپنے محفوظ ٹھکانے تک واپس پہنچ جاتا تھا......

اس راہ وفا پر چلتے ہوئے کئی راہرو اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ اس کے درجنوں ساتھی اس کی آنکھوں کے سامنے جام شہادت نوش کر چکے تھے............گھیرے میں آ کر گرفتار ہو کر اب بھارتی عقوبت خانوں میں زندہ درگور ہو رہے تھے۔

لیکن............

جہانگیر کے اس طرح بچھڑ جانے پر وہ بہت غمگین ہو گیا تھا......

وہ دل ہی دل میں اللہ سے ایک ہی دعا مانگ رہا تھا کہ کسی بھی طرح جہانگیر دشمن کے جال سے صحیح سلامت باہر نکل آئے۔

ایک ہی واہمہ بار بار اس کی جان کو آ رہا تھا کہ دشمن شاید پہلے ہی سے ان کی ممکنہ کارروائی کا اندازہ لگا چکا تھا جس کے بعد اس نے مکمل تیاری کے ساتھ انہیں گھیرے میں لیا تھا۔ جہانگیر اس علاقے میں اجنبی تھا اور کمانڈر مختار کو ایک ہی خوف دامنگیر تھا کہ کہیں وہ علاقے سے اپنی عدم واقفیت کی بنا کر دشمن کے جال میں نہ پھنس جائے۔ وہ جانتا تھا کہ دشمن اسے بہر صورت زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اس کے زندہ گرفتار ہونے کی صورت میں وہ اس سے کچھ اگلوا بھی سکتے تھے۔

دوسری طرف اسے جہانگیر کی صلاحیتوں پر بے پناہ اعتماد تھا اس کا دل کہتا تھا کہ اپنے ماضی کی کارروائیوں کے مطابق وہ اس مرتبہ بھی دشمن کو جل دے کر نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا............

امید کی ایک لہر آتی اور دوسرے ہی لمحے اس پر مایوسی کا غلبہ طاری ہو جاتا۔ اسی یاسیت کے عالم میں اس نے اپنے ہائیڈ آؤٹ پر صبح کی نماز ادا کی تھی۔

☆☆☆

اردو ادب کے مشہور افسانے

کتاب **اردو ادب کے مشہور افسانے** بھی کتاب گھر پر دستیاب ہے جس میں درج ذیل افسانے شامل ہیں۔ (آخری آدمی، پسماندگان، انتظار حسین)؛ (آپا، ممتاز مفتی)؛ (آنندی، غلام عباس)؛ (اپنے دُکھ مجھے دے دو، وہ بڈھا، راجندر سنگھ بیدی)؛ (بلاؤز، کالی شلوار، سعادت حسن منٹو)؛ (عیدگاہ، کفن، شکوہ شکایت، منشی پریم چند)؛ (گڈریا، اشفاق احمد)؛ (توبہ شکن، بانو قدسیہ)، (گنڈاسا، احمد ندیم قاسمی)؛ (حرام جادی، محمد حسن عسکری)؛ (جینی، شفیق الرحمٰن)؛ (لحاف، عصمت چغتائی)؛ (لوہے کا کمربند، رام لعل)؛ (ماں جی، قدرت اللہ شہاب)؛ (مٹی کی مونالیزا، اے۔ حمید)؛ (اوورکوٹ، غلام عباس)؛ (مہالکشمی کا پل، کرشن چندر)؛ (ٹیلی گرام، جوگندر پال)؛ (تیسرا آدمی، شوکت صدیقی) اور (ستاروں سے آگے، قراۃ العین حیدر)۔

یہ کتاب **افسانے** سیکشن میں پڑھی جا سکتی ہے۔

کرنل گوپال کرشنا نے جب یہ سنا کہ گرفتار ہونے والا جہانگیر ہے تو بے اختیار ایک زوردار قہقہہ اس کے حلق سے برآمد ہوا۔

''سر بڑا گڈ لک سائن ہے..........''

میجر رائے نے اس کی ہنسی میں شامل ہوتے ہوئے کہا۔

کرنل گوپال کرشنا نے اپنے ہاتھ سے دو پیگ تیار کئے تھے اور ایک پیگ خود ہی نشہ فتح سے سرشار میجر رائے کو تھما کر اس کے جام سے جام ٹکرایا۔

''آج رات ان کی ملاقات گرفتار دہشت گردوں سے کروانا تھی۔ میر صاحب یہ بڑے ہوشیار لوگ ہیں۔ انہوں نے یقیناً راستے پر ہی گھات لگائی ہوگی...... شاید انہیں شک ہو گیا ہو کہ ہم اتنی جلدی ان کی ڈیمانڈ اسی لئے مان گئے ہیں کہ ہماری نیت میں کھوٹ آ چکا ہے۔ میرا اندازہ یہی ہے کہ ان لوگوں نے ہمارے ارادے بھانپ کر ہی ڈی آئی جی رادھے شیام کے اغوا کا منصوبہ بنایا ہوگا تاکہ ہمیں وارننگ دے کر اپنے ارادوں سے باز رکھ سکیں..........''

کرنل گوپال کرشنا نے حلق میں شراب کا گھونٹ انڈیلتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ........ بے چارے مجاہدین..........''

میجر رائے نے اس طرح نفرت اور حقارت سے ہونٹ سکوڑے کہ کرنل کرشنا مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''حقائق کا علم تو جہانگیر کی زبانی ہی ہوگا۔ لیکن میرا اندازہ ہے کہ وہ اتنی آسانی سے زبان کھولے گا نہیں...... میر صاحب اس بات کا خیال رہے کہ یہ ہمارا خاص مہمان ہے۔ اسے مرنے نہیں دینا...... ابھی اس کی زبان کھلواؤ...... جب وہ بولنے لگے تو میں خود اس کی تفتیش سنبھال لوں گا۔ مجھے اس سے بہت کچھ اگلوانا ہے...... اور ہاں کمانڈر مختار اس کی گرفتاری پر بوکھلا کر کچھ بھی کر گزرے گا۔ اس ایریا کے تمام ایجنٹوں کو 'صاحب وان' (ہوشیار) کردو...... آرمی والوں سے کہو کہ وہ سٹینڈ بائی رہیں۔ کچھ بھی ممکن ہے..........''

کرنل گوپال کرشنا نے اپنا عندیہ ظاہر کیا۔

''سر! آج صبح ہی اگر اس ایریا میں فوج کا گشت بڑھا دیا جائے تو ان کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ اگر ان لوگوں نے راستوں پر گھات بھی لگائی ہے تو بھی ہم انہیں دن کے اوقات ہی میں ہنٹ Hunt کر سکتے ہیں..........''

میجر رائے نے اپنی رائے پیش کی۔

''رائیٹ..........''

کہہ کر کرنل گوپال کرشنا نے اپنے آپریٹر کو فوراً سنٹرل کمان سے رابطے کی ہدایت کی اور تھوڑی دیر بعد ہی رات کے آخری پہر میں بریگیڈ کمانڈر لائن پر اس سے ہمکلام تھا۔

کرنل گوپال کرشنا نے اسے صورتحال سے مطلع کرنے کے بعد علی الصباح ہی بانڈی پورہ کی طرف جانے والی سڑک کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑی سلسلے میں فوج کا گشت بڑھانے کی درخواست کی تھی اور اسے اپنی اطلاعات کے حوالے سے آگاہ کیا تھا کہ اس ایریا میں مجاہدین نے تازہ مورچہ بندیاں کی ہیں اور وہ اب گھات لگا کر حملوں کا سلسلہ شروع کرنے جا رہے ہیں۔

بریگیڈ کمانڈر بھی ''را'' کا کچھ زیادہ ہی تابعدار دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے ایک لمحے کا توقف کئے بغیر اپنے جوانوں کو 'ریڈ الرٹ' دیدیا تھا۔

بھارتی فوج کے جوان تیار ہو رہے تھے۔

صبح سورج کی پہلی کرن پھوٹتے پر انہوں نے اپنی کارروائی کا آغاز کر دیا۔ بانڈی پورہ کے گردونواح میں واقع چھاؤنیوں سے بھارتی فوجیوں کے ''حالت جنگ'' میں تیار دستے برق رفتاری کے ساتھ بانڈی پورہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

ان کے گروپس کمانڈرز نے بطور احتیاط پہلے ہی سے سڑک کے دونوں اطراف گولہ باری شروع کروا دی تھی۔ پہلے ایڈوانس مشینی دستے اپنے دائیں بائیں شدید گولہ باری کرتے جس کے بعد پیدل فوج ان کے کور میں آگے بڑھتی............!!

مجاہدین اس اچانک افتاد کیلئے تیار نہیں تھے............

انہوں نے تو کچھ مقامات پر گھات صرف اس لئے لگائی تھی کہ جب ''را'' والے ان کے ساتھیوں کو شہید کرنے کی نیت سے اس طرف لائیں گے تو وہ اپنی ممکنہ حد تک مدافعت کر کے اپنے کچھ ساتھیوں کی زندگیوں تو بچا سکیں گے۔

لیکن............اتنی بڑی تعداد میں فوج کا حملہ روکنے کیلئے وہ ذہنی طور پر تیار ہی نہیں تھے۔ نہ ہی اس کے پاس اس نوعیت کا اسلحہ تھا کہ وہ بھارتی فوج کو اس کی زبان میں جواب دے سکتے۔

اپنی بے بسی اور ستم ظریفی کا شکار مجاہدین اپنے سینے میں بھارتی فوج سے دو دو ہاتھ کرنے کے عزائم لئے بادل نخواستہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ ان کے کمانڈرز کیلئے فی الوقت سب سے اہم کام اپنے مجاہدوں کی زندگیوں کی حفاظت تھی۔

بھارتی فوج کا یہ قرض تو وہ کسی بھی وقت سود سمیت ادا کر سکتے تھے۔

انہوں نے اپنے مجاہدین کو گولہ باری کے آغاز پر ہی ہدایت کر دی کہ وہ بلندی کی طرف واپس لوٹ جائیں اور گھنے جنگلوں میں اپنے محفوظ ٹھکانوں پر منتقل ہو جائیں............!!

پسپا ہونے والے مجاہدین کی شدید خواہش تھی کہ وہ کچھ دیر ہی کیلئے سہی بھارتی فوج سے دو دو ہاتھ کر لیں۔

لیکن ان کے کمانڈروں کو اس تلخ حقیقت کا شدت سے احساس تھا کہ ان کے پاس بمشکل دو مشین گنیں، تین چار ہینڈ گرنیڈ پھینکنے والی گنیں اور دو چار راکٹ لانچر تھے یا پھر کلاشنکوف رائفلیں۔

اور اس سامان کی حیثیت ہی کیا تھی؟ دشمن ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں پر سوار ہو کر اپنی توپوں کے ساتھ ان کے تعاقب میں آ رہا تھا۔ انہوں نے پسپا ہوتے ہوئے بھی اپنے محفوظ ٹھکانوں سے اپنے نشانے پر آنے والے دس پندرہ بھارتیوں کو ضرور جہنم رسید کر دیا تھا۔

تین گھنٹے کی اس گولہ باری اور بے تحاشہ بارود پھونکنے کے بعد بھارتی فوج کے سورماؤں نے جب ان پہاڑی سلسلوں کا کنٹرول سنبھالا اور انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ مجاہدین موجود نہیں رہے تو ان کے پندرہ ساتھیوں کی لاشیں ان کا منہ چڑا رہی تھی اس کے برعکس مجاہدین کا ایک جوتا بھی وہاں نہیں تھا البتہ ان کی طرف سے فائر کی گئی گولیوں کے کچھ خول اور کھانے پینے کے کچھ خالی پیکٹ اس بات کا ثبوت تھے کہ یہاں کچھ دیر پہلے مجاہدین موجود تھے۔

❀......❀

ہیرے کے آنسو

ہیرے کے آنسو ایک نوجوان کی کہانی ہے، جس کے ساتھ اس کے اپنوں نے ہی ظلم کیا تھا۔ ایک دن اچانک اس کی زندگی میں ایک موڑ آ گیا۔ ایک شخص نے اس کے والد کی کوئلے کی کانوں کو قیمتی قرار دیتے ہوئے ثبوت بھی فراہم کر دیا کہ وہاں ہیرے موجود ہیں۔ جھوٹ فریب لالچ اور دھوکہ دہی کے تانے بانے سے بُنی جرم و سزا کے موضوع پر ایک دلچسپ کہانی۔ اثر نعمانی کے تخلیق کردہ سراغرساں ندیم اختر کا کارنامہ۔ **ہیرے کے آنسو** کتاب گھر کے **جاسوسی ناول** سیکشن میں پڑھی جا سکتی ہیں۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

انیسواں باب

دروازہ اچانک ہی کھلا تھا۔

شاید پہرے دار کسی کونے سے نمودار ہوئے تھے۔ انہوں نے جہانگیر کو ہوش میں آتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ جب اچانک ہی اس کے سیل کے باہر بڑا سا تالا کھٹاک کی آواز سے کھلا اس کے ساتھ ہی سلاخوں والا دروازہ بھی کھلتا چلا گیا............!

اچانک ہی سیل میں جیسے طوفان بدتمیزی گھس آیا تھا۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔ اس کی ٹانگ سے منسلک لوہے کی زنجیر کا جو سرا سلاخوں والے دروازے کے ساتھ بندھا تھا وہ کھول دیا گیا۔

لیکن............ابھی تک دوسرا سرا بدستور اس کی ٹانگ سے بندھا تھا............

تین چار پہرے دار اکٹھے اس پر دوبارہ پل پڑے۔ وہ جنونیوں کی طرح اسے پاؤں کی ٹھوکریں مارتے اور گالیاں دیتے ہوئے دھکے دے کر باہر لے آئے............

جیسے ہی وہ سیل سے باہر نکلا............

اچانک اسے یوں لگا جیسے وہ اندھا ہو گیا ہو۔

اسے بعد میں علم ہوا کہ یہ تو یہاں کی نارمل پریکٹس ہے۔ ایک کونے میں کھڑے گارڈ نے اس کے باہر نکلتے ہی ایک بڑا سا کمبل جہانگیر پر اس طرح پھینکا جیسے کسی جانور کو پکڑنے کے لئے اس پر جال پھینکا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ایک محافظ نے اس کے پاؤں میں بندھی زنجیر کے سرے کو زور سے جھٹکا دیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔

جہانگیر کو ایک لمحے کیلئے احساس ہوا جیسے وہ دم گھٹنے سے مر گیا ہو۔ کیونکہ کمبل سے اس کا سارا وجود ڈھانپا گیا تھا اور سانس لینا دو بھر ہو رہا تھا۔ پھر اچانک ہی اس احساس پر بے پناہ اذیت غالب آ گئی۔

اسے اپنے بدن کی ایک ایک ہڈی ترختی محسوس ہو رہی تھی کیونکہ اس کے سر پر موجود تمام پہرے داروں نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ڈنڈوں سے اسے وحشیوں کی طرح پیٹنا شروع کر دیا۔

اس وحشیانہ عمل کے خاتمے پر انہوں نے جہانگیر کو زمین پر گھسیٹنا شروع کر دیا اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے اسے ایک چھوٹے سے کمرے تک لے گئے جس کے ایک کونے میں میز پر ٹیپ ریکارڈر رکھا تھا اور دوسرے کونے میں ایک لمبے قد اور بڑی بڑی مونچھوں والا درمیانی عمر کا ایک شخص جو شکل ہی سے جلاد دکھائی دے رہا تھا اپنے دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھے اسے خونی آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ اس کمرے کے دوسرے کونے میں ایک میز پر انسانی جسم پر تشدد کرنے والے آلات بھی رکھے ہوئے تھے۔

ایسے لوہے کے مختلف شکنجے صدیوں پہلے کی غیر مہذب اقوام اپنے دشمنوں کو اذیت ناک موت سے دوچار کرنے کیلئے استعمال کیا کرتے تھے۔

لیکن............ یہ لگتا تھا جیسے آج بھی اس دور کی ساری وحشت اور درندگی اس قوم میں در آئی ہے جس سے مجاہدین کا واسطہ تھا............

سیل سے اسے گھسیٹ کر لانے والوں نے ایک بنڈل کی طرح اس لمبے تڑنگے آدمی کے سامنے پھینک دیا جو یہاں ہلاکو خان کے نام سے جانا جاتا تھا۔

جہانگیر کو یہاں تک لانے والے مودب ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ ہلاکو نے ایک حقیر سی نظر اس پر ڈالی۔ اس درمیان ہلاکو کے اشارے پر اس کے پاؤں سے بندھی زنجیر کھول دی گئی تھی۔

''اونہہ............ یہی ہے وہ سورما............''

وہ نفرت سے ہونٹ سکوڑتے ہوئے بڑبڑایا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے پاؤں کی زوردار ٹھوکر جہانگیر کی پسلی میں رسید کی اور وہ اس اچانک حملے سے پلٹ کر دوسری طرف جا گرا......

جہانگیر کو یوں لگا جیسے اس کی دو تین پسلیاں ٹوٹ گئی ہوں۔

لیکن............ یہ بات اس کے علاوہ اس کے دشمنوں کے علم میں بھی تھی کہ اس کا بدن کانچ کا نہیں فولاد کا بنا ہوا ہے اور اتنی جلدی ٹوٹنے والا نہیں............

''کیا نام ہے تمہارا............''

ہلاکو نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں پوچھا۔

''مجاہد............''

جہانگیر نے اتنے اطمینان سے کہا کہ ہلاکو کا قہر دوچند ہو گیا اس کا خون کھولنے لگا تھا۔

''میں نے تمہارا اصلی نام دریافت کیا ہے............''

''یہ میرا اصلی نام ہے اور یہی میری اصلی شناخت............''

جہانگیر اس طرح اطمینان سے بول رہا تھا جیسے ناک پر بیٹھی مکھی کا اڑا رہا ہو۔

''اس کا دماغ شدید صدمے سے خراب ہو گیا ہے پہلے اس کا دماغ ٹھیک کر دو............''

اس نے وہاں موجود دوسرے درندوں سے کہا۔

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی جب انہوں نے دوبارہ جہانگیر کو زمین پر دھکا دے کر گرایا اور اس کے بدن پر چار آدمی اس طرح جم کر بیٹھے کہ جہانگیر کیلئے اپنے جسم کو جنبش دینا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

اسے صرف اتنا احساس ہوا کہ اس کے دونوں پاؤں میں رسیاں باندھی جا رہی تھیں پھر وہ موذی اس کے جسم سے الگ ہو گئے اور اچانک ہی جھٹکے سے اس کی ٹانگیں اوپر اٹھنے لگیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ سر کے بل فضا میں معلق تھا۔

اس کے ساتھ ہی اس کی کمر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

سر کے بل لٹکے ہوئے جہانگیر کی کمر پر دو وحشی کوڑے برسا رہے تھے۔ چمڑے سے بنے اس کوڑے میں شاید لوہے کے تار چھپے تھے کہ اس کی ہر ضرب اسے اپنے جسم میں پیوست ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

لیکن............ وہ صبر و رضا کا پیکر بنا اس قہر کو اپنی مقدور بھر ہمت کے ساتھ برداشت کر رہا تھا۔ جہانگیر کو احساس ہو چلا تھا کہ جب سے اس نے اللہ تعالیٰ سے معاونت طلب کی ہے اس میں گویا ایک مقناطیسی قوت در آتی تھی۔

کیا مجال جو اس کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش آئی ہو۔

Captured by Qamar Abbas

ہلاکو بار بار اس کے بال پکڑ اس کی گردن کو فضا میں جھٹکا دے کر اس کا نام دریافت کرتا رہا۔

لیکن.........اس کو جواب میں صرف وہ قرآنی آیات سنائی دے رہی تھیں جن کا ورد جہانگیر مسلسل کر رہا تھا۔

اذیت برداشت کرتے کرتے وہ جب بے ہوش ہوا' تب ان وحشی درندوں نے اس کے بے حس و حرکت جسم کو زمین پر پھینکا اس کے پاؤں سے رسیاں کھولیں اور اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگے۔

☆☆☆

انسپکٹر تیرتھ رام نے غصے سے اپنا ہی ہونٹ کاٹ لیا تھا اور اس میں سے باقاعدہ خون رسنے لگا تھا............

اس کی شہرت "ہلاکو" کے نام سے ایسے ہی نہیں ہو گئی تھی............ بے رحمانہ تشدد کیلئے وہ اپنوں اور غیروں میں ایک حوالہ بن چکا تھا۔ ایک مرتبہ اس کی گرفت میں آنے والا کوئی بھی بدقسمت اپنا جسم صحیح سلامت یہاں سے لے کر واپس نہیں گیا تھا۔ اب تو اس کی اس خصوصیت کا اعتراف اس کے "چٹی بند بھائیوں" میں بھی کیا جانے لگا تھا اور ایسے مجاہدین جن سے بھارتی سیکورٹی ایجنسیوں کو علم ہوتا کہ وہ عام تفتیشی افسران کے قابو میں آنے والے نہیں' انسپکٹر تیرتھ رام ہلاکو کے پاس بھیجا جاتا تھا۔

میجر رائے نے جہانگیر کے ریڈ-20 میں آنے سے پہلے فون کر کے تیرتھ رام کو بطور خاص ہدایات دی تھیں کہ جہانگیر کو زندہ رکھ کر اس سے ساری معلومات اگلوانا ہیں اس نے انسپکٹر تیرتھ رام کو بتایا تھا کہ کرنل گوپال کرشنا براہ راست اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں اور وہ آج رات کو اس کے اقبالی بیانات کی ریکارڈنگ سننے اور جہانگیر سے ملاقات کرنے آئیں گے۔ ہلاکو کو انہوں نے بطور خاص ہدایت دی تھی کہ کرنل گوپال کرشنا کی آمد پر جہانگیر کو طوطے کی طرح چالو کر کے رکھے اور وہ اس کے ہر سوال کا جواب دینے لگے تب ہی گوپال کرشنا خوش ہو سکے گا۔

"سر! ایسے کئی سالے آئے اور گئے ارے آپ رات کی بات کرتے ہیں میں صبح ہی اسے گدھا بنا کر رکھ دوں گا...... میں نے ایسے کئی سرکس کے شیر سیدھے کر دیئے......کیا مجال ہے سالے کی کہ وہ انسپکٹر تیرتھ رام کے شکنجے میں پھنسنے کے بعد اپنی زبان بند رکھے......وہ بولے گا سر! اور وہ سب کچھ بتائے گا جو آپ جاننا چاہتے ہیں............"

اس نے فون پر ہی گردن پھلا کر بڑے تکبر سے جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے تیرتھ رام......ہم نے بھی تمہاری شہرت سنی ہے لیکن اسے ایک چیلنج کیس سمجھ کر قبول کرنا............"

میجر رائے نے اسے کہا۔

تیرتھ رام کو میجر رائے کی یہ بات کچھ عجیب سی لگی تھی۔ اسے قدرے غصہ بھی آیا۔ اس نے محسوس کیا جیسے میجر رائے نے اس کا مضحکہ اڑایا ہو جہانگیر کی یہاں آمد سے پہلے ہی اس نے اپنا سارا غصہ اس پر اتارنے کا مصمم ارادہ کیا ہوا تھا اور اس پر اپنے معمول سے زیادہ ہی سختی بھی کی تھی۔

لیکن.........اب اسے احساس ہونے لگا تھا کہ میجر رائے نے اسے غلط نہیں کہا تھا۔ اس وقت شام ہونے کو آ رہی تھی۔ اس نے جہانگیر پر وہ سارے تشدد کے حربے آزما لئے تھے جو دوسرے نو گرفتاروں پر کم از کم ہفتہ کے دوران آزمائے جاتے تھے۔ اس درمیان وہ چار مرتبہ بے ہوش ہوا تھا۔ اس کے جسم کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ وہ گیا ہو جس پر اس نے کاری ضرب نہیں لگائی تھی۔

البتہ خصوصی احکامات کی وجہ سے اس نے ابھی جہانگیر کی کوئی ہڈی پسلی نہیں توڑی تھی اور چاروں مرتبہ جب اسے ہوش میں لانے کے بعد تشدد شروع کرتا تو پہلے ڈاکٹر اس کا معائنہ بھی کرتا تھا مبادا جہانگیر تشدد سے مر ہی نہ جائے............!

لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

اس درمیان وہ اس کے منہ سے جہانگیر کا اصلی نام ہی نہیں اگلوا سکا تھا۔ اس کے علاوہ اور کیا کرتا۔

اب تو وہ خود کو جہانگیر کے سامنے شرمندہ محسوس کرنے لگا تھا۔ جہانگیر کے آہنی ارادوں اور قوت ارادی نے اسے عزم و استقلال کا کوہ گراں بنا کر ہلاکو کے سامنے کھڑا کر دیا تھا۔ جسے ایک تیرتھ رام تو کیا اس جیسے ہزاروں خونخوار درندے مل کر بھی سرنگوں نہیں کر سکتے تھے۔

وہ سربلند تھا............

اس نے اپنے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس پر خود کو قائم رکھا تھا۔

کیا مجال جو اس نے اب تک انہیں اپنا صحیح نام بھی بتایا ہو۔ کیا مجال جو کوئی اس سے اس کی اصلی شناخت دریافت کر پایا ہو۔

وہ اپنے عزم اور ارادوں میں اٹل تھا............

دشمن کو امید تھی کہ وہ جہانگیر سے مجاہدین کے ایسے ٹھکانوں کا پتہ چلا سکیں گے جہاں تک ان کی رسائی عام حالات میں ممکن ہی نہیں تھی۔

اس نے جس نوعیت کے ایکشن کئے تھے اس کے بعد سے تو اس کی گرفتاری دشمن کیلئے اندھے کے ہاتھ بٹیر لگنے والی بات تھی۔

لیکن............ یہاں شام ڈھل رہی تھی اور ابھی تک انسپکٹر تیرتھ رام اس سے ڈھنگ کی ایک بات بھی نہیں اگلوا سکا تھا۔

وہ تو جہانگیر سے یہ بھی دریافت کرنے میں ناکام رہا تھا کہ اس کا تعلق کس ملک کے کس شہر سے ہے جب بھی وہ اس پر بے پناہ تشدد کرنے کے بعد اس کی شناخت دریافت کرتے تو جہانگیر سارے جہان کو اپنا جہان قرار دیتا۔ اس نے اپنے ہر عمل پر فخر کا اظہار کیا تھا اور تیرتھ رام کی بے بسی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ جب تک اس کے بدن میں جان باقی ہے وہ اسی طرح مصروف جہاد رہے گا۔

تیرتھ رام کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا۔

اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے اس نے جہانگیر پر تشدد نہیں کیا بلکہ یہ سارا تشدد جہانگیر کی طرف سے اس پر ہوا ہے۔

بالآخر اس نے اپنا آخری داؤ کھیلنے کا فیصلہ بھی کر لیا......اب وہ نفسیاتی حربے آزمانے پر تل گیا تھا۔

”ٹھیک ہے اگر تم نے مرنے کا مصمم ارادہ کر ہی لیا ہے تو تمہاری مرضی......بہرحال تم جیسے جوان مرد کو مارتے ہوئے مجھے افسوس تو ضرور ہو گا“

اس نے یہ کہتے ہوئے میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک ریوالور نکال کر جہانگیر کی آنکھوں کے سامنے لہراتے ہوئے اس کو چیک کرنے لگا۔

ریوالور مکمل لوڈ تھا اور اب تیرتھ رام نے اسے بالکل فائرنگ پوزیشن میں کر لیا تھا۔

☆☆☆

جہانگیر کے چہرے پر بری طرح نیل پڑے ہوئے تھے۔ اس پر کئے گئے بے رحمانہ تشدد کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے سارے منہ پر سوجن آ گئی تھی اور آنکھیں جن کا رنگ سیاہی مائل سرخ ہو چکا تھا اندر دھنسی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

بس ایک آنکھوں کی چمک تھی جس میں کمی کے بجائے اضافہ ہو گیا تھا۔ جہانگیر اس کی اس حرکت پر دل ہی دل میں مسکراتا رہا...... یہ مسکراہٹ اب اس کے زخمی ہونٹوں پر بھی نمایاں ہونے لگی تھی۔

”مجھے تمہاری بے بسی پر ہنسی آ رہی ہے......لعنت ہے تم پر جو تم نے کہا اگر اس پر عمل نہ کر کے دکھاؤ............“

جہانگیر نے بھی اس کیخلاف نفسیاتی حملہ کرنے کی ٹھانی تھی۔

''رسی جل گئی پر بل نہ گئے............''

ہلاکو نے یہ کہتے ہوئے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کے پہلو میں ہتھوڑے کی طرح زور سے مارا تھا۔

بے پناہ اور مسلسل تشدد نے جیسے جہانگیر کے جسم کو بے حس و حرکت کر دیا تھا۔ وہ ذرا سا ڈگمگایا اور پھر اپنے قدموں پر جم کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے آہنی عزائم کو دیکھ کر اب تو تیرتھ رام کی مدد کیلئے اس کمرے میں موجود تین اور سپاہی بھی دل ہی دل میں خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

انہوں نے اپنی ساری زندگی میں ایسا مضبوط اور فولادی اعصاب کا حامل ''آتنک وادی'' نہیں دیکھا تھا۔ جواب بھی تیرتھ رام کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا ہوں۔

''بے وقوف گدھے............ تم کیا سمجھتے ہوئے مجھے جان سے مار کر جیت جاؤ گے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے میں مر کر بھی تمہارے لئے عذاب بنا رہوں گا۔ یاد رکھنا ہمارے نزدیک جسم کی موت کوئی حیثیت نہیں رکھتی...... شہادت تو ہمارا اعزاز ہے...... اگر تم میں ہمت ہے' اگر تم اپنی ماں کے جنے ہو تو ایک سوال کا جواب بھی میری زبان سے اگلوا کر دکھاؤ............''

اس کی آواز میں جانے کیا قہر برس رہا تھا کہ تینوں سپاہی سہم کر رہ گئے۔

لیکن............

دوسری طرف انسپکٹر تیرتھ رام ہلاکو غصے سے باؤلا ہو گیا۔ اس نے جہانگیر کو غلیظ گالیاں بکتے ہوئے ریوالور میز پر رکھا اور ایک کونے میں دھرا لوہے کا راڈ اٹھا کر اس پر پل پڑا۔

جہانگیر یہی چاہتا تھا............

جیسے ہی ہلاکو نے اس کے پہلو میں راڈ مارا جہانگیر ڈگمگایا اور چکرا کر میز کی طرف جھکا اس کے گرنے کا انداز بالکل فطری تھی جس پر کسی معمولی شبے کی گنجائش بھی نہیں تھی۔

لیکن............ دوسرے ہی لمحے ساری بازی پلٹ چکی تھی۔

میز پر رکھا ریوالور اب اس کے ہاتھ میں تھا۔ انسپکٹر تیرتھ رام اور اس کے تینوں ساتھی اس طرح بھونچکا رہ گئے تھے جیسے انہوں نے اچانک ہی ''یمراج'' (موت کے فرشتے کو) دیکھ لیا ہو............

جہانگیر قہر کا دیوتا بن کر انہیں اس طرح گھور رہا تھا جیسے کچا ہی چبا جائیگا۔ اس کی آنکھوں سے برستا قہر چاروں کو اپنے تن بدن میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

بساط

کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا علیم الحق حقی کا پہلا ناول **بساط** جو انگریزی فکشن سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اس ناول میں بدنام زمانہ امریکی تنظیم سی آئی اے کی من مانیاں، دوسرے ممالک میں سیاسی و معاشرتی بدامنی پھیلانے کے لیے قتل و غارت اور دیگر ہتھکنڈوں کو بخوبی اجاگر کیا گیا ہے۔ امریکی انتظامیہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے کس حد تک جا سکتی ہے، اس ناول کو پڑھ کر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بساط کو **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

''اس طرف............''

''تمہارا دماغ خراب ہے کیا؟''

تھوک نگل کر انسپکٹر تیرتھ رام نے کہا تھا۔

لیکن............ابھی اس کا فقرہ بمشکل مکمل ہوا تھا کہ اسے اپنے دائیں پہلو کی ساری ہڈیاں ٹوٹنے کا احساس ہوا۔

جہانگیر نے ایک قدم آگے بڑھ کر اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے اس کے پہلو میں لات رسید کی تھی اور انسپکٹر تیرتھ رام کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے آہنی راڈ سے اس کو چوٹ لگائی ہو۔

درد کی شدت سے بے قابو ہو کر وہ زمین پر گرا تڑپ رہا تھا۔

اس کے تینوں ساتھی پتھر کے بت بنے وہاں سہمے کھڑے تھے۔ جہانگیر نے دروازے کو اندر سے کنڈی لگا دی تھی۔

دوسرے ہی لمحے اس نے زمین پر گرے تیرتھ رام کی گردن پر جھک کر اپنا گھٹنا رکھا اور ریوالور کی نالی اس کے منہ میں داخل کر دی۔

''اگر تمہارے حلق سے ایک آواز بھی نکلی تو میں ساری گولیاں تمہارے معدے میں اتار دوں گا............''

اس نے قہر برساتی آواز میں انسپکٹر تیرتھ رام کو اعصابی کوڑا رسید کیا تیرتھ رام اس طرح سہم کر خاموش ہوا تھا جیسے زور زور سے روتے بچے کو بسا اوقات اس کا باپ زوردار طمانچہ رسید کر کے خاموش کروایا کرتا ہے۔ اس نے تیرتھ رام کا منہ زمین کی طرف کروا کر اسے دونوں ہاتھ سیدھے رکھنے کا حکم دیا تھا۔ پھر اس نے وہاں موجود تین سپاہیوں میں سے دو کو اس پوزیشن میں زمین پر لٹا دیا اور اب وہ تیسرے سے مخاطب ہوا۔

''ان دونوں کے ہاتھ پاؤں رسی سے مضبوطی سے باندھ دو۔ ایک بات کا دھیان رکھنا کہ اگر مجھے ایک لمحے کیلئے بھی شک گزرا کہ تم نے کوئی چالاکی دکھائی ہے تو میں تمہیں جہنم رسید کر دوں گا............''

اس نے ریوالور کی نالی کو کنپٹی پر جماتے ہوئے حکم دیا......بمشکل تین منٹ بعد اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو جہانگیر کے اطمینان کے مطابق اس طرح باندھ دیا تھا کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔

جہانگیر نے ان کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد اسے زمین پر اس طرح لیٹنے کا حکم دیا اور اب وہ انسپکٹر تیرتھ رام سے اس کی مشکیں کسوا رہا تھا۔

یہ سارا عمل پانچ منٹ میں مکمل ہو گیا۔ اس دوران اس نے ایک سپاہی کی گرم جرسی پہن لی تھی۔ جہانگیر نے تینوں کے منہ میں اس طرح کپڑے ٹھونس دیئے تھے کہ وہ بے چارے اب صرف سانس ہی لے سکتے تھے۔ اپنے سائز کے مطابق دوسرے سپاہی کے بوٹ اس نے گرم جرابوں کے ساتھ پہن لیے۔

یہاں سے مطمئن ہو کر وہ تیرتھ رام سے مخاطب ہوا۔

انکا

انکا......چھانچ کی گڑیا، ایک قتالہ عالم، آفت کی پڑیا۔ پراسرار قوتوں کی مالک، خوش قسمتی کی دیوی، جس کے حصول کے لیے بڑے بڑے پجاری اور عالم سر توڑ کوششیں کرتے تھے۔ ایک ایسی داستان جس نے سالوں تک پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔ انکا......اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بہت جلد **کتاب گھر پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔**

''میرے آگے آگے اس طرح چلو جیسے یہاں کچھ نہیں ہوا............ یہاں سے باہر تک مجھے مکمل حفاظت سے لے جانا تمہارا فرض ہے جہاں مجھے خطرے کا احساس ہوا میں فوراً تمہیں جان سے مار ڈالوں گا............ اب اس بات کا فیصلہ تم خود کرلو کہ میرے ساتھ کوئی ہوشیاری کر سکتے ہو یا نہیں۔ یہ بات یاد رکھنا کہ میں نے جو کہا ہے اس پر عمل بھی کر سکتا ہوں۔ کم از کم تمہیں اس بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں رہنی چاہیے............''

جہانگیر اگر کچھ نہ بھی کہتا تو بھی اب انسپکٹر تیرتھ رام کو اس سے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ کم از کم ایک بات ضرور سمجھ گیا تھا کہ یہ کوئی جنونی شخص ہے جسے اپنی جان کی ذرا بھی فکر نہیں اور وہ ایک لمحے میں اس کی جان بھی لے سکتا تھا جبکہ تیرتھ رام کو اپنی جان بڑی عزیز تھی۔ اس نے سوچا اگر اسے قتل کرنے کے بعد جہانگیر گرفتار بھی ہو جائے تو تیرتھ رام کو اس کا کیا فائدہ؟

وہ تو مر چکا ہوگا!

اور............

اس بات کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ انسپکٹر تیرتھ رام زندہ بھی رہتا اور جہانگیر کو دوبارہ گرفتار بھی کروا دیتا۔

اسے اندازہ تھا کہ یہ تو ممکن ہے کہ وہ ایک مرتبہ خطرے کا معمولی سا احساس ہونے پر اسے زندہ چھوڑ دیتا۔

انسپکٹر تیرتھ رام کیلئے اب تمام امکانات ثانوی حیثیت اختیار کر چکے تھے اسے فی الوقت اس خونی بلا کے شکنجے سے اپنی جان کو نکالنا تھا جس کے بعد ہی وہ کچھ کر پاتا۔

☆☆☆

''اگر تم وعدہ کرو گے کہ مجھے زندہ چھوڑ دو گے تو میں تمہیں یہاں سے صحیح سلامت باہر تک لے جاؤں گا بصورت دیگر تم مجھے گولی تو مار دو گے لیکن تم بھی باہر نہیں جا پاؤ گے............''

اس نے اچانک ہی حوصلہ کرتے ہوئے جہانگیر سے کہا۔

جہانگیر اس سے کوئی وعدہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسے معاف کردے۔

لیکن...... دوسرے ہی لمحے ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح اس کے ذہن میں لپکا۔

اس نے سوچا کہ ''را'' کو اس کی اصلیت کا علم تو ہوگا۔ اگر ایک مرتبہ وہ انسپکٹر تیرتھ رام کی مدد سے یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو انسپکٹر تیرتھ رام کو ''را'' والے ضرور زندہ درگور کر دیں گے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ اگر زندہ مجاہدین کے ہاتھ لگ جائے تو اسے سودے بازی کیلئے استعمال کر لیتے یا پھر اس کے ممکنہ انجام سے خوفزدہ کر کے اس سے کوئی اور کام لے لیتے............!

اس نے سوچا اپنی حد تک وہ ضرور وعدہ کرلے لیکن اس بات کا گارنٹی نہ دے کر مجاہدین اس کے متعلق کیا فیصلہ کریں گے............

''دیکھو میں تمہیں نہیں ماروں گا...... لیکن کسی اور کی ضمانت نہیں دے سکتا............''

اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

انسپکٹر تیرتھ رام اس کی اس بات پر مطمئن ہو گیا............

''ٹھیک ہے چلو............ تم میرے پیچھے پیچھے آنا............''

اس نے دروازہ کھول کر باہر جھانکنے کے بعد اس سے کہا۔

''ٹھیک ہے...... لیکن جہاں میرے اور تمہارے درمیان فاصلہ دو تین قدم سے زیادہ بڑھا میں تمہیں بے دریغ گولی مار دوں گا............''

جہانگیر نے اس کے کان کے نزدیک منہ لا کر سرگوشی کی۔

''اچھا' اچھا.............''

انسپکٹر تیرتھ رام نے سہم کر کہا۔

وہ زندگی میں پہلی مرتبہ خوفزدہ ہوا تھا۔بھگوان جانے اس لڑکے میں کیا شکتی سمائی تھی کہ انسپکٹر تیرتھ رام بلا کو خود کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگا تھا۔

اس کی فی الوقت یہی کوشش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو اس جنونی کو یہاں سے باہر نکالے جس کے بعد ہی وہ خود کو محفوظ رکھ سکتا تھا۔

☆☆☆

ریڈ-20 کے بارک کی طرف کوئی نہیں آتا تھا............

یہ تفتیشی کمرے پہریداروں کی بارکوں سے دور بنائے گئے تھے تاکہ مظلوموں کی چیخوں کی آوازیں یہاں تک پہنچ کر جوانوں کی نیند خراب نہ کریں...........!

یہاں صرف ملزم لائے جاتے تھے یا پھر تفتیش کرنے والے افسر ہوتے تھے۔ یہ ان کی صوابدید پر منحصر تھا کہ وہ اپنے زیر تفتیش ملزم کو کتنی دیر تک اپنے پاس رکھتے ہیں۔عموماً یہاں صبح کو لائے جانے والے ملزم کو سارا دن اور ساری رات یہاں رکھا جاتا تھا۔خصوصی حالات میں یہ وقفہ مزید بڑھ سکتا تھا اور بسا اوقات تین چار دن مسلسل ایک ہی شخص پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔

کیمپ کمانڈنٹ کو اس بات کا علم تھا کہ صبح انسپکٹر تیرتھ رام کے پاس جس خطرناک ''دہشت گرد'' کو لے جایا گیا ہے وہ کون ہے؟ اور اسے وہاں کتنے عرصے تک رہنا ہوگا۔

اس دوران اپنے تفتیشی کمرے میں موجود انٹر کام کے ذریعے وہ ہر چیز وہاں طلب کر سکتے تھے اور ایک دوسرے کو ہدایات بھی یہیں سے دی جا سکتی تھیں۔

انسپکٹر تیرتھ رام مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اسے ایسے راستوں سے لے کر جا رہا تھا جس طرف اس کو جاتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکے......اس نے تفتیش کوٹھڑیوں کی پشت سے گھوم کر پارکنگ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا تھا جہاں اس کی گاڑی موجود تھی اس نے سوچا تھا اگر وہ کسی طرح اسے گاڑی میں چھپا کر یہاں سے لے جاتا تو ممکن تھا اس کی جان بخشی ہو جاتی...........

یہی ایک قدرے محفوظ راستہ تھا ورنہ تو اس کی موت کے امکانات بہت بڑھ جاتے کیونکہ ایک مرتبہ یہ علم ہونے پر کہ جہانگیر اسے یرغمال بنا کر یہاں سے لے جا رہا ہے ان دونوں کے زندہ بچ جانے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے کیونکہ یہاں کے مکینوں کو انسپکٹر تیرتھ رام کی زندگی سے زیادہ اپنی ساکھ زیادہ عزیز تھی۔

وہ اس بات کی کبھی پرواہ نہ کرتے کہ تیرتھ رام کے ساتھ کیا گزرتی ہے۔وہ جہانگیر کو یہاں سے کسی قیمت پر زندہ نہ جانے دیتے۔

پارکنگ ایریا تک وہ دھڑکتے دل اور لرزتے قدموں سے اسے بحفاظت لے آیا تھا۔اس کی خوش قسمتی یہ تھی کہ اندھیرا اترنے لگا تھا اور لہرے درختوں کی وجہ سے وہ قدرے محفوظ رہے تھے کسی کا اس طرف دھیان نہیں گیا تھا۔

یوں بھی اس وقت کوئی چھٹی کرنے یا ڈیوٹی جائن کرنے نہیں آ جا رہا تھا۔مقامی ملازمین کی گاڑیاں ایک کونے میں کھڑی تھیں۔

کہیں جھک کر اور کہیں سیدھے کھڑے ہوتے ہوئے بالآخر چھ سات منٹ کی مساعی کے بعد وہ انسپکٹر تیرتھ رام کی جیپ تک پہنچ گئے۔

انسپکٹر تیرتھ رام کی فی الوقت صرف ایک ہی خواہش تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو یہاں سے اس مصیبت کو نکالے کیونکہ اس دوران بھی دو تین مرتبہ جہانگیر اس کی گردن سے ریوالور کی ٹھنڈی نوک لگا کر اسے صورتحال کی سنگینی کا احساس دلا چکا تھا۔

☆☆☆

تم پچھلی سیٹ پر لیٹ جاؤ...... میں تم پر ترپال ڈال دیتا ہوں۔ کیونکہ ہمیں مین گیٹ سے گزر کر جانا ہے............"

انسپکٹر تیرتھ رام نے کہا۔

جہانگیر نے ایک لمحے کیلئے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور دونوں سیٹوں کے درمیان خلا میں پھنس کر اس طرح بیٹھ گیا کہ اپنے اوپر ترپال لینے پر کسی کو یہاں اس کی موجودگی کا احساس ہی نہ ہو سکے۔

انسپکٹر تیرتھ رام نے چاہا تھا کہ دوسری سیٹ پر دھری ترپال اس پر ڈال دے............

لیکن............ دوسرے ہی لمحے وہ سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔

جہانگیر نے اس کی طرف ریوالور تان کر وارننگ کے انداز میں پیچھے ہٹا دیا تھا۔

"مجھے کیا کرنا ہے۔ اس کی تم فکر نہ کرنا...... اپنی فکر کرو۔ اگر گیٹ پر تمہارے ساتھ کوئی گڑبڑ ہوئی یا تم نے جیپ کو ایک لمحے کیلئے بھی کھڑا کرنے کا خطرہ مول لیا تو دوسرے ہی لمحے گولی تمہاری کھوپڑی کے پار ہوگی...... خبردار کسی جگہ ایک منٹ کیلئے بھی نہ رکنا............"

اس کی وارننگ پگھلے ہوئے سیسے کی طرح انسپکٹر تیرتھ رام ہلاکو کے کانوں میں اتر گئی تھی۔

اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ جیپ سٹارٹ کی اور چل دیا۔

پہریداروں کیلئے اس کی شخصیت کوئی اجنبی نہیں تھی۔ لیکن............ وہ حیران ضرور ہوئے کہ آج اس طرح بے وقت کہاں جا رہا ہے۔ پھر یہ سوچ کر کہ یہ اس کا کوئی ذاتی معاملہ بھی ہو سکتا ہے انہوں نے اس بات پر دھیان نہ دیا۔

اس انٹروگیشن سنٹر میں...... بھارت کی مختلف سکیورٹی فورسز کے لوگ ڈیپوٹیشن پر آتے رہتے تھے۔ انسپکٹر تیرتھ رام کا تعلق بی ایس ایف سے تھا اور یہ لوگ عموماً اپنے مقامی یونٹوں میں بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ پہریداروں نے تب یہی سمجھا کہ وہ شاید اپنے یونٹ میں اس وقت کسی کام سے جا رہا ہے۔

یوں بھی اس کی جیپ خالی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے علاوہ اس میں کوئی اور سوار دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا اس لئے شک و شبہ والی بات بھی کوئی نہیں تھی۔ انہوں نے "بیریئر" اٹھا دیا اور انسپکٹر تیرتھ رام ان کے مودبانہ سلیوٹ نظر انداز کرتا۔ دل ہی دل میں "رام نام" کا جاپ کرتا خطرے کی لائن عبور کر گیا۔ اس نے انٹروگیشن سنٹر کے حفاظتی علاقے سے باہر نکل کر جیپ اب اس پہاڑی راستے کی طرف گھمائی تھی۔ جو یہاں سے شہر کی طرف جاتا تھا۔

اس درمیان وہ اپنی گردن سیدھی کیے سامنے سڑک پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ چڑھائی اور پہاڑی موڑ ہونے کی وجہ سے جیپ کی رفتار بہت کم تھی اور انسپکٹر تیرتھ رام اس خوف سے کہ کہیں وہ بدحواسی میں کوئی اور مصیبت نہ کھڑی کر لے۔ یوں بھی بڑی احتیاط سے جیپ چلا رہا تھا۔

اچانک ہی جیپ کو جھٹکے لگنے شروع ہو گئے۔ شاید پٹرول میں کچرا آ گیا تھا پھر کوئی مصیبت آ گئی تھی اس نے گاڑی روک دی اور ڈرتے ڈرتے گردن پیچھے گھماتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال سے انجن میں کوئی پرابلم آ رہی ہے۔ اگر تم کہو تو چیک کر لوں ورنہ جیپ چلے گی ہی نہیں............"

اسے اپنی بات کا جواب موصول نہ ہوا تو انسپکٹر تیرتھ رام نے دوبارہ اپنی بات دہرائی لیکن اس مرتبہ بھی خاموشی طاری رہی...... پھر اسے اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔ پیچھے کوئی ذی نفس ہوتا تو اس کے سوال کا جواب دیتا۔ وہاں تو صرف ترپال موجود تھی اور جہانگیر غائب تھا۔

تیرتھ رام نے ڈرتے ڈرتے ترپال پر ہاتھ مار کر اس بات کی تصدیق کی تھی کہ واقعی جہانگیر وہاں سے جا چکا ہے یا پھر یہ بھی اس کی کوئی چال ہے۔ اسے اس بات کا علم ہی نہ ہو سکا کہ جہانگیر کس موڑ پر کھلی جیپ سے نیچے اتر گیا تھا۔

وہ تو خوف کے مارے اتنا حواس باختہ ہو رہا تھا کہ اس نے اس طرح سامنے راستے پر نظریں گاڑھی ہوئی تھیں جیسے وہاں سے اچانک ہی

زمین پھٹنے اور جیپ کے اس میں سما جانے کا خطرہ محسوس کر رہا ہو............

لیکن زمین اپنی جگہ قائم رہی.........البتہ جہانگیر غائب ہو چکا تھا......

پہلے تو اس نے پھیپھڑوں کا سارا زور لگا کر لمبا سانس لیا اور خود کو نارمل کیا جس کے بعد وہ دیوانہ وار کبھی جہانگیر کو اور کبھی اپنے آپ کو گالیاں دینے لگا۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑ گیا ہو۔

اس پاگل پن میں اس نے بڑے زور سے جیپ کو ٹھوکر ماری جس کے انجن نے اب سلف اٹھانے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ پھر اچانک

''ہائے رام ہائے رام'' کہہ کر اپنا پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''اگر یہ جیپ انٹروگیشن سنٹر کے اندر یا باہر بند ہو جاتی تو؟''

یہ سوچ کر وہ اچانک ہی سہم کر رہ گیا۔

اچانک ہی اس کی جیپ میں نصب ریڈیو میں زندگی بیدار ہونے لگی۔

دل پھولوں کی بستی

خواتین کی مقبول مصنفہ **نگہت عبداللہ** کا انتہائی خوبصورت اور طویل ناول، **دل پھولوں کی بستی**، جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے، جلد کتاب گھر پر آ رہا ہے۔ اسے کتاب گھر پر **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

محبتوں کے ہی درمیاں

خواتین کی مقبول مصنفہ **نگہت عبداللہ** کے خوبصورت ناولٹوں کا مجموعہ، **محبتوں کے ہی درمیاں**، جلد کتاب گھر پر آ رہا ہے۔ اس مجموعہ میں انکے چار ناولٹ (تمہارے لیے تمہاری وہ، جلاتے چلو چراغ، ایسی بھی قربتیں رہیں اور محبتوں کے ہی درمیاں) شامل ہیں۔ یہ مجموعہ کتاب گھر پر **ناول** سیکشن میں دیکھا جا سکتا ہے۔

بیسواں باب

کرنل گوپال کرشنا اور میجر رائے ایک ہی جیپ میں یہاں پہنچے تھے۔ یہ الگ بات کہ ان کے آگے پیچھے پندرہ بیس آرمی کی جیپیں بھی جلوس کی شکل میں جا رہی تھیں اور راستے میں آنے والے ہر موڑ پر موجود سکیورٹی فورسز کے جواب بھی "صاحب وان" ہو چکے تھے۔

ریڈ-20 میں دونوں کی جیپ ہی داخل ہوئی تھی جبکہ باقی جیپیں جن میں بلیک کیٹس سوار تھے باہر ہی ایک قطار میں کھڑی ہو گئی تھیں۔

ریڈ-20 کے کمانڈنگ کرنل رستوگی کو جب گوپال کرشنا کی آمد کا علم ہوا تو وہ قریباً بھاگتا ہوا اپنے آفس سے باہر آ گیا۔

گوپال کرشنا نے اس کے ساتھ بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔

"کیسا ہے ہمارا مہمان............"

میجر رائے نے چھٹتے ہی دریافت کیا۔

"بہت مزے میں ہوگا سر اس کا میزبان بھی انسپکٹر ہلاکو ہے...... بہت خوش ہوگا............"

رستوگی نے میجر رائے کے بجائے کرنل گوپال کرشنا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اسے طلب کیجئے............"

میجر رائے نے کہا۔

"نو............"

اچانک ہی کرنل گوپال کرشنا نے اس کی بات کاٹ دی۔

دونوں کمانڈنٹ کے آفس میں داخل ہو چکے تھے۔ رستوگی کا انٹر کام کی طرف بڑھا ہوا ہاتھ اچانک ہی واپس لوٹ آیا۔

"ہم خود وہاں جاتے ہیں............ اس طرح اپنے گیسٹ کو 'سرپرائز' بھی دے سکیں گے............"

کرنل گوپال کرشنا نے اپنے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ سجائی۔

"رائیٹ سر............"

میجر رائے نے اطاعت گزاری۔

کرنل کمانڈنگ رستوگی اور اس کے دو محافظوں کی معیت میں وہ دونوں اب تفتیشی بیرک کی طرف جا رہے تھے جس کے ایک کونے میں انسپکٹر تیرتھ رام کا وہ خصوصی کمرہ تھا جہاں وہ اپنے شکار کے ساتھ زندگی موت کا کھیل رچایا کرتا تھا اور جس کمرے سے عموماً ہفتے میں ایک دو مرتبہ کسی نہ کسی "آتنک وادی" کی لاش رات کے اندھیرے میں کسی ٹرک میں لوڈ کر کے تیز رفتار ندی نالے میں پھینک دی جاتی تھی............

یہ وہ بد قسمت ہوتے جنھیں اکثر کریک ڈاؤن کے دوران بھارتی فوج مشتبہ جان کر گرفتار کر لیتی اور تفتیش کیلئے پھر انہیں ریڈ-20 میں بھیج دیا جاتا............

ہلاکو نے اپنے زیر تفتیش کسی کشمیری کو آج تک مکمل وجود کے ساتھ گھر واپس نہیں جانے دیا تھا اکثر وہ ان کے جسم کا کوئی نہ کوئی حصہ مفلوج کر دیا کرتا تھا۔ اس کام میں اسے خصوصی مہارت حاصل تھی۔

رستوگی سب سے آگے آگے چل رہا تھا باقی لوگ جلوس کی صورت اس کے پیچھے آ رہے تھے۔ دروازہ بند تھا اور اندر بظاہر خاموشی طاری تھی۔

ایک محافظ نے دروازہ ہاتھ سے دھکا لگا کر کھولا اور دروازہ کھلتے ہی اچانک وہ پیچھے ہٹا جس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بندوق سیدھی کر لی۔

ایک لمحے کیلئے تو سب گھبرا گئے۔

لیکن............کرنل گوپال کرشنا نہیں۔

اس نے پہلے ہی اپنا ریوالور ہاتھ میں تھام لیا تھا اور میجر رائے کے بعد وہ اندر داخل ہونے والا دوسرا آدمی تھا۔

کمرے کا منظر بڑا ہی تکلیف دہ تھا تینوں ہی محافظ اس طرح بندھے پڑے تھے کہ بیچاروں کیلئے اپنی جگہ سے جنبش کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ انکے منہ میں کپڑے ٹھنسے ہوئے تھے۔

رستوگی کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔

لیکن............کرنل گوپال کرشنا اپنی جگہ مضبوطی سے جم کر کھڑا رہا۔ اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

''ان کی رسیاں کھولو.........''

میجر رائے نے دونوں محافظوں کو حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد تینوں سپاہی ان کے سامنے کھڑے تھے۔ ان کے بدن پر خوف اور شرمندگی سے رعشہ طاری ہو رہا تھا۔

میجر رائے کی تین چار منٹ کی کوشش کے بعد بالآخر وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے ساتھ گزرنے والی قیامت کا احوال سنا سکیں۔

اس دوران کرنل کمانڈنٹ رستوگی نے سارے کیمپ میں ''ریڈ الرٹ'' کر دیا تھا اور اب اس کا ایک ساتھی اسے بتا رہا تھا کہ انسپکٹر تیرتھ رام کی جیپ بھی غائب ہے۔

جس کا سیدھا مطلب یہی تھا کہ جہانگیر اس جیپ میں فرار ہوا ہے۔ اب انہیں یہ معلوم کرنا تھا کہ جیپ اس نے ہلا کو سمیت غائب کی ہے یا اسے ٹھکانے لگا کر غائب ہوا ہے۔

میجر رائے نے اپنے ساتھ آنے والے کچھ محافظوں کو وہاں طلب کر لیا تھا اور اب تینوں سپاہی ان ہی بلیک کیٹس کے ساتھ ''را'' کے ایک سیف ہاؤس پر لیجائے جا رہے تھے جہاں کرنل گوپال کرشنا خود صورتحال جاننا چاہتا تھا۔ اسے ایک ایک تفصیل درکار تھی............

یہ معمولی حادثہ نہیں تھا............

کرنل گوپال کرشنا کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے مجاہدین نے بھرے بازار میں اس کے منہ پر زوردار طمانچہ رسید کر دیا ہو......رستوگی کے ساتھ وہ اس کے آفس میں آ گئے تھے جہاں سے رستوگی نے اس امید پر انسپکٹر ہلا کو کی جیپ میں موجود ریڈیو کے ذریعے اس سے رابطہ کیا تھا کہ شاید انہیں حالات کے سر پیر کا کوئی اندازہ ہو جائے۔

دوسرے ہی لمحے انسپکٹر ہلا کو لائن پر تھا۔

رستوگی نے اس سے وائرلیس ریڈیو پر ہی سوال جواب شروع کر دیئے کرنل گوپال کرشنا بڑے انہماک سے ان کی گفتگو سن رہا تھا............!

''ملزم تمہارے ساتھ ہے یا............''

رستوگی نے فوراً ہی عجیب سا سوال پوچھ لیا وہ اپنے سوال کے ساتھ ہی کرنل گوپال کرشنا کے ہونٹوں پر پیدا ہونے والی زہریلی مسکراہٹ کو نہ دیکھ سکا۔

اس وقت گوپال کرشنا کو ریڈ-20 کا کرنل کمانڈنگ رستوگی دنیا کا سب سے بے وقوف انسان دکھائی دیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

اگر جہانگیر اس کے ساتھ موجود ہوتا تو وہ ان سے بات ہی کیسے کر پاتا..........!

جب دوسری طرف سے انسپکٹر ہلا کو نے بتایا کہ جہانگیر اسے راستے ہی میں جل دے کر اتر گیا اور اسے علم ہی نہیں ہو پایا تو گوپال کرشنا کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

وہ دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آیا۔

میجر رائے اس کے تعاقب ہی میں باہر آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گوپال کرشنا اس وقت کیا سوچ رہا ہے......

وہ اپنے کمانڈر کی رگ رگ کو سمجھتا تھا

میجر رائے جانتا تھا کو کرنل گوپال کرشنا کے نزدیک اس کا یہ جرم نا قابل معافی ہے۔ ایسی بزدلی کو وہ کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اگر جہانگیر اسے گولی مار کر یا زخمی کر کے فرار ہوا ہوتا تو اور بات تھی۔

لیکن..........اس طرح ان سب کے منہ پر کالک مل کر وہ اپنے تفتیشی آفیسر سمیت ریڈ-20 سے فرار ہو گیا..........

یہ نا قابل معافی جرم تھا..........!

"یس سر.........."

کرنل گوپال کرشنا کے پکارنے پر میجر رائے اس کے نزدیک آ گیا تھا۔

"Kil him (اسے مار ڈالو)........."

"رائیٹ سر.........."

میجر رائے نے دونوں پاؤں جوڑ کر اسے تعظیم دی۔

انہیں انسپکٹر تیرتھ رام ہلاکو کی لوکیشن کا علم ہو چکا تھا میجر رائے اس کے ساتھ ہی واپس رستوگی کے آفس میں آ گیا تھا۔

"آئی ایم سوری سر! ایسا بظاہر تو نا ممکن نظر آتا ہے.....Bad luck میں اور کوئی جواز پیش نہیں کر سکتا......بہرحال میں اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے آج ہی اس پوسٹ سے استعفیٰ دے رہا ہوں Any way......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا شاید اپنی بات کہنے کیلئے مناسب الفاظ تلاش کر رہا تھا۔

"Take it easy کرنل......ایسا ہمارے بزنس میں ہوتا ہی رہتا ہے......بہرحال میں تمہارے تین جوان لے جا رہا ہوں......کچھ عرصہ ہمارے ساتھ رہیں گے.........."

کرنل گوپال کرشنا نے کہا۔

"رائیٹ سر.........."

رستوگی نے اسے تعظیم دی۔

وہ دونوں کو مین گیٹ تک رخصت کرنے آیا تھا۔

☆☆☆

گیٹ کے باہر ان کے ساتھی بلیک کیٹس کمانڈو ان کے منتظر تھے..........!

اس مرتبہ وہ لوگ دو گروپوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک گروپ کرنل گوپال کرشنا اور تینوں "زیر حفاظت" محافظوں کے ساتھ "را" کے مقامی سیف ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا..........

اور..........

دوسرا گروپ جس میں تین جیپیں اور پندرہ کمانڈوز موجود تھے دوسرے مشن پر میجر رائے کی سرکردگی میں چل دیا۔

میجر رائے نے جان لیا تھا کہ کرنل کمانڈنٹ رستوگی نے انسپکٹر تیرتھ رام کو جیپ کے نزدیک ہی رک کر انتظار کرنے کیلئے کہا تھا۔اور اب وہ اس علاقے میں موجود کسی "پٹرولنگ پارٹی" سے رابطہ کر کے انہیں تیرتھ رام کو ریڈ-20 تک پہنچانے کیلئے کہے گا۔

وہ لوگ کسی اور کے انسپکٹر تیرتھ رام تک پہنچنے سے پہلے ہی اس تک پہنچنا چاہتے تھے اور اس علاقے کے چپے چپے سے انہیں واقفیت حاصل تھی۔میجر رائے اور کرنل کرشنا کو اپنے کمرے میں لٹکے نقشے کے ذریعے رستوگی نے یوں بھی اچھی طرح باور کروا دیا تھا کہ وہ کس راستے فرار ہوئے ہیں اور اس وقت انسپکٹر تیرتھ رام کس جگہ مدد کا منتظر کھڑا ہے۔

انہیں نہ صرف تیرتھ رام کا "بولورام" کرنا تھا بلکہ اس آٹھ دس کلومیٹر کے علاقے میں موجود جہانگیر کو بھی زمین کے پاتال سے باہر نکال کر لانا تھا............ان کے ہاتھ آئی سونے کی چڑیا نکل گئی تھی اور وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

مقامی مجاہدین کے خوف سے گو کہ رات کو سکیورٹی فورسز کے لوگ اپنے محفوظ ٹھکانوں میں دبک جاتے تھے اور اکثر مقامات پر نائٹ پٹرولنگ سے بھی احتراز برتتے تھے۔

لیکن............

آج کرنل گوپال کرشنا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

وہ صبح کا انتظار نہیں کر سکتا تھا اور انہیں آج ہی جہانگیر کو تلاش کرنا تھا جس کیلئے کرنل گوپال کرشنا ایک بڑا "سرچ آپریشن" ترتیب دینے جا رہا تھا۔

لیکن............اسے کوئی بھی کارروائی میجر رائے کی طرف سے تیرتھ رام کو اوپر بھیجنے کے بعد ہی شروع کرنی تھی۔

انسپکٹر تیرتھ رام بڑا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اپنے کمانڈنٹ کو کیسے منہ دکھائے گا۔ریڈ-20 میں اس کی خاص شہرت تھی اور ہر شخص اس سے دب کر رہتا تھا۔

لیکن............آج جو کچھ اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔کیا اس کے بعد بھی اس کو وہی عزت مل سکے گا؟

یہ سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہو رہا تھا۔

بالآخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ طویل رخصت پر چلا جائے گا اور دوبارہ اپنا سارا زور لگا کر بی ایس ایف میں واپس آئے گا۔

یہی کچھ سوچ کر جب اسے دور سے کچھ جیپوں کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔اس نے یہی سمجھا کہ اس کیلئے مدد آ گئی ہے۔ایک جیپ اب اس کے بالکل نزدیک آ کر رک گئی تھی۔

انسپکٹر تیرتھ رام نے آخری منظر یہی دیکھا کہ جیپ میں بلیک کیٹس کمانڈوز سوار تھے جو اپنے سروں پر لپٹے کالے رنگ کے بڑے بڑے رومالوں سے پہچانے جا رہے تھے۔

اس نے اپنی دانست میں آگے بڑھ کر صورتحال واضح کرنا چاہی۔

لیکن............

اس کی یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی بیک وقت تین اوزی گنوں کے منہ اس کی طرف ہوئے اور انہوں نے شعلے اگلنے شروع کر دیئے۔انسپکٹر تیرتھ رام کو چند سانسوں کی مہلت بھی میسر نہ آ سکی۔

وہ جانے کب کا مر چکا تھا۔

لیکن............حملہ آوروں نے اپنی میگزینیں خالی کرنا ضروری خیال کیا۔یوں محسوس ہو رہا تھا ان کی زندگی کا صرف ایک ہی مشن ہے۔

قتل و غارت گری............

اور انہیں اس کی پرواہ نہیں کہ مرنے والا ان کا ہم مذہب' ہم وطن یا کوئی اور ہے وہ صرف مارنے اور تباہی پھیلانے آئے تھے۔

پچھلی جیپ میں موجود میجر رائے نے باہر نکل کر انسپکٹر تیرتھ رام کی موت کی تصدیق اس کے مردہ جسم کو ٹھوکر مار کر کی۔

''بزدل...........سالا..........''

اس نے دو تین گالیاں تیرتھ رام کو دیں اور اس کے ساتھ آنے والے بلیک کیٹس نے انسپکٹر تیرتھ رام کی تمام جیبوں کی تلاشی لینے کے بعد اس کی لاش اٹھا کر اس جیپ میں پھینکی جس کے ذریعے وہ یہاں تک پہنچا تھا پھر وہ دھکا لگا کر جیپ کو سڑک کے کنارے تک لے آئے جہاں سے انہوں نے لاش جیپ سمیت نیچے لڑھکا دی۔ نیچے ہزاروں فٹ کی گہرائی میں جیپ گرنے سے زوردار دھماکہ ہوا اور جیپ نے آگ پکڑ لی۔

انسپکٹر تیرتھ رام کا ''کریا کرم'' اس کے ہم وطنوں نے یہیں کر دیا تھا۔ جس کے ساتھ ہی میجر رائے کی طرف سے کرنل گوپال کرشنا کو ''او کے'' سگنل مل گیا۔

گوپال کرشنا اس وقت مقامی ایریا کمانڈر کے آفس میں موجود تھا جہاں اس نے ساری صورتحال سمجھانے کے بعد اسے فرار ہونے والے خطرناک دہشت گرد جہانگیر کی گرفتاری کیلئے خصوصی ''سرچ آپریشن'' کی درخواست کی تھی......

مقامی ''جی سی او'' کو اس بات کا علم تھا کہ اسے با دل نخواستہ سہی اس ''درخواست'' پر عمل کرنا ہوگا کیونکہ اس سے درخواست کرنے والا کوئی اور نہیں بلکہ ''را'' کا مقامی کمانڈنگ آفیسر تھا............ جس کے سامنے بڑے بڑے جرنیل بھی دم نہیں مار سکتے تھے۔

اگلے پندرہ منٹ بعد دو ہزار بھارتی فوجیوں اور بلیک کیٹس کمانڈوز پر مشتمل خصوصی دستے مختلف گروپس میں تقسیم ہو کر دس کلومیٹر علاقے کو اس طرح گھیرے میں لے رہے تھے کہ وہاں زمین پر رینگنے والے حشرات الارض بھی ان سے بچ کر نہ جا سکیں۔

ان فوجیوں میں سے بیشتر کا تعلق بھارتی مسلح افواج کی کمانڈو یونٹس سے تھا جنہیں بطور خاص ان علاقوں میں اس نوعیت کی کارروائیوں میں حصہ لینے کیلئے بھیجا جاتا تھا۔

رات کا اندھیرا پھیلنے کی وجہ سے وہ ہیلی کاپٹروں کی مدد نہیں لے رہے تھے کیونکہ بھارتی انٹیلی جنس رپورٹس کے مطابق مجاہدین کے پاس طیارہ شکن گنیں بھی آ گئی تھیں اور یہ گنیں انہوں نے کہیں اور سے نہیں بلکہ بھارتی فوج پر کامیاب حملے کرنے کے بعد ان سے چھینی تھیں جنہیں استعمال کرنا ان کیلئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔

ریڈ-20 انٹروگیشن کیمپ کے گرداگرد پندرہ بیس کلومیٹر تک بڑا خطرناک علاقہ تھا کہیں ڈھلان زمین تھی کہیں عمودی چٹانیں گہری کھائیاں اور اس کے ساتھ ہی ہموار پہاڑی سلسلہ جس کا اختتام گھنے جنگل میں ہوتا تھا۔

بھارتی کمانڈوز اپنے ہاتھوں میں روشن اور طاقتور ٹارچیں پکڑے بڑے منظم طریقے سے سارے علاقے میں پھیل کر ایک سیلاب کی طرح آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کی ٹارچوں نے رات کو دن میں تبدیل کر دیا تھا۔

☆☆☆

زیرو بلاسٹر

عمران سیریز سلسلے کا ایک اور خوبصورت ناول، مظہر کلیم کے باصلاحیت قلم کی تخلیق۔ اس ناول میں نہ صرف علی عمران ہے بلکہ کرنل فریدی بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ عمران کے مقابل آ کھڑا ہوا ہے۔ ان دو عظیم جاسوسوں کا خوفناک تصادم پڑھنے کے لیے آپ کو انتظار کرنا ہوگا ناول زیرو بلاسٹر کا۔ جسے جلد ہی کتاب گھر پر **ناول** سیکشن میں پیش کیا جائے گا۔

جہانگیر نے اس اطمینان کے بعد کہ وہ ریڈ-20 سے باہر آ چکے ہیں۔ ترپال اپنے اوپر سے ہٹادی تھی لیکن اپنی پوزیشن تبدیل نہیں کی تھی۔
وہ جیپ کے پچھلے حصے میں اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ انسپکٹر تیرتھ رام کو اندرونی شیشے میں دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔
''خبردار اگر کوئی چالاکی دکھائی.............جیپ کے ریڈیو سے ملنے والے کسی بھی میسج کا جواب نہیں دینا۔ چپ چاپ اس سڑک پر چلے جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں جیپ نہ روکنا...........''

اس نے قریباً ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی انسپکٹر تیرتھ رام کی گردن پر ریوالور کی نال جماتے ہوئے حکم دیا۔
انسپکٹر تیرتھ رام کیلئے پیچھے دیکھنا اس لئے بھی ممکن نہیں تھا کہ یہاں ایک لمحے کی غفلت سے وہ ہزاروں فٹ گہری کسی بھی کھائی یا ندی نالے میں جیپ سمیت گر سکتا تھا۔

اس نے کنکھیوں سے صرف ایک منظر دیکھا کہ جہانگیر نے ہاتھ بڑھا کر جیپ کے اندرونی منظر دیکھنے والے شیشے کا رخ اس طرح موڑ دیا تھا کہ اب اسے اپنے پیچھے ہونے والی کسی حرکت کا احساس ہی نہ ہوسکے......

اس علاقے میں ایک ہی چھوٹی سی سڑک بنی ہوئی تھی جو سانپ کی طرح پہاڑی سلسلے اور گھنے درختوں کے درمیان سے چکر کاٹ کر گزر رہی تھی۔ جہانگیر نے تھوڑی دیر میں ہی ایک فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زیادہ عرصہ تک اس کے فرار کی خبر چھپی نہیں رہے گی اور بھارتیوں کو علم ہو جائے گا جس کے بعد وہ بڑے پیمانے پر اس کی تلاش شروع کر دیں گے۔
اس کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو جانا ممکن تھا۔ یہ تو اس کی قوت ایمانی تھی یا پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت جس نے اب تک اس کے جسم و جان کا رابطہ استوار رکھا تھا اور اس کو بھی روبہ عمل کیا ہوا تھا۔ عام حالات میں اتنا تشدد برداشت کرنے کے بعد کسی کے اعصاب قائم رہ جانا ہی غنیمت ہوتا۔ اس نے زیادہ توقف کئے بغیر اگلے موڑ پر جب جیپ کی رفتار سائیکل کی رفتار بھی کم ہو گئی تھی اپنی تمام توانائیاں جمع کیں اور اللہ کا نام لے کر جس پوزیشن میں وہ لیٹا تھا اس پوزیشن میں خود کو کھلی جیپ سے باہر لڑھکا دیا۔
یہ اس کی خوش قسمتی تھی اور اندازے کی درستگی کہ وہ کسی پتھریلی چٹان کے بجائے جنگلی گھاس کے نرم بستر پر گرا تھا اور گرنے سے چوٹ کا زیادہ احساس اس لئے بھی نہ ہوسکا کہ اب اس کا جسم مسلسل اذیت برداشت کرنے کے بعد ایک طرح سے ''چوٹ پروف'' ہی ہو گیا تھا۔
ریوالور اس نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا کیونکہ اب یہی اس کا آخری اور واحد ہتھیار تھا۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس میں کتنی گولیاں موجود ہیں اور اگر وہ کسی جگہ دشمن کے گھیرے میں آ گیا تو اس معمولی ریوالور سے ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟ البتہ ایک فیصلہ اس نے ضرور کر لیا تھا کہ اس مرتبہ دشمن کے ہاتھ زندہ گرفتار نہیں ہوگا۔

زمین سے اٹھتے ہوئے ایک مرتبہ تو اس کے بدن کے روئیں روئیں نے اتنا شدید احتجاج کیا کہ جہانگیر کو اپنی جان نکلنے کا احساس ہوا۔

لیکن......اس نے ہمت ہارنا نہیں سیکھا تھا۔

دل ہی دل میں آیت الکرسی کا ورد کرتے ہوئے وہ اپنے قدموں پر مضبوطی سے جم کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے؟ وہ کہاں ہے؟ مجاہدین کے ٹھکانے کہاں ممکن ہو سکتے ہیں؟ ایک امید ضرور تھی کہ اگر وہ کسی طرح بانڈی پورہ، سوپور، سری نگر یا کسی بھی اور شہر تک پہنچ جائے تو اس کی رسائی کمانڈر مختار تک ہو جائیگی۔
اس کی جسمانی حالت بظاہر ایسی تھی کہ اسے فوراً طبی امداد درکار تھی۔ لیکن یہاں تو صورتحال ہی کچھ اور تھی۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اسے زندگی کیلئے طویل جدوجہد لڑنی ہے اور ذہنی طور پر اس نے خود کو اس جنگ کیلئے تیار بھی کرنا تھا۔

کہاں جاؤں؟ کون سی سمت اختیار کروں؟

یہ فیصلہ کرنا اس کیلئے آسان نہیں تھا۔ شام کا ملگجا اندھیرا اب تاریک ہونے لگا تھا۔ چاند کی شاید درمیانی تاریخیں تھیں ورنہ تو ان حالات میں یہاں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

اس نے دل ہی دل میں ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا کی اور پھر اس کے بھروسے پر اپنے سامنے موجود ایک اونچے پہاڑ کو اپنی منزل تصور کر کے اس سمت اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔

اسے ایک بات کا علم تھا کہ پہاڑ کے دامن میں عموماً کوئی آبادی ضرور ہوتی ہے اور عین ممکن تھا کہ اسے کوئی ''بکروال'' ہی مل جائے جس سے کچھ مدد مل سکے۔

اس کا ایمان تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں اکثریت مجاہدین کا ساتھ دینے والوں کی ہے اور کسی بھی آبادی تک اگر پہنچ گیا تو وہ لوگ بھارتی فوج سے اسے بچانے کیلئے کچھ بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرینگے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے ایسی کہانیاں سنی ہوئی تھیں کہ بھارتی فوج کی قید سے فرار ہونے والے کسی بھی مجاہد کے ایک مرتبہ کسی آبادی تک پہنچنے کے بعد اسے دشمن سے بچانے کیلئے وہاں کی ماؤں اور بہنوں نے ایسی ایسی قربانیاں پیش کیں جن کی مثال ملنا مشکل تھی۔

آسمان بالکل صاف تھا اور ستارے نکل آئے تھے۔ اس نے اپنی دانست میں مغرب کی سمت اختیار کی تھی اور ایک ستارے کو رہنما مان کر اندازے سے اپنی سمت درست رکھ کر چل رہا تھا۔

اگر اس نے انٹروگیشن سنٹر کے اس سپاہی کے لانگ بوٹ' جرابیں اور جرسی نہ پہنی ہوتی تو شاید اس کیلئے اگلے چند قدم اٹھانا بھی ممکن نہ ہوتا۔ سردی کی شدت میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے جسم میں درد کی ٹیسیں بھی بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

لیکن............فی الوقت سوائے صبر کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ قریباً آدھ گھنٹہ کے جان توڑ اور تکلیف دہ سفر کے بعد وہ اس پہاڑ تک پہنچ گیا جس کو عبور کر کے اس نے دوسری طرف اترنا تھا اور اب اپنی تمام تر توانائیں مجتمع کر کے اس نے بلندی کی طرف سفر کا آغاز کر دیا تھا۔

دوران تربیت اسے یہاں اگنے والی اس گھاس سے آگاہ کیا گیا تھا جس سے وہ ان حالات میں اپنے جسم و جان کا رشتہ استوار رکھ سکتا تھا اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے مطلوبہ گھاس مل گئی تھی جس کو چوس چوس کر وہ قدرے توانائی حاصل کر رہا تھا۔

چند گز چڑھنے کے بعد وہ تھوڑی دیر کو سانس لینے کیلئے رکتا اور اپنی توانائیاں بحال ہونے کے بعد دوبارہ اپنے سفر کا آغاز کر دیتا۔ شاید قدرت کو بھی اب اس کی حالت پر رحم آنے لگا تھا یا پھر اس کی استقامت کا انعام دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کر لیا تھا کیونکہ اچانک ہی اس کی نظر اپنے راستے میں آنے والے اس جنگلی بیر کے درخت پر پڑی جس کی پھلوں سے بھری ہوئی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں۔

جہانگیر نے اس تائید خداوندی پر سجدہ شکر ادا کیا اور نہ صرف بیر کھائے بلکہ اپنے فیرن کی جیبیں بھی ان سے بھر لیں اسے قدرے توانائی کا احساس ہونے لگا تھا۔

قریباً آدھ گھنٹہ مزید اونچائی کا سفر طے کرنے کے بعد اب وہ قدرے ڈھلوان جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے پہاڑ کے اس حصے میں کھڑے ہو کر نیچے نظریں دوڑائیں اور دوسرے ہی لمحے اسے اپنے دل کی دھڑکنوں کے تیز ہونے کا احساس ہوا۔ سینکڑوں کی تعداد میں روشنیاں چاروں طرف بکھرنے سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ بھارتی فوج کے وہ کمانڈوز ہیں جو رات کو سرچ آپریشن پر نکلتے ہیں جس کا مطلب تھا کہ دشمن اس کا تعاقب کر رہا ہے............

اس نے اپنی رفتار بلندی کی سمت اور بڑھا دی......

تیز چلنے سے اس کا سانس پھولنے لگا تھا لیکن وہ اپنے جسم و جاں سے بے نیاز ہو کر اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا تھا۔

پندرہ بیس منٹ مزید بلندی کی طرف سفر کرنے کے بعد اسے گھنے درختوں کے جھنڈ میں ایک طرف آگ سلگتی دکھائی دی۔ چند لمحوں کے تذبذب کے بعد اس نے اس طرف قسمت آزمائی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اکیسواں باب

پستول ہاتھ میں تھامے اپنی دانست میں وہ بڑی ہوشیاری سے جھاڑیوں کی آڑ لیتا اس طرف بڑھ رہا تھا جب اچانک ہی اس کی گردن سے ایک ٹھنڈی نالی چپک گئی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"ہینڈز اپ.........."

جہانگیر کو اس کے ساتھ اپنی پشت سے آواز سنائی دی۔

اس نے پستول سمیت ہاتھ اٹھائے تھے جب اچانک اس کی کمر پر زوردار لات لگی اور وہ منہ کے بل سامنے گر پڑا۔

"پستول کو مت چھونا.........."

دوبارہ آواز سنائی دی۔

اچانک گرنے سے پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔

جہانگیر کے اوسان ایک لمحے کیلئے بھی خطا نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ حادثہ اچانک اور انتہائی غیر متوقع تھا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس طرح اچانک پھر دشمن کے قابو آ جائیگا۔

"کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ اوپر اٹھا لو.........."

حملہ آور جس کی ابھی تک جہانگیر نے شکل نہیں دیکھی تھی اس سے مخاطب ہوا۔

جہانگیر کیلئے فی الوقت اس کے حکم پر بلا چوں و چراں عمل کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ بادل نخواستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھ بھی سر سے بلند کر لئے۔

اب حملہ اس کے پیچھے سے گھوم کر سامنے آ گیا۔ اس نے سب پہلے جہانگیر کی پستول پر قبضہ کیا تھا۔

حملہ آور کی شکل اور کپڑوں پر نظر پڑتے ہی جہانگیر نے سکھ کا سانس لیا۔ شاید وہ غلط فہمی میں مارا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے جسم پر بی ایس ایف کی وردی تھی۔ شاید یہ مجاہدین کی کوئی نگران پوسٹ تھی ایسی نگران پوسٹیں مجاہدین ان پہاڑی راستوں پر بنا کر فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھا کرتے تھے۔

"کون ہو تم؟"

مجاہد اب اس کے سامنے آ گیا تھا اور اس کی طرف گن کا رخ کئے اس سے مخاطب تھا۔

"میں وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں.........."

جہانگیر نے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

مجاہدین نے قدرے حیرانگی سے پوچھا۔

''میں آپ ہی کا ایک ساتھی ہوں..........''

یہ کہتے ہوئے جہانگیر نے ہاتھ گرادیئے۔

مجاہد نے ابھی تک اس کی طرف بندوق سیدھی کی ہوئی تھی۔وہ شاید کسی تذبذب کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔

''شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں......میرا نام جہانگیر ہے..........''

جہانگیر نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

جیسے ہی اس کے منہ سے اپنا نام نکلا۔حملہ آور مجاہد نے اپنی بندوق زمین پر پھینکی اور جہانگیر بھائی کہتا ہوا گرمجوشی سے اس کے ساتھ بغل گیر ہوگیا۔

''اف میرے خدایا......مجھ سے کتنی بڑی بھول ہوگئی ہے۔مجھے معاف کردیجئے۔آپ کو کون نہیں جانتا..........''

یہ کہتے ہوئے اس نے زمین پر گرا پستول اٹھایا اور احترام سے اس کو تھمادیا۔

''اس طرف آجایئے..........آپ زخمی دکھائی دیتے ہیں......شاید آپ گرفتار ہوگئے تھے..........''

مجاہد نے اسے آگے کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک خیمے میں بیٹھے تھے جس کے ایک کونے میں انگیٹھی سلگ رہی تھی۔مجاہد نے زمین پر بچھا تولیا اس کے نزدیک کردیا اور اسے زبردستی وہاں بٹھادیا تھا۔

اس نے اپنا تعارف حسن کے نام سے کروایا تھا اور اپنا تعلق کشمیری مجاہدین کی تنظیم ''سرفروش'' سے ظاہر کیا تھا۔

اس نے جہانگیر کو بتایا کہ اس علاقے میں ان کی تنظیم زیادہ کارروائیاں کرتی ہے اور انہوں نے یہاں پہاڑ کی بلندی پر اپنی نگران پوسٹ قائم کررکھی ہے۔کیونکہ پہاڑ کے دوسری طرف ان کا ''ہائیڈ آؤٹ'' ہے جس سے ملحقہ گاؤں کو انہوں نے اپنا مرکز بنایا ہوا ہے۔

حسن نے جہانگیر کو بتایا کہ مجاہدین کے حلقوں میں اس کے نام کی شہرت ہے اور وہ لوگ بھی اس بات سے پریشان تھے کہ جہانگیر دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔لیکن انہیں امید نہیں تھی کہ اسے یہاں سری نگر کے نزدیک لاکر رکھا جائے گا۔شاید دشمن نے حفظ ما تقدم کے طور پر اسے سوپور سے دور رکھا تھا تاکہ مجاہدین کو اس بات کا علم ہی نہ ہوسکے کہ وہ کہاں ہے؟ کیونکہ بھارتیوں کو یہ خطرہ لگا ہوا تھا کہ جہانگیر کی گرفتاری مجاہدین کیلئے ناقابل برداشت ہوگی اور جیسے ہی انہیں یہ علم ہوا کہ اسے کسی انٹروگیشن سنٹر میں رکھا گیا ہے وہ تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر اس انٹروگیشن سنٹر پر حملہ کریں گے۔

حسن کی زبانی ہی جہانگیر کو اس بات کا علم ہوا کہ وہ سوپور سے دور سری نگر کے نواح میں واقع ''را'' کے خصوصی انٹروگیشن سنٹر ریڈ-20 سے فرار ہوکر یہاں تک پہنچا ہے۔

انکا

انکا......چھ انچ کی گڑیا،ایک قتالہ عالم،آفت کی پڑیا۔پراسرار قوتوں کی مالک،خوش قسمتی کی دیوی،جس کے حصول کے لیے بڑے بڑے پجاری اور عالم سرتوڑ کوششیں کرتے تھے۔ایک ایسی داستان جس نے سالوں تک پراسرار کہانیوں کے شائقین کو اپنے سحر میں جکڑے رکھا۔انکا......اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ بہت جلد کتاب گھر پر جلوہ افروز ہو رہی ہے۔

اس نے جہانگیر کو بتایا کہ اس تفتیشی مرکز سے اس کا فرار کسی معجزے سے کم نہیں کیونکہ آج تک یہاں سے فرار تو دور کی بات کوئی مجاہد اگر زندہ بھی آیا ہے تو اپنے مکمل جسم کے ساتھ نہیں۔

اس انٹروگیشن میں آنے والوں کو یا تو بے پناہ تشدد کے بعد جان سے مار کر ان کی لاش کسی ندی نالے کی نذر کر دی جاتی ہے یا پھر ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر انہیں نشان عبرت بنا کر کسی جیل میں زندہ درگور کر دیا جاتا ہے.........!

حسن نے اسے بتایا کہ اگر کوئی بے گناہ بھی یہاں پہنچ جائے تو بھارتی اسے بھی زندہ باہر نہیں جانے دیتے۔ اس نے جہانگیر کے عزم و ہمت اور حوصلے پر اسے بے پناہ خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی آپ نے متعلق جو سنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا۔ ہمارے مقامی مخبر نے اطلاع دی تھی کہ ریڈ-20 سے کوئی مجاہد انسپکٹر ہلا کو یرغمال بنا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہمیں تو اس اطلاع پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ لیکن یہ آپ ہوں گے یہ تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا ......اللہ تعالیٰ نے یقیناً آپ سے ابھی تحریک آزادی کیلئے کوئی اہم خدمت لینا ہے.........."

"حسن بھائی......آپ کا شکریہ۔ میں چاہتا ہوں میرے نظم کو جلد ہی میرے متعلق اطلاع مل جائے وہ بہت پریشان ہوں گے.........."

جہانگیر نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں.........اب آپ اللہ کے فضل سے محفوظ ہاتھوں میں پہنچ چکے ہیں جب ہمارے "سرفروش" ساتھیوں کو علم ہو گا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں تو انہیں کتنی خوشی ہو گی.........کاش آپ اس کا اندازہ کر سکتے......فی الوقت تو آپ سب باتوں کو بھول جائیں" یہ کہتے ہوئے اس نے آگے نزدیک ہی دھرے ایک سماوار سے کپ میں قہوہ انڈیلنا شروع کر دیا۔ پھر گرم گرم قہوہ کی پیالی اس کو تھما دی۔

☆☆☆

یہاں شاید کھانے پینے کا ذخیرہ موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جہانگیر کیلئے گرم گرم کھانا تیار کر کے رکھ دیا۔ گرم کھانے اور قہوے نے اسے قدرے سکون پہنچایا اور اب اس کے زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کو بھی قدرے افاقہ محسوس ہو رہا تھا۔

"جہانگیر بھائی آپ اطمینان سے سو جائیں۔ میں مناسب موقعہ دیکھ کر اپنے ساتھیوں کو دوسری طرف آپ کی موجودگی سے آگاہ کرتا ہوں اور وہ یہ پیغام کمانڈر مختار تک پہنچا دیں گے۔ اس دوران آپ ہمارے مہمان رہیں۔ ہمارے لئے یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہو گی۔ میں جانتا ہوں کہ ریڈ-20 میں چند گھنٹے گزارنے سے بھی آپ پر قہر کے کون کون سے پہاڑ نہیں ٹوٹے ہوں گے۔ میرے پاس یہاں ابتدائی طبی امداد کیلئے کچھ دوائیں موجود ہیں۔ کل انشاء اللہ ہمارے مقامی مرکز پر آپ کو مطلوبہ طبی سہولتیں بھی مل جائیں گے.........آپ مطمئن رہیں اس طرف بھارتی فوج آنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ کیونکہ اس سے پہلے تین چار مرتبہ وہ اس طرف آنے کی اتنی قیمت ادا کر چکے ہیں کہ اب شاید وہ اس کا تصور بھی نہ کریں........"

اس نے جہانگیر پر وہاں موجود دو بڑے گرم کمبل ڈالتے ہوئے کہا۔

جہانگیر محسوس نہ کر سکا کہ دوران گفتگو دو تین مرتبہ حسن نے مقامی زبان میں بات کر کے اس بات کا عندیہ لینے کی کوشش کی تھی کہ اسے یہ زبان آتی ہے یا نہیں۔

اور.........اب حسن کو یقین ہو گیا تھا کہ جہانگیر نے مقامی زبان میں بات کر کے اس بات کا عندیہ لینے کی کوشش کی تھی کہ اسے یہ زبان آتی ہے یا نہیں۔

اور.........اب حسن کا یقین ہو گیا تھا کہ جہانگیر کو مقامی زبان نہیں آتی اس نے جہانگیر کے سامنے ہی دوسرے کونے میں رکھے لکڑی

کے بکس سے ایک وائرلیس سیٹ نکلا اور اس پر اپنے ساتھیوں سے رابطہ کر کے انہیں جہانگیر کے یہاں موجود ہونے کی اطلاع دی۔

اس دوران دونوں طرف سے ہونے والی زیادہ تر گفتگو مقامی زبان ہی میں ہوئی تھی اور جلد ہی اس نے سلسلہ منقطع کر دیا کیونکہ اس علاقے میں بھارتی فوج کی موجودگی سے یہ شک رہتا تھا کہ وہ لوگ کہیں اس وائرلیس پیغام کو سن کر ان کے ٹھکانے کا پتہ ہی نہ لگا لیں۔

''الحمد للہ! جہانگیر بھائی ہمارے ساتھیوں کیلئے آپ کی موجودگی کی خبر ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی ہے وہ آپ سے ملاقات کرنے کیلئے بہت بے چین ہیں............لیکن خصوصی احتیاط کرتے ہوئے فی الوقت آپ سے کسی کو رابطے کی اجازت نہیں دی جا رہی۔ ہمارے کمانڈر کوئی معمولی سا خطرہ بھی آپ کیلئے پیدا نہیں کرنا چاہتے......اب ہمارا رابطہ دوسری طرف موجود اپنے ساتھیوں سے کل ہی ہو سکے گا...........کوشش کی جارہی ہے کہ آپ اپنا باقی سفر گھوڑے پر کریں......کیونکہ میرے نزدیک آپ کی موجود جسمانی حالت میں طویل سفر اختیار کرنا مشکل ہوگا۔

حسن نے سلسلہ ختم ہونے پر اسے کہا۔

''حسن بھائی آپ مطمئن رہیں۔ میں بدترین حالات میں بھی اپنا بوجھ خود اٹھاؤں گا اور انشاء اللہ آپ کیلئے بوجھ نہیں بنوں گا............''

جہانگیر نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

''ارے جہانگیر بھائی خدا کیلئے دوبارہ ایسی بات اپنے منہ سے نہ نکالئے۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ مجاہدین آپ سے متعلق کیا جذبات رکھتے............''

حسن نے تڑپ کر اس کی بات کاٹ دی۔

تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد جہانگیر پر نیند کا غلبہ ہونے لگا شاید اسے حسن نے آرام کے پیش نظر کوئی نیند آور گولی بھی کھلا دی تھی ....جلد ہی وہ نیند کی دیوی کی بانہوں میں جھولنے لگا۔

☆☆☆

سرفروش کی یہ پوسٹ ''را'' کی خصوصی پیشکش تھی......

''را'' نے مجاہدین کے بھیس میں آستین کے سانپ ایسی بہت سی پوسٹوں پر تعینات کئے ہوئے تھے۔

''سرفروش'' تو ان کی پیدا کردہ جماعت تھی۔ دیگر مجاہد تنظیموں میں بھی ان کے ایجنٹ موجود تھے۔ جو اس طرح کی حساس ذمہ داریاں حاصل کرنے کے بعد مجاہدین کی نقل و حرکت سے متعلق اطلاعات اپنے ''مالکان'' کو فراہم کر کے اپنے پیٹ جہنم کی آگ سے بھرا کرتے تھے۔

آپریشن بلیو سٹار

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف **طارق اسماعیل ساگر** کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا دوسرا ناول **آپریشن بلیو سٹار** کہانی ہے ایسے سرپھرے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کو کچلنے کے لیے کیا گیا بدنام زمانہ فوجی ایکشن جسے آپریشن بلیوسٹار کا نام دیا گیا تھا، اسی آپریشن کے بعد ہندوستان کی سابقہ وزیراعظم اندرا گاندھی کو اسکے اپنے سکھ باڈی گارڈز نے گولیوں سے اُڑا دیا۔ ہندوں اور سکھوں کی باہمی چپقلش اور کشمکش کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔

حسن کا شمار ''را'' کے خصوصی ایجنٹوں میں ہوتا تھا۔

وہ بھارتی انٹیلی جنس بیورو کا انسپکٹر تھا جسے ڈی ایس پی کے عہدے پر ترقی دے کر مجاہدین کی صفوں میں داخل کیا گیا تھا اور اب وہ ''سرفروش'' کا ایک اعلیٰ عہدے دار تھا۔

سرفروش جو ''را'' کی ذیلی تنظیم تھی کے کارناموں کو بطور خاص شہرت دی جارہی تھی اور گزشتہ تین چار ماہ ہی میں اس تنظیم نے کشمیری مسلمانوں کے دلوں میں بہت جگہ بنالی تھی۔ خصوصاً سری نگر کے ان مضافاتی علاقوں میں لوگ ان کا نام بڑی عزت واحترام سے لیا کرتے تھے۔

''را'' کے جہاندیدہ ایریا چیف کرنل گوپال کرشنا نے نہ صرف بڑی محنت سے یہ تنظیم قائم کی تھی بلکہ اس کے کھاتے میں پندرہ بیس روز کے بعد بھارتی بلیک کیٹس کی مدد سے ایک آدھ ''کارنامہ'' بھی ڈال دیا جاتا تھا۔

سری نگر کے کسی بھی محلے سے کسی بے گناہ کشمیری اغوا کر کے جب اس پر تشدد کے بے پناہ حربے آزمانے کے بعد ''را'' کو یقین ہوجاتا کہ اس بے چارے کا تعلق کسی مجاہد تنظیم سے نہیں ہے نہ ہی اس نے کبھی آپریشنل سرگرمیوں میں حصہ لیا ہے اور محض تحریک آزادی سے ہمدردی ہی اس کا ناقابل معافی گناہ ہے تو بھارتی سورمے اسے تشدد کے بعد ہلاک کر کے اس کی لاش کسی چوراہے پر پھینک جاتے جس کے بعد ایک بیان اخبارات کو جاری ہوجاتا جس کی تحریر عموماً اس طرح ہوتی۔

''سری نگر کے فلاح محلے سے گرفتار ہونے والے ''سرفروش تنظیم'' کے فلاں دہشت گرد نے پولیس کی حراست سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور پولیس کی گولی کا نشانہ بن گیا............''

اس ''بیچارے دہشت گرد'' کے کھاتے میں وہ ایک دو ایسے کارنامے ڈال دیا کرتے تھے جو کشمیر کے سیدھے سادھے عوام کے دلوں میں اس کا احترام ایک ''ہیرو'' کی حیثیت سے کروادیا کرتے تھے۔

اس کے بعد ''سرفروش'' کے لیٹر پیڈ پر اخبارات کو ایک بیان جاری ہوجاتا جس میں اپنے اس ''شہید'' کی عظمت کا سلام کر کے اس کے کارناموں پر اسے خراج تحسین پیش کیا جاتا اور ''سرفروش'' کی طرف سے اپنے اس عہد کی تکرار کی جاتی کہ وہ کشمیر کو بھارتی استبداد سے آزاد کروانے تک اپنے عزم پر ڈٹے رہیں گے اور اپنی ہزاروں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

کبھی کبھی اگر کسی دوسری مجاہد تنظیم کے کسی ذمہ دار کے دل و دماغ میں کوئی معمولی سا شائبہ بھی جنم لیتا اور وہ اپنے کسی ساتھی سے ''سرفروش'' تنظیم سے متعلق خدشات کا اظہار کر بھی دیتا تو اس کے ساتھی سختی سے اس کے خیالات کی نفی کر دیتے اور اسے تنبیہ کر دیتے کہ ''سرفروش'' سے کشمیری عوام کی اندھی عقیدت کے پیش نظر وہ دوبارہ کبھی ایسی کوئی بات زبان پر نہ لائے نہ ہی اپنے ذہن میں ایسے وسواس کو جگہ دے۔

''سرفروش'' کا مقامی کمانڈر یامین بھی حسن کی طرح آئی بی کا باقاعدہ آفیسر تھا اور اس کی طرح بھیس بدل کر مجاہدین کی جڑیں کاٹنے کے گھناؤنے کاموں میں جتا ہوا تھا۔

یہ دونوں شیطان اپنے کارناموں میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے چکر میں رہتے تھے کیونکہ کوئی بھی ایسا گھناؤنا کارنامہ انجام دینے پر انہیں انعام کی خطیر رقم سے بھی نوازا جاتا تھا..............

دونوں ایک طرح سے ''سرفروش'' میں ڈیپوٹیشن'' پر آئے تھے اور چاہتے تھے کہ یہاں سے اپنے محکمے لوٹنے تک دولت کے انبار بھی جمع کر لیں.............!!

جہانگیر کے ریڈ-20 سے فرار کے فوراً بعد ہی ''را'' نے اس کی گرفتاری کیلئے جو حکمت عملی اختیار کی تھی اس کے تحت کرنل گوپال کرشنا نے دیگر بہت سے اقدامات کے علاوہ حسن اور یامین کو براہ راست وائرلیس میسج کے ذریعے اس خطرناک ''اوگروادی'' (دہشت گرد) کے فرار کی اطلاع دی تھی اور یہ بھی بتادیا تھا کہ اس کی زندہ گرفتاری پر کم از کم پانچ لاکھ روپے انعام کی رقم انہیں مل سکتی تھی۔

حسن نے جہانگیر کی آمد کو اپنے لئے بظاہر بڑا نیک شگون سمجھا تھا............

اس کے پاس تو 5 لاکھ روپے کا ڈرافٹ آ گیا تھا۔ جسے وہ جب چاہتا کیش کروا کر اپنی تجوری بھر سکتا تھا۔

پہلے تو اس نے اکیلے ہی 5 لاکھ روپے ہڑپ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

لیکن............ پھر یامین کا خیال آنے پر اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر لیا۔ وہ جانتا تھا کہ یامین کو حصہ دار بنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ بصورت دیگر بازی الٹ بھی سکتی تھی۔ یہی سوچ کر اس نے بادل نخواستہ یہ اطلاع وائرلیس کے ذریعے کرنل گوپال کرشنا کو دینے کے بجائے یامین کو دی تھی۔ جس نے اسے کہا کہ جہانگیر کو رات یہیں رکھے۔ صبح وہ اسے اپنے ٹھکانے پر لے آئینگے اور شام کے بعد ڈرامائی انداز میں گرفتار کروا دیں گے۔

یامین نے اسے بتایا کہ وہ حکومت کو یہی تاثر دیں گے کہ انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر جہانگیر کو گرفتار کیا ہے۔ وہ لوگ ''را'' کو یہ تاثر نہیں دینا چاہیے تھے کہ وہ بٹیرے کی طرح اندھے کے ہاتھوں میں آ گیا ہے۔

☆☆☆

''سرفروش'' کے کارناموں کی شہرت کے بعد اس میں معصوم اور حالات سے بے خبر مجاہد نوجوان بھی شامل ہونے لگے تھے اور ''را'' کے ابتدائی مرحلے پر اپنے پانچ چھ سرکاری ملازمین کی مدد سے قائم اس تنظیم کے مجاہدین کی تعداد پچیس تیس کے قریب ہو رہی تھی۔

یامین اور حسن کمال ہوشیاری سے تنظیم میں شامل ہونے بے گناہ مجاہدین کو خود ہی مخبری کر کے ''را'' کے ہاتھوں مروا دیا کرتے تھے اور انہوں نے اس طرح اپنے ''شہدا'' کی تعداد میں بھی خاصا اضافہ کر لیا تھا۔

جب سے ''اصلی مجاہد'' ان میں شامل ہوئے تھے ان کا کام زیادہ مشکل ہو گیا تھا وہ اپنی تمام تر توانائیاں اپنی اصلیت کو ان مجاہدین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ان سے چھپانے میں صرف کرنے لگے تھے۔

یامین کی خواہش تھی کہ جہانگیر کی آمد کا علم بھی اس کے علاوہ صرف حسن تک ہی محدود رہے کیونکہ ان کے اس ''ہائیڈ آؤٹ'' پر اس وقت چار پانچ اصلی مجاہد بھی موجود تھے اور اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ وہ جہانگیر کے نام سے آشنا نہ ہوں۔ کیونکہ وہ کشمیری مجاہدین کا آئیڈیل بن چکا تھا اور معمولی شک گزرنے پر یہ نوجوان یامین اور اس کے ساتھیوں کی تکا بوٹی کر ڈالتے............

یامین کیلئے سب سے زیادہ تشویشناک بات یہ تھی کہ ان کے جتنے زیادہ ساتھیوں (ایجنٹوں) کو جہانگیر کی موجودگی کا علم ہوگا انعام کی رقم کے حصہ داروں کی تعداد میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔ یہ صورتحال اس کیلئے ناقابل برداشت تھی اسے صرف اس خطرے کا تدارک کرنا تھا۔

اپنے ذہن میں ایک خطرناک منصوبہ طے کرنے کے بعد وہ اپنے ساتھیوں سے حسن کا پیغام ملنے کے کچھ دیر بعد ہی علیحدہ ہو گیا۔۔

اس کے ساتھی مجاہد بے چارے یہی سمجھے تھے کہ ان کا کمانڈر کوئی ''اہم اطلاع'' ملنے پر کسی خاص منصوبے کے تحت ان سے الگ ہوا ہے۔

یہ بے چارے تو اپنے کمانڈر کا پیروں کی طرح احترام کرتے تھے اور خصوصی نظم کا پابند ہونے کے سبب کسی کو کمانڈر صاحب کی نقل و حرکت کی اطلاع رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ البتہ کمانڈر کے علم میں سب کی نقل و حرکت کی اطلاع ہونا ضروری تھی۔ تا کہ وہ جب چاہے کسی کی قربانی کا بکرا بنا کر اس کی نقل و حرکت سے ''را'' کو آگاہ کر کے اپنا کام بھی کرتا رہے۔

☆☆☆

یہ پیغام اسے رات کے پہلے پہر ملا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اکیلا حسن کی طرف جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس نے اپنے اس خفیہ ٹھکانے پر موجود گھوڑے کے ذریعے سفر کا ارادہ کیا تھا۔ یہی ایک طریقہ تھا جس کے ذریعے وہ اگلے روز پھوٹنے تک جہانگیر کو اپنے گھر پر رکھ سکتا تھا۔ جو پہاڑ کے دوسری طرف موجود آبادی میں تھا اور جس کا علم سوائے ''را'' کے اور کسی کو نہیں تھا...........

عام حالات میں شاید وہ کبھی اس طرح رات کو سفر کرنے کا خطرہ مول نہ لیتا کیونکہ اس علاقے میں بھارتی فوج کی گشت کی وجہ سے عین ممکن تھا وہ غلط فہمی ہی میں کسی فوجی کی گولی کا شکار ہو جاتا۔

رات کے اس پہر شاید ہی کوئی فوجی جوان اس کی شناخت پریڈ کا تکلف کر سکتا تھا اور اسے مشتبہ جان کر فوراً گولی مار دیتا۔

لیکن...........

5 لاکھ روپے کوئی معمولی رقم نہیں تھی جس کا آدھا حصہ اسے ملنے جا رہا تھا اور اس ڈھائی لاکھ روپے کے ذریعے وہ بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لینے کیلئے تیار تھا۔

اس نے ایک لمبا چکر کاٹ کر دو گھنٹے کا زائد سفر تو طے کر لیا تھا لیکن معمولی سا خطرہ بھی مول نہیں لیا تھا۔

رات تقریباً آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی جب وہ اپنے اس ''خفیہ ٹھکانے'' پر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچا۔

اس وقت جہانگیر کے علاوہ حسن بھی گہری نیند سو رہا تھا............!!

خیمے کے باہر اس نے مخصوص آواز نکال کر حسن کو بیدار کیا۔

جہانگیر بھی کسی جانور کی عجیب و غریب آواز سن کر ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے پستول کی طرف گیا۔

لیکن............ اس سے پہلے بیدار ہونے والے حسن نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی بندوق کا رخ خیمے کے دروازے کی طرف کر کے مقامی زبان میں کچھ کہا۔

دوسری طرف سے جواب ملنے پر اس نے سکھ کا سانس لے کر اپنی بندوق وہیں رکھ دی۔

''کمانڈر صاحب آئے ہیں............''

اس نے جہانگیر سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

جہانگیر نے اٹھنا چاہا لیکن حسن نے اسے منع کر دیا۔

''آپ کا یک دم باہر نکلنا مناسب نہیں...... آپ کی صحت ٹھیک نہیں...........''

اس نے جہانگیر کو کمبل اوڑھے رکھنے کی ہدایت کی اور خود خیمے کا پردہ کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہی یامین اس کے سامنے موجود تھا۔

''جہانگیر بھائی...........''

اس نے بے ساختہ کہا اور وارفتگی سے جھک کر جہانگیر سے لپٹ گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی اور حسن اس کیلئے قہوہ تیار کرنے لگا۔ چند منٹ ہی میں وہ بے تکلف دوستوں کی طرح باتیں کر رہے تھے۔ یامین نے اسے بتایا کہ اس کے فرار کے بعد اس علاقے میں قریباً ریڈ الرٹ کی سی کیفیت طاری ہے اور رات کے اس پہر بھی فوجی ٹرکوں کی نقل و حرکت معمول سے زیادہ ہو رہی ہے۔

ہمارے مخبروں نے عندیہ ظاہر کیا ہے کہ بھارتی فوجیں صبح ہوتے ہی اس پہاڑی پر حملہ کریں گی .... عین ممکن ہے وہ لوگ فضائی مدد

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

بھی حاصل کریں کیونکہ دھوپ نکلنے کے کچھ دیر بعد ہی دھند چھٹ جاتی ہے............ جہانگیر بھائی! ہم آپ کیلئے اب کسی قسم کا معمولی سا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتے .... آپ کو زحمت تو ہوگی۔ لیکن آپ کو اس وقت میرے ساتھ چلنا ہے............ الحمدللہ میں یہاں تک گھوڑا لانے میں کامیاب ہوگیا ہوں۔ مجاہدین کی خواہش ہے کہ آپ کو صبح ہونے سے پہلے محفوظ ٹھکانے پر منتقل کر دیا جائے۔ ہم صبح کا انتظار نہیں کر سکتے............''

یامین نے کمال مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''یامین بھائی آپ میری فکر نہ کریں...... یوں بھی بھی آسانی نے ان لوگوں کے ہاتھ آنے والا نہیں ہوں............''

جہانگیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

یامین نے اسے فیرن دیدیا جو اپنے ساتھ ہی لایا تھا۔ پھر ایک گن اور گولیوں کا تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

''شکریہ............''

جہانگیر نے یہ کہہ کلاشنکوف کا جائزہ لیا

اس کو لوڈ اور ان لوڈ کر کے دیکھا۔ اس کے میگزین اور گولیاں چیک کیں پھر مطمئن ہو کر لوڈ میگزین کے ساتھ اسے کندھے سے لٹکایا۔

یامین کو علم تھا کہ وہ آسانی سے دھوکے میں آنے والا نہیں نہ ہی وہ کوئی خطرہ مول لینا چاہتا تھا۔ جس سے جہانگیر کو معمولی سا شک بھی گزرتا۔ اس لئے اس نے سب کچھ ''اصلی'' اس کو دیا تھا۔

بندوق اور گولیوں کا تھیلا اپنے جسم سے باندھ کر اس نے یامین کی ہدایت پر ایک کمبل بھی اوڑھ لیا۔

اس کی ضرورت تو نہیں............''

جہانگیر نے کہا۔

''نہیں جہانگیر بھائی وادی کے اس حصے میں شدید سردی پڑتی ہے۔ آپ زخمی بھی ہیں۔ ہم کمانڈر مختار بھائی کے سامنے معمولی سی بات پر بھی شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ ہمارے مہمان ہی نہیں مجاہدین کے قابل فخر کمانڈر کے ساتھی بھی ہیں............ آپ کے دو تین کارناموں نے کشمیری عوام کے دلوں میں آپ کیلئے بے پناہ عقیدت پیدا کر دی ہے............ آپ کی حفاظت تو ہمارا فرض ہے اور اس فرض میں اگر معمولی سی کوتاہی بھی ہوگئی تو شاید میں خود کو ساری زندگی معاف نہ کر پاؤں............''

یامین نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔

جہانگیر کو یوں لگ رہا تھا جیسے اگر اس نے دوبارہ یامین کو کچھ کہا تو وہ شدت جذبات سے رو دے گا۔

دونوں خیمے کے باہر آگئے جہاں حسن گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا تھا۔ انہوں نے جہانگیر کو اخلاقی دباؤ کے ساتھ گھوڑے پر سوار کروا دیا جس کی باگیں یامین نے سنبھالی تھیں۔

حسن انہیں پہاڑی کے پہلے موڑ تک چھوڑنے آیا تھا۔ جس کے بعد وہ گرم جوشی سے جہانگیر کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر واپس لوٹ گیا۔

جہانگیر کو اس سے الگ ہوتے ہوئے اپنا دل خاصا بوجھل محسوس ہو رہا تھا۔ ایسے جانثار اور ہمدرد مجاہدین سے اس کا پہلی مرتبہ واسطہ پڑا تھا۔ یامین اور حسن ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اس کی خدمت کے خواہاں تھے۔

☆☆☆

انہوں نے قریباً چار گھنٹے کا طویل راستہ طے کیا تھا............

اس درمیان دو تین جگہ صرف چند منٹ کیلئے رک کر یامین نے آرام کیا۔

لیکن............جہانگیر کے بضد ہونے کے باوجود وہ کہیں بھی خود گھوڑے پر سوار نہیں ہوا تھا۔البتہ راستے میں کہیں کہیں گھوڑے کی سہولت کیلئے جہانگیر اس کی پیٹھ سے اتر کر اس کے ساتھ پیدل سفر کرنے لگتا تھا۔وہ اس طرح اکیلا گھوڑے کی پیٹھ پر سفر کرتے ہوئے اپنے ضمیر پر قدرے بوجھ محسوس کرر ہا تھا...........!

لیکن............اس نے جلد ہی اندازہ کر لیا کہ اس کے پیدل چلنے سے یامین قدرے بے چینی سی محسوس کرنے لگتا ہے۔

ایک مجاہد کی اپنی دوسرے مجاہد ساتھی کیلئے اس بے پناہ عقیدت پر اس نے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا۔

دونوں اس وقت سری نگر کے نواحی علاقے میں پہنچ گئے تھے۔

یہاں ایک پہاڑی کے دامن میں بنی خوبصورت آبادی کے ایک کونے میں اور عام گھروں سے قدرے ہٹ کر ایک مکان کے سامنے جا کر وہ رک گئے۔

یامین نے جہانگیر کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔گھوڑا وہ آبادی کے آغاز میں درختوں کے ایک جھنڈ میں درخت سے باندھ آیا تھا۔جہانگیر کو اس نے محتاط رہنے کا اشارہ کیا جس نے اپنا ہاتھ بندوق پر مضبوطی سے جما یا تھا۔

یامین نے اپنے گھر کی چھوٹی سی دیوار پھلانگی اور اندر داخل ہو کر اس کیلئے دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

صبح ہو چکی تھی............

دونوں نے نماز اکٹھے ہی ادا کی تھی............

لیکن............ابھی تک دھند اتنی زیادہ تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

کچھ مکانوں کی بتیاں روشن تھیں لیکن انکی روشنی مکانات کی دیواروں تک ہی محدود تھیں۔کہر آلود ہواؤں نے روشنیوں کو بھی منجمد کر دیا تھا۔

مکان جدید طرز کا بنا ہوا تھا............

یامین کے مخصوص انداز سے دستک دینے پر ایک بوڑھی عورت نے دروازہ کھولا اور اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی اس کی بلائیں لینے لگی۔

''میری ماں ہے............''

اس نے جہانگیر کا بوڑھی عورت سے تعارف کروایا۔

جہانگیر نے بڑے ادب سے انہیں سلام کیا۔بوڑھی ماں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا اور اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔

''کون آیا ہے............''

شاید کمرے سے ملحقہ رسوئی سے کسی نے آواز دے کر دریافت کیا۔

''جملہ بیٹی ادھر آجا............تیرے بھیا آئے ہیں............''

بوڑھی عورت کا فقرہ ابھی بمشکل ہی مکمل ہوا تھا کہ ایک نوجوان لڑکی کمرے کے دوسرے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔

جہانگیر کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

''ہمارے مہمان ہیں............ساتھی ہیں............''

یامین نے اسے عجیب سے انداز میں جہانگیر کا تعارف کرایا۔نجانے کیوں جہانگیر کو اس طرح اپنا تعارف کروانے کا طریقہ عجیب سا لگا وہ حیران ہو رہا تھا کہ جب یامین ''سرفروش'' کا کمانڈر ہے تو اس کی ماں اور اس نوجوان لڑکی کو اس بات کا علم بھی ضرور ہوگا پھر اس نے جہانگیر کا اصلی تعارف کیوں نہیں کروایا............

اس کے دل پر ایک گرہ سی لگ گئی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''یہ میری بہن ہے جمیلہ..........''

یامین نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا جس کے چہرے پر الجھن کے آثار بڑے نمایاں تھے۔ پھر اچانک ہی اس نے خود کو نارمل کیا اور جہانگیر کو ادب سے سلام کر کے ایک کونے میں کھڑی ہو گئی۔

یامین کی ماں روایتی انداز میں اس کی خیریت دریافت کرتی رہی جبکہ جمیلہ جو دوبارہ الجھن کا شکار ہونے لگی تھی۔

''میں آپ کیلئے ناشتہ تیار کروں..........''

کہہ کر رسوئی میں واپس لوٹ گئی۔

چند منٹ بعد یامین کی ماں بھی اپنی بیٹی کا ہاتھ بٹانے کا بہانہ کر کے چلی گئی..........!!

☆☆☆

''جہانگیر بھائی..........اس گھر کو ایک محفوظ قلعہ تصور کرنا......اس طرف دشمن کا دھیان نہیں جا سکتا..........میرے اس ٹھکانے کا علم سوائے مجاہدین کے اور کسی کو نہیں...... مجھے افسوس ہے شاید میں آپ کے ساتھ ناشتہ کرنے کی سعادت حاصل نہ کر سکوں کیونکہ مجھے فوراً ''ہاؤٹ آؤٹ'' میں واپس پہنچنا ہے......کمانڈر مختار تک پیغام پہنچ چکا ہے۔ اب ہمیں اگلا کوئی بھی قدم ان کے حکم اور ہدایت کے مطابق ہی اٹھانا ہے...... میں ان کا منتظر ہوں۔ جیسے ہی ان کی طرف سے پیغام ملا......ہم ان کے بعد ہی کوئی اگلا قدم اٹھائیں گے......آپ گھر سے باہر نہ جایئے...... یہ ماڈرن آبادی ہے جہاں زیادہ سرکاری ملازمین رہتے ہیں اس لئے میں نے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا کیونکہ اس طرف انٹیلی جنس کا دھیان نہیں جاتا......میرا اپنا گھر تو فوج نے کریک ڈاؤن کر کے جلا دیا تھا۔ میرے والد اور دونوں بھائی شہید ہو چکے ہیں......اب ایک بوڑھی ماں اور بہن رہ گئی ہے...... آج تک اس ٹھکانے پر میرے ساتھ کوئی مجاہد نہیں آیا......لیکن آپ کو کسی اور جگہ رکھنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا...... مجاہدین آپ سے ملاقات کیلئے بے تاب ہیں لیکن مصلحت اسی میں ہے کہ ابھی آپ چھپے رہیں۔ کیونکہ فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیاں شکاری کتوں کی طرح جگہ جگہ آپ کی بو سونگھتی پھر رہی ہیں......مجھے امید ہے کہ آپ اپنے ایک مجاہد بھائی کی طرف سے ہونے والی کسی بھی گستاخی کا برا نہیں مانیں گے..........''

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

جہانگیر تذبذب کا شکار ہو گیا تھا..........

لیکن..........ان حالات میں اس کیلئے سوائے اپنے اس ''محسن'' کے احکامات کی تعمیل کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

''یامین بھائی آپ کم از کم ناشتہ تو کر کے جاتے..........آپ نے سارا سفر پیدل کیا ہے۔ آپ ساری رات چلتے رہے ہیں۔ بہت تھکے ہوں گے۔ اس طرح..........''

''نہیں جہانگیر بھائی..........آپ ایسے مجاہد کی معیت میں زندگی کے زیادہ سے زیادہ لمحات گزارنا میرے لئے سعادت ہے لیکن میں مجبور ہوں......ابھی کچھ اندھیرا ہے۔ دھند چھٹتے ہی وہ لوگ اپنی کارروائی کا آغاز کر دیں گے......اور میں تب تک اپنے ساتھیوں تک پہنچنا چاہتا ہوں......اب تک یقیناً کمانڈر مختار کا بھی کوئی پیغام وہاں پہنچ چکا ہو گا...... اچھا خدا حافظ..........''

یہ کہہ کر وہ جہانگیر سے مصافحہ کرنے کے بعد بغل گیر ہو گیا اور فوراً بعد دوسرے کمرے میں چلا گیا..........

''خدا حافظ..........''

جہانگیر نے زیر لب کہا۔

کتاب گھر کی پیشکش http://kitaabghar.com

Captured by Qamar Abbas

بائیسواں باب

جمیلہ ایم اے کی طالبہ تھی............

اس کا تعلق کشمیریوں کے ایک آزاد خیال گھرانے سے تھا اور اسے علم تھا کہ اس کا بھائی یامین ابھی تک آئی بی کا ملازم ہے۔ اسے اپنے بھائی کی مصروفیات سے کوئی سروکار نہیں تھا اس سے پہلے وہ سری نگر کے ایک پسماندہ گاؤں میں رہتے تھے۔ اس کا باپ پرانا کانگریسی اور حکومت کا وفادار تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو پولیس میں نوکری دلائی تھی اور یامین پھر پولیس سے آئی بی میں آ گیا۔

اس کے آئی بی میں تبادلے کے بعد سے ان کے حالات تیزی سے بدلنے شروع ہوئے اور سکول کی تعلیم مکمل کرنے پر وہ شہر میں آ گئے۔

جملہ نے یہاں ایف ایس سی میں داخلہ لیا تو اسے علم ہوا کہ سری نگر میں کوئی آزادی کی تحریک بھی چل رہی ہے۔

لیکن............ اسے اس تحریک سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

اسے زندگی کی بیشتر سہولیات میسر تھیں۔ انہیں تعیشات نے آزاد خیال بنا دیا۔ اس کا حلقہ احباب بھی اپنے جیسے گھرانوں تک محدود تھا۔ پارٹیوں میں ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا۔ سینماؤں اور تفریح گاہوں میں گلچھرے اڑانا اس کا مشغلہ تھا۔

اس نے اپنی قدامت پسند ماں کی مخالفت کے باوجود ایک ٹی وی ڈرامے میں بھی کام کیا۔ کیونکہ اس آزاد خیالی میں اسے اپنے بڑے بھائی یامین کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔

تحریک آزادی جوں جوں زور پکڑتی گئی کشمیری معاشرہ دو واضح گروپوں میں تقسیم ہوتا گیا۔ ایک روپ تو ان لوگوں کا تھا جو سرکار دربار سے متعلق تھے اور ان کی بقا کشمیر کے غلام رہنے پر ہی منحصر تھی اور دوسرا گروپ وہ جو ہر قیمت پر بھارتی غلامی سے آزادی چاہتا تھا۔

جمیلہ کا تعلق پہلے گروپ کے لوگوں سے تھا۔ وہ حالات کی تباہی کا ذمہ داران مولویوں کو سمجھتی تھی جنہوں نے کشمیری نوجوانوں کے دماغوں میں آزادی کی بھس بھر کر سارے کشمیری معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ کل تک جو کشمیری سیکولرازم نوازی میں بھارت کے دوسرے شہریوں سے بھی دو چار ہاتھ آگے تھے۔ ان مولویوں نے انہیں مساجد کا راستہ دکھایا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس مادر پدر آزاد خیالی کیخلاف مورچہ بند ہو گئے۔ انہوں نے ویڈیو شاپس اور سینماؤں پر حملے شروع کر دیئے اور کشمیری لڑکیاں جو کھلے بندوں گھوما پھرا کرتی تھیں پردہ کرنے لگیں۔

جمیلہ نے اس ماحول کا اثر قبول کرنے کی بجائے اس پر تلملانہ شروع کر دیا۔ اس نے بی ایس سی کی اور اب ایم ایس سی کر رہی تھی۔ ان دنوں تحریک آزادی اپنے نقطہ عروج کو چھو رہی تھی اور آئے روز سری نگر کے گلیوں اور بازاروں میں آزادی کے متوالوں کے جلوس نکلا کرتے تھے جن کے شرکا کی تعداد دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں میں پہنچ جاتی تھی۔

جب کسی کشمیری شہید کا جنازہ نکلتا اس روز تو سری نگر کی گلی بازاروں کا منظر دیدنی ہوتا تھا۔

جمیلہ نے پہلے پہل تو مجاہدین اور ان کے حمایتیوں کی مخالفت ڈٹ کر کی لیکن جیسے جیسے انکا زور بڑھتا گیا اس نے زبانی مخالفت چھوڑ کر صرف دل سے اس کو برا جاننا شروع کر دیا۔ اسے یہ خوف دامن گیر تھا کہ یونیورسٹی میں موجود دختران ملت اور بنات الاسلام کی لڑکیاں کہیں اس کی ٹھکائی ہی نہ کر دیں۔ ان سے کچھ بعید نہیں تھا وہ آنسو گیس اور لاٹھی چارج کے دوران اطمینان سے صبر اور تسلیم ورضا کی پیکر بنی اپنی جگہ کھڑی رہتی تھی۔

Captured by Qamar Abbas

اس نے اپنی آنکھوں سے پولیس کو ان پر وحشیانہ تشدد کرتے دیکھا تھا۔

لیکن............کیا مجال جو کبھی ان کے پائے ثبات میں لغزش آئی............

☆☆☆

اس روز بھی وہ معمول کے مطابق یونیورسٹی گئی جہاں اس کی دیرینہ دوست شاہینہ کو کچھ لڑکیاں مبارکباد دے رہی تھیں............

جمیلہ نے یہی سمجھا شاید اس کا کہیں رشتہ طے ہو گیا ہے؟

لیکن......اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟

اس نے سوچا۔

اپنی دانست میں وہ قدرے ناراضگی کے ساتھ وہاں پہنچی تھی۔ جب اچانک اس نے "بنات الاسلام" کی ایک سرگرم رکن مریم کو اس طرف آتے دیکھا جس نے شاہینہ کو اس کے بھائی کی شہادت کی اطلاع ملنے پر مبارکباد دی تھی۔ جمیلہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گئی............

بھلا کوئی کسی کے مرنے پر بھی مبارکباد دیا کرتا ہے؟

وہ ایک کونے میں کھڑی سوچتی رہی......اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں لڑکیوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ شاہینہ ہر آنے والی سے خندہ پیشانی سے ملتی۔ اس کے چہرے سے اس کی ایک ایک ادا سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا دل تو اپنے جوان بھائی کی شہادت کی خبر ملنے پر ضرور خون کے آنسو رو رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایک تفاخر سا اس کی آنکھوں اور چہرے پر ٹھہر گیا تھا۔

وہ خود کو ایک شہید کی بہن کہلاتے ہوئے فخر محسوس کر رہی تھی......لڑکیوں نے اب نعرے بازی شروع کر دی تھی......وہ سب شاہینہ کو اپنے جلو میں لئے آزادی کے نعرے بلند کرتی ہوئیں یونیورسٹی کا چکر لگا رہی تھیں۔

جمیلہ کیلئے یہ سب کچھ بڑا عجیب تھا۔ وہ بوجھل دل اور بھاری قدموں کے ساتھ اس کار کی طرف چل دی جو اسے گھر لے جانے کیلئے آئی تھی۔

اس روز وہ ساری رات نہ سو سکی......

اس کے دماغ نے ایک سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا کہ اپنے جوان بھائی کی موت کی خبر پر شاہینہ دیواروں سے اپنا سر ٹکرا کر بین ڈالنے کے بجائے صبر اور تسلیم و رضا کا نمونہ بنی بڑے تفاخر سے کیوں کھڑی رہی............اس نے چیخ چلا کر آسمان کیوں سر پر نہ اٹھا لیا۔

ساری رات وہ کروٹیں بدلتی رہی............اور صبح دم جب موذن نے اللہ کی وحدانیت کا اعلان کیا تو اچانک ہی اسے یوں لگا جیسے اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا ہو......اس نے جان لیا کہ اللہ کی وحدانیت کو ماننے والوں کے معیار ہی بدل جاتے ہیں۔

حالات اور چیزوں کے ناپنے کے پیمانے ہی الگ ہو جاتے ہیں۔

جس سرشاری اور مستی کے عالم میں موذن اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے اللہ کی عظمت اور اس کی عبادت ہی کو فلاح کا راستہ بتا رہا تھا۔ اس نے سری نگر کی منجمد فضاؤں میں زندگی کی حرارت دوڑا دی تھی............

اس روز نجانے کتنے عرصے بعد اس نے فجر کی نماز پڑھی۔

اس روز پہلی مرتبہ اس کی ماں نے جب اپنی بیٹی کو نماز کیلئے وضو کرتے دیکھا تو بے اختیار اس کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس کی شب بیداریاں جو رنگ لے آئی تھیں وہ کتنے سالوں سے اپنی بیٹی کے صراط مستقیم پر چلنے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

اس نے کتنی راتیں رو رو کر اپنے اللہ کے حضور التجاؤں میں گزاری تھیں اور آج اسے جب اپنی زندگی میں اپنی دعائیں ثمر بار ہوتی نظر

آ ئیں تو اس کی پیشانی سجدہ شکر بجا لائی۔

الٰہی............ تیرا لاکھ لاکھ شکر کہ تو نے میری بچی کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھنے کا سامان کر دیا۔ اسے بالآخر سیدھی راہ دکھا دی۔

دعا کے اختتام پر اس نے جب اپنے ہونٹ بیٹی کے ماتھے پر جمائے تو جمیلہ کو یوں محسوس ہوا جیسے ان بوڑھے اور سرد ہونٹوں سے خارج ہوتی حرارت نے اس کی ساری کایا پلٹ کر رکھ دی ہوں۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی روح کیف کے ایک سمندر پر ہلکورے لے رہی ہو۔ جیسے وہ آسمان کی طویل وسعتوں میں جھولا جھول رہی ہو۔

شاہینہ کے عمل نے اس کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی۔

اس روز پہلی مرتبہ اس نے دختران ملت کی آصفہ بہن کے دینی لیکچر میں شرکت کی اور جب آصفہ بہن نے قرآن وحدیث کی روشنی میں موجودہ تحریک آزادی پر تبصرہ کیا تو اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی...... اس روز اسے معلوم ہوا کہ اس شہر کے ہزاروں نوجوان، بچے بچیاں اور بزرگ اللہ کی راہ میں اس راستے پر چل کر اپنی منزل بھی پا چکے ہیں اور وہ ابھی تک اس قافلہ سخت جان کی ہمسفر بھی نہیں بنی۔ اس روز اسے معلوم ہو گیا کہ سچ وہ نہیں جو اس کی جہالت نے اسے بتایا اور سمجھایا ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جو اسے یہاں نظر آ رہا ہے......

اس روز اسے علم ہو گیا کہ کسی شہید کی بہن کہلانا کتنے فخر کی بات ہے۔

لیکن............ وہ؟

وہ خود کون تھی

ایک غدار کی بہن............ بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسی کے ایک حرام کار آفیسر کی بہن جس کے بھائی کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ اپنے بھائی بندوں کا گلا کاٹ کر اپنی تجوریاں بھرتا رہے۔

اس نے چند ہفتے پہلے ہی اپنی بہن سے کہا تھا۔

بس چند مہینوں کی بات ہے...... پھر ہم بمبئے چلے جائینگے...... وہاں سمندر کنارے اپنا بنگلہ بنا ئیں گے...... اور دنیا بھر کا آرام و آسائش ہمیں میسر ہوگا............''

تب خود اس نے اپنے بھائی کی ہاں میں بڑے زور سے ہاں ملائی تھی......

لیکن............ آج

آج اس کا ضمیر اس پر ملامت کر رہا تھا۔

وہ خود کو ایک سرکاری کارندے کی بہن ہونے پر قابل نفرت جاننے لگی تھی۔ اس روز کے بعد سے اس نے ''لیکچر'' میں باقاعدہ شمولیت اختیار کر لی...... پھر وہ دن بھی آ گیا جب وہ ''بنات الاسلام'' کے ایک جلوس میں شامل ہوئی اور اس نے بھی اپنی دوسری کشمیری بہنوں کی طرح پوری قوت سے آزادی کیلئے نعرے بلند کئے............

انہی دنوں اسے علم ہوا کہ جہانگیر نامی ایک مجاہد نے بھارتی سورماؤں کو ننگی کا ناچ نچا کر رکھ دیا ہے۔

اس نے یکے بعد دیگرے دشمن کی تین قلعہ بندیوں کو زمین بوس کر دیا تھا............

.... اس نے بطور خاص اپنے بھائی کی پر اسرار سرگرمیوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا اور اسے جلد ہی سمجھ آ گئی کہ اس کے بھائی نے چند مہینوں میں بمبئے میں بنگلہ بنانے کی بات یوں ہی نہیں کہہ دی............ وہ اپنے آقاؤں کی غلامی میں انسانیت کی سطح سے گر کر حیوان بن گیا تھا............ وہ درندہ بن گیا تھا۔

جب سے جمیلہ کا تعلق دختران ملت اور بنات الاسلام سے قائم ہوا تھا اس نے اپنے بھائی کی پر اسرار سرگرمیوں کا نوٹس لینا شروع کر دیا

تھا۔ چند روز پہلے ہی اس کے علم میں یہ آیا تھا کہ آج کل اس کا بھائی بھیس بدل کر مجاہدین کی جاسوسی کر رہا ہے اور اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کیلئے اس نے مجاہدین کو گرفتار کروانے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

جس علاقے میں وہ رہتے تھے یہاں کسی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس کا بھائی کس محکمے میں کام کرتا ہے۔ یامین کو وہ محکمہ فوڈ کے ایک آفیسر کی حیثیت سے جانتے تھے جس کی ڈیوٹی عموماً سری نگر سے باہر ہی لگی رہتی تھی۔

☆☆☆

آج یامین جس شخصیت کو مہمان بنا کر گھر لایا اور پھر یکایک غائب ہو گیا تھا اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے جملہ کو یہ احساس تو ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق انسانوں کے اس بدبخت گروہ سے نہیں جس کی نمائندگی اس کا بھائی کر رہا ہے۔ اس کے چہرے پر پڑا نور کا ہالہ جمیلہ کو یہ بتانے کیلئے کافی تھا کہ وہ مجاہد ہے۔

لیکن ایک مجاہد کا اس غدار کے گھر میں کیا کام؟

یہی سوچ اسے پریشان کئے جا رہی تھی۔

یامین جو ابھی تک اپنی بہن کے دل پر دستک دینے والے انقلاب اور اس کے اندر آنے والی تبدیلی سے بے خبر تھا...... اسے معمول کے مطابق ہدایات دے گیا تھا کہ وہ شام تک مہمان کا خیال رکھے۔ اس کی اچھی طرح خاطر مدارت کرے اور وہ شام کے بعد گھر آئے گا۔ اس نے اپنی بہن سے کہا تھا کہ مہمان کو گھر سے باہر جھانکنے سے بھی منع کرے۔ اسے شام تک گھر پر ہی رکھے۔

اس کی باتوں اور ہدایات نے جمیلہ کے ذہن میں پہلے سے موجود شکوک کو دو چند کر دیا تھا۔ اپنے بھائی کی روانگی کے بعد جب وہ ناشتہ کر کے ایک ٹرے میں رکھ کر اس کمرے کی طرف جا رہی تھی تو اس نے بڑی مضبوطی سے دل ہی دل میں ایک اہم فیصلہ کر لیا تھا......!

جمیلہ جب مہمان کے کمرے میں پہنچی تو وہ غسل خانے سے فارغ ہونے کے بعد نوافل پڑھ رہا تھا۔

ناشتے کی ٹرے ایک طرف رکھ کر وہ مودب سی ایک کونے میں کھڑی ہو گئی۔ جہانگیر نے نوافل کے خاتمے پر دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو اس کی نظر کونے میں کھڑی جمیلہ پر پڑی۔ اس نے دعا ختم کی اور مصلی ایک طرف رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

جمیلہ نے بڑے ادب سے اس کے سامنے ایک چٹائی بچھا کر اس پر ناشتہ رکھا اور پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

''کیا میں اپنے مجاہد بھائی کا نام جان سکتی ہوں؟''

اس نے جہانگیر سے نظریں ملائے بغیر پوچھا۔

''میرا نام جہانگیر ہے۔ ایک مجاہد کی بہن کیلئے میرا نام شاید اجنبی نہ ہو............''

جہانگیر دیکھ نہ سکا کہ جب اس کی زبان سے اپنا نام نکلا تو جمیلہ سناٹے میں آ گئی تھی۔ اگر اس کے ہاتھ میں چائے کی کیتلی موجود ہوتی تو شاید اس کے ہاتھ سے گر جاتی......

اب اسے سمجھ آنے لگی تھی کہ اس کے غدار بھائی نے اس مہمان کی بطور خاص حفاظت اور خدمت کا حکم کیوں دیا تھا۔ اسے علم تھا کہ جہانگیر گرفتار ہو چکا ہے............

''کہیں خدانخواستہ یہ بھی اس کے بھائی کے گروہ میں تو شامل نہیں ہو گیا؟''

اس کے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا............ اور اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

''آپ کو شاید............''

''ہاں میں گرفتار تھا......اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور مجھے فرار ہونے کا موقعہ مل گیا............''

جہانگیر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے ساری کہانی سنادی جسے سن کر جمیلہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

اب اسے سمجھ آگئی تھی کہ یامین زندگی میں پہلی مرتبہ کسی مجاہدین کو یہاں کیوں لایا تھا۔ وہ اپنے بھائی کی شیطانی ذہنیت کا مکمل ادراک رکھتی تھی اس نے جان لیا تھا کہ وہ جہانگیر کو یہاں کیوں لایا ہے؟

اور............یہ کہ شام کو اس کی آمد کن کے ساتھ ہوگی۔

جمیلہ نے مزید کچھ کہے بغیر ناشتہ کر کے آرام کرنے کیلئے کہا اور ملحقہ کمرے میں بستر کی نشاندہی کر دی۔ وہ جانتی تھی جہانگیر زخمی ہے اور فی الوقت پریشان کرنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی میں پہلی مرتبہ تو اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کا موقعہ دیا تھا۔

اس نے فوری طور پر ساری صورتحال مریم بہن کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جس کا سارا گھرانہ مجاہدین پر مشتمل تھا اور جس کے والد اور دو بھائی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ مریم بہن ''بنات الاسلام'' کی مقامی راہنما تھی۔

یونیورسٹی بند تھی اور اپنے گھر سے فون کرنے کا خطرہ وہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ عین ممکن تھا کہ اس کا یا مریم کے گھر کا فون ''بگ'' کیا جا رہا ہو۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ گھر سے باہر آئی اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر نزدیک ہی واقع مریم بہن کے گھر کی طرف چل دی۔ اس نے اپنا چہرہ ایک بڑی چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔ مریم بہن کے گھر کا علم اسے دو تین روز پہلے ہی ہوا تھا۔

اس نے بطور خاص یہ احتیاط کی تھی کہ گھر میں داخل ہونے تک کوئی بھی اس کی شناخت نہ کر سکے اور اپنے سارے جسم اور چہرے کو اس طرح چادر سے ڈھانپا ہوا تھا جیسے مریم کی بہنیں ڈھانپا کرتی تھیں۔

☆☆☆

اچانک ہی جمیلہ کو اپنے گھر میں دیکھ کر مریم کا چونک اٹھنا فطری تھا............

''خیریت............''

اس نے حیرانگی اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے پوچھا۔ کیونکہ جمیلہ کے اندر جس تیزی سے تبدیلی آئی تھی اس نے مریم بہن کو خاصا متاثر کیا تھا۔

''میں آپ سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں............''

جمیلہ نے اسے علیحدگی میں بات کرنے کا تاثر دیا کیونکہ یہاں مریم بہن کی والدہ اور دوسری دو خواتین بھی موجود تھیں۔

مریم بہن نے جان لیا تھا کہ اس کی اچانک آمد اور چہرے کا اضطراب کسی خاص واقعہ کی نشاندہی کیلئے کافی ہے۔ اگلے ہی لمحے وہ دوسرے کمرے میں موجود تھیں جہاں بھرائی ہوئی آواز اور آنسو بہاتی آنکھوں کے ساتھ جمیلہ نے مریم بہن سے اپنے بھائی کا ''اصلی تعارف'' کرواتے ہوئے سارے واقعات سے آگاہ کر دیا۔

اس کی بات کے اختتام پر مریم بہن نے بے ساختہ اسے اپنی بانہوں میں سمو کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''میری بہن تم نے قرون اولیٰ کی مجاہد خواتین کی سنت کو زندہ کیا ہے............تمہارے اس عمل کے صدقے ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ تمہارے ماضی کے تمام گناہوں کو انشاء اللہ معاف کر دیں گے۔ جمیلہ بہن تمہارا ایک ہی عمل ہماری ساری جدوجہد پر بھاری ہے......یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر خاص انعام ہے......جس مجاہد کو تم بچانے آئی ہو اگر اس کی حفاظت کیلئے ہم جیسی ہزاروں بیٹیوں کی جان بھی کام آ جائے تو یہ مہنگا سودا نہیں......!!''

اس نے جمیلہ کو اس کمرے میں رکنے کیلئے کہا اور دوسرے کمرے میں موجود ایک مجاہدہ کو اپنے نزدیک بلا کر ہدایات دے کر باہر روانہ کر

دیا۔اس کے بعد اس نے جمیلہ کو سارے منصوبے سے آگاہ کر دیا جو انہوں نے اپنے مجاہد بھائی کو بچانے اور دشمن کو سبق سکھانے کیلئے تیار کیا تھا۔

جمیلہ نے بڑے یقین کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور مکان کے پچھلے دروازے سے باہر آ گئی۔اگلے ہی لمحے وہ مکان کے اس دروازے کے سامنے موجود ایک مجاہد کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی..........

اس مجاہد نے اسے گھر کے نزدیک ہی اتار دیا تھا اور اب وہ موٹر سائیکل پر اس گھر کے گرد چکر کاٹ کر واپس جا رہا تھا۔اس درمیان اس کی باریک بین نظروں نے مکان کی طرف آنے اور جانے کے قریباً تمام راستوں کو نوٹ کر لیا تھا۔

مریم بہن نے اپنے مجاہد بھائی جہانگیر کو دشمن کے پنجے سے نکال کر محفوظ ہاتھوں تک پہنچانے اور دشمن کو سبق سکھانے کیلئے اس آپریشن کی کمان خود سنبھال لی تھی۔ انہوں نے سوپور میں موجود کمانڈر مختار تک تمام حالات پہنچا دیئے تھے اور انہیں اپنی حکمت عملی سے آگاہ کر دیا تھا۔

☆☆☆

کمانڈر مختار تک اگلے پندرہ منٹ میں ساری رپورٹ پہنچ چکی تھی..........

اسے جہانگیر کے فرار کا بھی علم نہیں تھا اور یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی کہ ''را'' اسے سوپور سے سری نگر لے جائیگی۔

جہانگیر کے موذیوں کے چنگل سے بچ نکلنے کی خبر نے اسے جتنی روحانی خوشی سے دوچار کیا تھا اس سے زیادہ پریشانی اس خبر سے لاحق ہو گئی تھی کہ وہ غداروں کی گرفت میں آ چکا ہے۔

لیکن..........اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ جن مجاہد بہنوں نے اس کی رہائی کا مشن سنبھالا ہے وہ اس کو دشمن کیلئے لقمہ نہیں بننے دیں گے۔اس کا سوپور سے نکلنا دشمن نے ناممکن بنا دیا تھا۔

بھارتی فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے سوپور کے چپے چپے پر مخبروں اور فوج کا جال بچھا دیا تھا انہیں امید تھی کہ کمانڈر مختار ابھی تک سوپور میں ہے اور وہ ضرور یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا۔

اس کا جی تو چاہتا تھا کہ اڑ کر سری نگر پہنچ جائے۔

لیکن..........ایک نظم کا پابند ہونے کی وجہ سے وہ مجاہدین کے فیصلے کا پابند تھا۔البتہ سری نگر میں اس نے اپنے مجاہدوں کو ہدایات جاری کر دی تھیں۔

دوپہر تک سری نگر کے نواحی علاقے کی اس ماڈرن کالونی کے چاروں اطراف مجاہدین بڑی خاموشی سے پھیل چکے تھے۔انہوں نے اس طرح پوزیشنیں لی ہوئی تھیں کہ بھارتی فوج کو کسی بھی چھاپہ مار کارروائی کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔

حزب کے مقامی کمانڈر ولید نے مریم بہن سے مشاورت کے بعد ہنگامی اقدامات کے تحت ساری منصوبہ بندی کی تھی یہاں مجاہدین کی تعداد بہت کم تھی۔لیکن..........ان کا جذبہ ایمانی بے پناہ تھا۔دختران ملت اور بنات الاسلام کی بہنیں جہانگیر کا نام سن کر تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر میدان عمل میں اتر آئی تھیں۔

وہ آزادی کی اس جنگ میں حصہ لینے کیلئے اپنے سرحد پار سے آنے والے مسلمان بھائی کی حفاظت کیلئے سینہ سپر تھیں۔

ہنگامی بنیادوں پر اسلحے اور گولہ بارود کا حصول سب سے اہم مسئلہ تھا۔مجاہدین اپنے گھروں میں اسلحہ اور بارود نہیں رکھتے تھے اور جن محفوظ مقامات پر ان کا سامان حرب وضرب موجود تھا وہاں تک پہنچنا اور واپس آنا دن کے اوقات میں ممکن نہیں تھا۔اس کے باوجود دختران ملت کی بہنوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر مجاہدین کی دوسری جماعتوں سے ممکنہ حد تک اسلحہ حاصل کیا اور دوپہر تک وہ اس قابل ہو گئی تھیں کہ جہانگیر کی حفاظت کیلئے وہاں موجود سات آٹھ مجاہدین کے ہاتھوں میں رائفلیں اور چند گولیاں پہنچا سکیں۔اب انہیں یہ اطمینان تھا کہ وہ گرفتاری کیلئے آنے والے سورماؤں کو

خالی ہاتھ واپس نہیں بھیجیں گے اور وہ اپنے ساتھ جہانگیر کو تو نہیں' البتہ اپنے ساتھیوں کی لاشوں کا تحفہ ضرور لے کر جائینگے۔

☆☆☆

جہانگیر اپنے سامنے مریم بہن کو دیکھ کر حیران رہ گیا......!!

اس نے زینب کی زبانی اس مجاہدہ کا نام تو سنا تھا.............لیکن..............اسے دیکھنے کا اتفاق آج ہوا تھا۔ مریم کو جمیلہ اپنی ایک سہیلی کی حیثیت سے اپنے گھر لائی تھی۔ ان کی یہ خوش قسمتی تھی کہ لالچ میں اندھے اور ہوس کے مارے یامین نے ابھی تک ''را'' کو جہانگیر کی موجودگی سے مطلع نہیں کیا تھا۔ ورنہ اس علاقے کی ایسے ناکہ بندی ہوتی کہ چڑیا بھی شاید یہاں پر نہ مار سکتی۔

جمیلہ نے اپنی زبانی بھری ہوئی آواز اور آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اپنے اپنے بھائی کی اصلیت سے آگاہ کرنے کے بعد بتایا تھا کہ اسے یہاں کس لئے لایا گیا ہو۔

''جزاک اللہ......میری بہن تم ساری قوم کا فخر ہو......میرا ایمان ہے کہ جب تک کشمیر کی ماؤں کی کوکھ سے تم جیسی عالی مرتبت بیٹیاں جنم لیتی رہیں گی آزادی کا یہ جہاد اپنی پوری قوت سے جاری رہے گا............''

جہانگیر کے دل میں جمیلہ کیلئے بے پناہ عقیدت اور احترام در آیا تھا۔

''میں تمہاری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ تم قربانی اور ایثار کی جو مثال قائم کرنے جا رہی ہو میری دعا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری ان ریاضتوں کے صدقے' تم جیسی تقدس ماب بہنوں کی ان لازوال قربانیوں کے صدقے کشمیر کی غلامی کی تاریک رات کو سحر میں تبدیل کریں گے............میری بہن اپنے سگے بھائی کی غداری کیخلاف تم نے جس جرأت ایمانی کا مظاہرہ کیا ہے اس پر تم مبارکباد کی مستحق ہو............''

جہانگیر کی آواز بھرا گئی۔

اسے اپنی اس مجاہد بہن کو نذر عقیدت گزارنے کیلئے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے............!!

''سامان کی کیا پوزیشن ہے............''

جہانگیر نے مریم بہن سے براہ راست پوچھا۔

''کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں۔ تمہاری بہنیں انشاء اللہ اپنے کسی مجاہد کو غیر مسلح نہیں رہنے دیں گی۔ سری نگر میں ان وطن فروشوں کو جس طرح ''سرفروش'' بنا کر پراپیگنڈہ کیا جا رہا تھا اور ان کی طرف سے نام نہاد گوریلا کارروائیوں کی خبر آ رہی تھیں۔ اس کے بعد مجاہدین کی دیگر تنظیموں نے اس طرف سے مطمئن ہو کر دوسرے محاذوں پر توجہ دینا شروع کر دی تھی......ہم نے اپنی بہنوں کو حرکت انصار اور لشکر طیبہ کے کچھ مجاہدوں کی طرف روانہ کیا ہے۔ اگر انہوں نے اپنے گھروں میں ہنگامی طور پر کچھ سامان رکھا ہوا تو ضرور ہمیں دیدیں گے............''

رشتوں کے ریشم

رفعت سراج کے بہترین اور خوبصورت افسانوں کا مجموعہ......رشتوں کے ریشم......جس کی سطر سطر محبت خلوص یگانگت، اور بھائی چارہ کا درس دیتی ہے۔ انسانی زندگی میں سب رشتے خوبصورت ہیں، ہر رشتہ ریشم سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط ہے۔ افسانوں کا یہ مجموعہ بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا، جسے **افسانے** سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

مریم نے اسے لگی لپٹی رکھے بغیر حالات سے آگاہ کیا۔

''کوئی بات نہیں............انشاء اللہ دشمن کو سبق ضرور سکھائیں گے۔اوران غداروں کو بھی............''

جہانگیر نے بڑے پرعزم لہجے میں کہا۔

''انشاءاللہ............''

مریم بہن اور جمیلہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی............

اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق انہوں نے کچھ دیر کیلئے جہانگیر کو یہیں روکے رکھنا تھا۔اس دوران ان مجاہدین نے ''ریکی'' کر کے ارد گرد کے علاقوں میں فوج کی مورچہ بندیوں کا جائزہ لینا تھا............

جمیلہ نے ابھی تک اپنی ماں کو حالات سے بے خبر رکھا تھا............!!

تینوں اس وقت کمرے میں موجود تھے اور جہانگیر اس کلاشنکوف کو جو اسے رات اپنی حفاظت کیلئے یامین نے دی تھی چیک کر رہا تھا مبادا یہ بھی دھوکہ نہ ہو۔جلد ہی اسے تسلی ہوگئی کہ گن صحیح کام کر رہی ہے۔

اچانک ہی جمیلہ کی ماں کمرے میں داخل ہوئی۔تینوں احتراماً کھڑے ہوئے۔

''بیٹھ جاؤ بیٹا............''

اس نے جہانگیر کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

جمیلہ اپنی ماں کو دیکھ کر کچھ پریشان سی ہوگئی تھی......اس نے اپنی دانست میں مریم بہن کو موجودگی کیلئے کوئی بہانہ تراشنے کو منہ کھولا تھا جب اچانک اس کی ماں نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش رہنے کیلئے کہا۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔

''بیٹی تم جو بات مجھے نہیں بتانا چاہتی مجھے اس کا گزشتہ تین ماہ سے علم ہے۔میں دن رات اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرتی رہی ہوں کہ کسی طرح یامین کو راہ راست پر لے آئے یہی دعا میں تمہارے لئے بھی مانگا کرتی ہوں......بیٹی مجھے یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اس پر ہدایت کے دروازے اس کے ناقابل معافی گناہوں کی وجہ سے بند کر دیئے ہیں......لیکن تمہاری حالت پر قدرت کو رحم آیا اور اللہ نے تمہیں ہدایت نصیب فرمائی............تم نے جو کچھ کیا اس کے بعد مجھے یقین ہو چلا ہے کہ میری تربیت غلط نہیں تھی۔مجھے تم پر فخر ہے۔بیٹی!میں کمزور ضرور سہی لیکن میرا ایمان قائم ہے۔خدا کی قسم اگر تم یہ کچھ نہ کرتیں تو تمہارا بھی وہی انجام ہوتا جو یامین کا ہونے والا ہے............''

یہ کہہ کر اس نے ڈرامائی انداز میں اپنی چادر ہٹائی تو چادر کے نیچے اس کے ہاتھ میں پستول موجود تھا۔تینوں بت بنے بیٹھے تھے۔

''میں اس مجاہد کو دیکھتے ہی جان گئی تھی کہ اس کا تعلق میرے بیٹے کے بدبخت ساتھیوں سے نہیں ہو سکتا۔اس کی پیشانی سے پھوٹنے والے نور نے مجھے بتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے اور میرا اندازہ صحیح نکلا میرا بیٹا اسے چند ٹکوں کے عوض بھارتی فوج کے پاس گرفتار کروانے کیلئے یہاں لایا تھا لیکن وہ کبھی ایسا نہ کر پاتا......میں خود اسے یہاں سے فرار کروا کے تم لوگوں تک پہنچانے والی تھی خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جاتی۔مریم بیٹی!میرے بیٹے کے گناہ ناقابل معافی ہیں۔اس کے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگے ہیں۔اس نے درجنوں کشمیری مجاہدوں کو دھوکے سے بھارتی فوج کا چارہ بنایا ہے۔میں نے اپنے اللہ کی عدالت میں اس کا کیس پیش کر دیا ہے۔میں نے اسے جنم دیا تھا لیکن اپنے ہاتھوں سے اسے موت دوں گی۔یہی ایک صورت ہے جس سے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا ہو سکے گا............''

بوڑھی کشمیری ماں کے لہجے میں رعد کڑک رہی تھی............

وہ آہنی چٹان کی طرح اپنے قدموں پر جمی ہوئی تھی۔اس لمحے یہ کمزور ناتواں سی بڑھیا جہانگیر کو دنیا کی سب سے مضبوط عورت دکھائی دے رہی تھی۔

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

''مریم بیٹی! تم میرے ساتھ ایک احسان کرو..........خدا کیلئے میری بیٹی کو بھی یہاں سے لے جاؤ۔ مجھے تو بہر حال مرجانا ہے......میں نہیں چاہتی کہ میری موت کے بعد بھارتی درندے اسے اپنی وحشت کا نشانہ بنائیں۔ میں نے اسے اپنے دودھ کی دھاریں بخش دیں۔ انشاءاللہ قیامت کے روز اللہ کے دربار میں ہم دونوں سرخرو ہو کر پیش ہوں گے..........میرے دل پر کوئی بوجھ ہے تو صرف اپنی بیٹی کا..........''

وہ کچھ لمحوں کیلئے خاموش ہو گئیں۔

فضا پر سناٹا طاری تھا۔

تینوں کو اس سناٹے میں اپنے سانسوں کی آوازیں بڑی واضح سنائی دے رہی تھیں۔ تینوں مبہوت ہو گئے تھے۔ انہوں نے تاریخ کی کتابوں میں ایسی ماؤں کی کہانیاں ضرور پڑھی تھیں......لیکن......آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔

اس لمحے کسی طاقت نے جہانگیر کے کانوں میں سرگوشی کی۔

''کیا ایسی قوم کو دنیا کی کوئی طاقت زیادہ دیر تک غلام رکھ سکتی ہے۔

☆☆☆

یامین کی ماں قرون اولیٰ کی مسلمان ماؤں کی سنت زندہ کرنے جا رہی تھی۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ اگر زندہ رہی تو ضرور اس کے پاس آئے گی ورنہ پھر جنت میں اس کی منتظر رہے گی۔

ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

اس کا احساس ان سب کو تھا۔

''تم لوگ جاؤ..........اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ کہیں ان موذیوں کے ساتھ یہاں نہ آ جائے..........''

ابھی اس کی بات بمشکل مکمل ہی ہوئی تھی جب اچانک کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

جہانگیر نے بجلی کی سی پھرتی سے کلاشنکوف کو فائرنگ پوزیشن میں کر کے کمرے کے ایک کونے میں پوزیشن لے لی تھی۔

''فکر کی بات نہیں..........شاید ولید بھائی ہوں گے..........''

مریم نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔

دوسرے ہی لمحے بیس بائیس برس کا ایک مجاہد ان کے سامنے موجود تھا اس نے پہلے تو وہاں موجود لوگوں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر بے اختیار جہانگیر سے بغل گیر ہو گیا۔

''جہانگیر بھائی..........آپ کی آمد ہمارے لئے سعادت ہے۔ لیکن افسوس ہم آپ کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکیں گے۔ میرے پاس کوئی اچھی خبر نہیں......آپ کو فوراً یہاں سے نکلنا ہے۔ ہمارے مخبر کی اطلاع ہے کہ اس طرف فوج کے چار ٹرک آ رہے ہیں۔ انہیں یہاں پہنچنے میں بمشکل دس منٹ لگیں۔ دن کے اجالے میں ہم ان کے خلاف تھوڑے سے بارود کے ساتھ کوئی خاص کارروائی بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی تھا کہ اس آبادی کے شمالی جانب موجود پہاڑی سلسلے کی طرف پسپائی اختیار کریں۔ لیکن ان پہاڑیوں کے نیچے بی ایس ایف کی چھاؤنی ہے..........اگر اندھیرا ہوتا تو ہم جنوب کی طرف جانے کا خطرہ مول لے سکتے تھے۔ لیکن دن کی روشنی میں دو ڈھائی کلو میٹر میدانی علاقے کو عبور کرنا ممکن نہیں ہو گا..........اب ایک ہی راستہ باقی ہے کہ ہم سفاک دل کی طرف پسپائی اختیار کریں اور سری نگر شہر میں داخل ہو جائیں..........جہاں کم از کم رات تک چھپا جا سکتا ہے..........''

ولید نے اس سے الگ ہونے کے بعد تیزی سے ساری صورتحال بیان کر دی..........

☆☆☆

جہانگیر نے بطور خاص یہ بات نوٹ کی تھی کہ ولید کے چہرے پر دور دور تک خوف کا شائبہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا اگر کچھ پریشانی تھی تو صرف اس بات کی کہ ان کے ''مہمان'' کو زحمت اٹھانا پڑے گی۔

''تمہارے پاس کوئی گرنیڈ ہے؟..........''

جہانگیر نے اچانک ہی پوچھا۔

''صرف تین..........''

یہ کہتے ہوئے اس نے پوچ سے تین گرنیڈ نکال کر جہانگیر کی طرف بڑھا دیئے۔

''ایک مجھے دیدو...... باقی دو تم رکھو...... آؤ چلیں...... میرے خیال سے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں..........''

یہ کہہ کر جہانگیر نے دروازے کی طرف قدم بڑھائے۔

جمیلہ ایک قدم آگے بڑھی اور اپنی ماں کی پھیلی ہوئی بانہوں میں سما گئی۔

''یا اللہ! میری بچی اور ان مجاہدوں کی حفاظت کرنا...... یا الٰہی اپنی رحمت کا کوئی معجزہ دکھا دے...... یا اللہ! تجھ سے کیا بعید ہے۔ تو سب کچھ کرنے پر قادر ہے.......... یا اللہ! میں اپنی بیٹی کو تیرے بھروسے پر ان مجاہدین کے سپرد کر رہی ہوں..........''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی سسکیاں لیتی بیٹی کو خود سے الگ کیا اور اس کا ہاتھ مریم کو تھما دیا!

''مطمئن رہنا ماں جی.......... میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر قسم کھاتی ہوں کہ اپنے جیتے جی اس پر آنچ نہیں آنے دوں گی.......... پہلے میں مروں گی پھر کوئی اس پر میلی نظر ڈالے گا..........''

یہ کہہ کر مریم نے جمیلہ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

''میں آپ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں ماں جی.......... اللہ تعالیٰ آپ کی نگہبانی فرمائیں۔ زندہ رہا تو ضرور آپ کی زیارت کو آؤں گا......''

یہ کہہ کر جہانگیر نے اپنا سر اس کی طرف جھکا دیا۔

کشمیر کی بہادر ماں نے جہانگیر اور ولید دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیرا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

''فی امان اللہ..........''

اس نے چاروں کو باہر جانے کا اذن دیتے ہوئے کہا۔

مریم سب سے پہلے باہر نکلی جس نے جمیلہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد ولید اور جہانگیر باہر آئے۔ ان کے عقب میں دروازہ بند ہو گیا۔

شاید اپنی بیٹی سے جدائی کے آخری منظر کی تاب مادر مہربان نہیں لا سکتی تھی۔

فاصلوں کا زہر

طاہر جاوید مغل کا خوبصورت ناول۔ محبت جیسے لازوال جذبے کا بیان۔ دیارِ غیر میں رہنے والوں کا اپنے دیس اور وطن سے تعلق اور اٹوٹ رشتوں پر مشتمل ایک خوبصورت تحریر۔ ان لوگوں کا احوال جو کہیں بھی جائیں، اپنا وطن اور اپنا اصل ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ ناول فاصلوں کا زہر بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا، جسے **رومانی معاشرتی ناول** سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

تیئسواں باب

چاروں تیزی سے آبادی کی مخالف سمت کی ڈھلان اتر رہے تھے۔ جب اچانک انہوں ایک نوجوان کو بھاگتے ہوئے اس طرف آتے دیکھا۔

"ندیم...... یا اللہ خیر............"

بے ساختہ ولید کے منہ سے نکلا۔

اس دوران وہ ان کے نزدیک آ گیا تھا۔

"خیریت............"

"اس طرح فوج آ رہی ہے............"

اس نے مشرق کی جانب اشارہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی نظر آبادی کے نیچے اس طرف آنے والے راستے پر پڑی۔ دور سے فوجی ٹرک اس طرف آتے دکھائی دے رہے تھے۔ یہ واحد سڑک تھی جو اس طرف آ رہی تھی۔

ولید نے مقامی زبان میں بڑی تیزی سے مریم اور اس طرف آنے والے مجاہد کو ہدایات دیں اور جہانگیر کا ہاتھ پکڑ کر جنوب کی سمت اترنے لگا۔ جبکہ مریم اور جمیلہ شمال کی جانب اور ندیم مشرق کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر چکے تھے۔

"ہمارے ساتھی انہیں پہلے موڑ پر روکیں گے۔ اس درمیان ہمیں کچھ وقت نکلنے کیلئے مل جائے گا............"

چلتے چلتے ولید نے کہا۔

لیکن............ اچانک ہی جہانگیر رک گیا۔

"نہیں ولید بھائی............ میں بھی مجاہدین کے ساتھ رہوں گا............"

اس نے کہا۔

"جہانگیر بھائی...... خدا کیلئے آپ صورتحال کی نزاکت کو سمجھئے۔ یہ سب مقامی مجاہد ہیں۔ انہیں یہاں سے فرار کے راستے کا علم ہے۔ آپ کو نہیں، آپ زخمی ہیں۔ ہمارے لئے اس وقت سب سے اہم بات آپ کی حفاظت ہے۔ آپ زندہ رہے تو انشاء اللہ ان کی بربادی کا سامان کرتے رہیں گے۔ ہمیں ابھی آپ کی بہت ضرورت ہے جہانگیر بھائی............"

ولید نے کہا۔

لیکن............ جہانگیر بضد رہا۔

"جہانگیر بھائی...... میں بادل نخواستہ نظم کا مقامی کمانڈر ہونے کی حیثیت سے آپ کو حکم دیتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں گے............"

یہ کہہ کر اس نے جہانگیر کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے ڈھلان کی طرف اترنا شروع کر دیا۔

اطاعت امیر کے سوا جہانگیر کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ بھی بادل نخواستہ اس کے تعاقب میں تیزی میں بھاگتا چلا گیا۔

دونوں بمشکل پچاس ساٹھ گز ہی چلے تھے جب انہیں اپنے عقب میں دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں جس کا مطلب تھا کہ مجاہدین کے ساتھ فوج کی جھڑپ شروع ہو چکی ہے۔

اب وہ قدرے ہموار علاقے میں آ گئے تھے۔ درختوں کے گھنے جھنڈ اور اونچے نیچے پہاڑی ٹیلوں کے درمیان دونوں قدرے جھک کر ایک دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے چل رہے تھے۔ جب اچانک ولید ٹھٹک کر رہ گیا۔

جہانگیر اس کے بالکل نزدیک رکا تھا۔

ولید نے انگلی سے سامنے اشارہ کیا انہیں چھ سات بی ایس ایف کے جوان اپنی طرف آتے دکھائی دیئے۔ ابھی تک انہوں نے شاید جہانگیر اور ولید کو نہیں دیکھا تھا۔

ولید اسے نہ بھی بتاتا تو جہانگیر کو سمجھ آ گئی تھی کہ دوسری سمت سے فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں سن کر یہ لوگ صورتحال کا جائزہ لینے اوپر بستی کی جا رہے ہیں۔ انہیں بالکل اس راستے گزرنا تھا جہاں سے وہ دونوں جا رہے تھے۔

ولید نے جہانگیر کو مخصوص اشارہ کیا اور دونوں ایک دوسرے سے دس بارہ گز فاصلے پر جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے اپنی پوزیشن ایسی رکھی ہوئی تھی کہ سامنے سے آنے والے انہیں دکھائی دیتے رہیں۔ اب وہ قدرے نزدیک آ گئے اور ایک دوسرے کے تعاقب میں جنگی ترتیب کے مطابق چل رہے تھے۔

جہانگیر نے اچانک ہی ان کے کمانڈر کو ہاتھ کے اشارے سے جوانوں کو روکتے دیکھا۔ شاید اسے کوئی شک ہو گیا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کی رینج میں تھے۔

کمانڈر ہوشیار دکھائی دیتا تھا۔ اس نے کسی شک کی بنا پر اپنے ایک جوان کو اشارہ کیا۔ جس نے ان جھاڑیوں پر برسٹ مارا جہاں دونوں چھپے ہوئے تھے۔

اب ایک لمحے کا توقف بھی ان کا موت بن جاتا۔ گولیاں ان سے چند فٹ کے فاصلے پر گری تھیں۔ اس سے پہلے کہ اگلا چھڑکاؤ کا انہیں آ لے۔ اچانک ہی ولید نے اپنی پوزیشن سے فائرنگ شروع کر دی۔

شاید اس نے پہلے ہی سے کمانڈر کو نشانہ بنا رکھا تھا پہلی گولی نے اسے ڈھیر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دو اور بھارتی فوجی بھی گر پڑے۔

مقید خاک

ساحر جمیل سید کا ایک اور شاہکار ناول...... مقید خاک ......سرزمین فراعنہ کی آغوش سے جنم لینے والی ایک تحیر خیز داستان۔

ڈاکٹر شکیل ظفر:- ایک ہارٹ اسپیشلسٹ، جو مردہ صدیوں کی دھڑکنیں ٹٹولنے نکلا تھا...... یوساف بے:- وہ ساڑھے چار ہزار سال سے مضطرب شیطانی روحوں کے عذاب کا شکار ہوا تھا...... بیوسا:- ایک حرماں نصیب ماں، جسکی بیٹی کو زندہ ہی حنوط کر دیا گیا...... مریاقس:- اسکی روح صدیوں سے اس کے جسدِ خاکی میں مُقید تھی...... شیلندر رائے ہریچہ:- ایک پرائیویٹ ڈیٹکٹر، اسے صدیوں پرانی ممی کی تلاش تھی...... مہرجی:- پرکالۂ آفت، انسانی قالب میں ڈھلی ایک آسمانی بجلی...... ایکشن، سسپنس اور تھرل کا ایک نہ رکنے والا طوفان......

یہ ناول کتاب گھر پر جلد آ رہا ہے، جسے ایکشن ایڈونچر مہم جوئی ناول سیکشن میں پڑھا جا سکے گا۔

اسی اثناء میں جہانگیر اپنے گرنیڈ کی پن نکال چکا تھا۔ اس نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے گرنیڈ ان کے بالکل درمیان پھینکا اور اس کا رزلٹ دیکھے بغیر ان پر فائر کھول دیا۔ زوردار دھماکے سے بی ایس ایف کے جوانوں کی چیخیں بلند ہوئیں۔ دوسرا گرنیڈ ولید کی طرف سے آیا تھا جس نے اب کھڑے ہو کر بوکھلائے ہوئے فوجیوں پر موت کا دہانہ کھول دیا تھا۔

دوسری طرف جہانگیر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔

چند منٹ بعد ہی وہاں چھ لاشیں موجود تھیں..........!!

جہانگیر نے چاہا کہ ان کی گنیں اٹھائے.........لیکن ولید نے اسے منع کر دیا۔ وقت بہت کم تھا۔ کسی بھی لمحے پہاڑی سے ان پر مارٹر کا فائر شروع ہو سکتا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کے تعاقب میں مطلوبہ درختوں کے گھنے جھنڈ کی طرف دوڑ لگا دی اور تین چار منٹ ہی میں وہاں پہنچ کر رک گئے۔

چند سیکنڈ میں وہ اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پا چکے تھے۔ ولید کے تعاقب میں جہانگیر جا تو رہا تھا لیکن قدرے غیر مطمئن......اس کا دل ابھی تک ان مجاہدین میں اٹکا ہوا تھا جو بھارتیوں کو اس کے تعاقب میں آنے سے روک رہے تھے اور جنہوں نے اپنی بے سروسامانی کے باوجود خود کو آتش دہن کے اس سیلاب میں دھکیل دیا تھا تا کہ ان کی جان پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

☆☆☆

یامین نے ''سرفروش'' کے ٹھکانے پر پہنچ کر معمول کے کاموں میں کچھ وقت گزارا اور پھر کرنل گوپال کرشنا سے رابطہ قائم کر لیا۔

''آپ کیلئے ایسا سرپرائز ہے کہ شاید یہ گفت زندگی میں پہلے نہ ملا ہو..........''

یامین نے چاپلوسی کے انداز میں کہا۔

''کم آن..........''

کرنل گوپال کرشنا بددلی سے بولا۔

''سر! جہانگیر میرے قبضے میں پہنچ چکا ہے..........''

جیسے ہی کرنل گوپال کرشنا کے کانوں تک آواز پہنچی وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ونڈرفل......ویل ڈن......شاندار......کہاں ہے؟''

اس نے اپنے کیرئیر میں پہلی مرتبہ اتنی جذباتیت کا اظہار کیا تھا۔

''میرے گھر پر آرام کر رہا ہے......میں نے سوچا آپ کو یا اس بے چارے کو مزید تکلیف ہی کیوں دی جائے..........''

یامین نے چرب زبانی کی۔

عشق کا عین

عشق کا عین......علیم الحق حقی کے حساس قلم سے، عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے سفر کی داستان، ع......ش......ق کے حروف کی آگاہی کا درجہ بہ درجہ احوال۔ کتاب گھر پر جلد آرہا ہے۔

''کس طرح پہنچا تم تک...... جلدی بتاؤ.............''

کرنل گوپال کرشنا نے اس درمیان پش بٹن دبا کر میجر رائے کو بھی اندر ہی بلا لیا تھا جو وائرلیس سے آتی قدرے بلند آواز سن رہا تھا۔

یامین نے جواب میں پہلے سے تیار شدہ کہانی سنا دی۔

''اسے شک تو نہیں ہوا؟''

کرنل گوپال کرشنا نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''او نو سر! اس کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اگر اسے شک ہوتا تو ہم دونوں میں سے ایک ہی زندہ رہتا......!!

یامین نے بے شرمی سے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کے پاس اسلحہ ہے کیا؟''

اچانک ہی گوپال کرشنا نے پوچھا۔

''یس سر! کلاشنکوف اور چند گولیاں..........''

یامین نے کہا۔

''او ڈیم اٹ.......... الو کے پٹھے تم سے کس نے کہا تھا کہ اس کے ہاتھ میں بندوق تھما دو..........''

کرنل گوپال کرشنا نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''سر! یہ ضروری تھا۔ ورنہ اسے شک ہو جاتا............''

یامین نے بے حیائی اور اور چاپلوسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے.......... تم فوراً باہر آ جاؤ...... میر صاحب خود اس آپریشن کی کمان کرینگے.........''

یہ کہہ کر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

''لک مسٹر رائے.......... اس سنہری موقعہ کو کبھی ضائع نہ کرنا۔ کبھی نہیں۔ ورنہ شاید میں خود کو بھی منہ دکھانے کے لائق نہ رہوں..........''

اس نے رائے کو منصوبہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

اپنے سامنے کاغذ پر لکیریں لگا کر اس نے رائے کو بتا دیا تھا کہ انہیں کس طرح اس منصوبے پر عمل کرنا ہے۔ دونوں کیلئے یہ اطلاع بڑی تشویشناک تھی کہ جہانگیر کے پاس بندوق اور گولیاں موجود ہیں۔ دونوں اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ بندوق کی موجودگی میں وہ آسانی سے ہاتھ آنے والا نہیں۔

ہٹلر

ہٹلر جیسی متنازع شخصیت پر اس کتاب کی تالیف کا مقصد روایتی انداز میں لکھی تاریخ سے ہٹ کر تاریخ میں نئے اور تجزیاتی (Analytical) زاویے روشناس کروانا اور آج کے قاری کو تاریخ کے موضوع کی وسعت کے بارے میں باور کروانا ہے۔ ہٹلر کی زندگی، اسکے فلسفہ، قوم پرستی اور ظلم و بربریت جیسے موضوعات پر ایک مفصل کتاب جسکی تالیف میں کئی ایک دیگر کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔...... ہٹلر کی تاریخ آپ کتاب گھر کے **تحقیق و تالیف** سیکشن میں جلد ہی پڑھ سکیں گے۔

انہیں اتنے خطرناک "اگروادی" (دہشت گردی) سے اپنی سروس میں کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔

"میں شام ڈھلنے کا انتظار نہیں کرسکتا...... وہ بڑا چالاک ہے۔ معمولی سی حرکت پر بھی محتاط ہو جائے گا۔ ڈوائٹ نا Do it now......"

اس نے میجر رائے کو حکم دیا۔

دوسرے ہی لمحے رائے کمرے سے باہر تھا۔

اس مرتبہ انہوں نے کسی بھی دوسری ایجنسی پر بھروسہ کرنے کی بجائے اس آپریشن کو خود انجام پہنچانے کا فیصلہ کیا تھا۔

رائے نے جب کرنل گوپال کرشنا سے شمال کی جانب موجود بی ایس ایف والوں کو اعتماد میں لینے کی اجازت چاہی تاکہ جہانگیر کے فرار کے صورت میں اس طرف سے گھیرا مکمل رہے کیونکہ بصورت دیگر انہیں پہلے مکان تک پہنچنا اور اس کے بعد سارے مکان اور آبادی کو گھیرے میں لینا تھا۔

لیکن............ کرنل گوپال کرشنا نے سختی سے منع کر دیا۔

"میر صاحب! اپنے اوپر اعتماد کرنا سیکھو..........."

اس نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

میجر رائے نے کرنل گوپال کرشنا کو آج تک ایسے لہجے میں خود کو مخاطب کرتے نہیں سنا تھا۔ اسے غصہ تو بہت آیا لیکن............ جلد ہی وہ سمجھ گیا کہ پے در پے ناکامیوں نے کرنل کا موڈ خراب کر دیا ہے۔

یامین کو تیز رفتار جیپ لے آئی تھی اور وہ میجر رائے کے ساتھ فوج کے چار ٹرک لے کر اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆

ماڈرن کالونی تک کا فاصلہ انہوں نے آرام سے طے کر لیا تھا۔ میجر رائے نے اپنے جوانوں کو یہیں گاڑیاں چھوڑ کر پیدل اوپر جانے کا حکم دیا تھا۔ کالونی کے سرکاری ملازمین اپنے کاروبار زندگی میں مصروف اپنے دفاتر میں موجود تھے۔ یہاں ان کی عورتوں' بزرگوں اور بچوں نے پہلی مرتبہ اس علاقے میں فوج کو اس طرح نقل و حرکت کرتے بڑی حیرانی اور پریشانی کے ساتھ دیکھا تھا۔

بلیک کیٹس کمانڈوز برق رفتاری سے بھاگتے ہوئے مکان کو گھیرے میں لینے کیلئے آگے بڑھ رہے تھے جب اچانک ہی پہلے سے گھات میں لگے مجاہدین نے انہیں آلیا...........

ہراول کے چھ سات کمانڈوز دل میں ایک فائر کرنے کی حسرت لے کر ہی گر پڑے اور لڑھکنیاں کھاتے واپس آنے لگے۔ پلک جھپکتے میں ان کے زندہ بدن مردار ہو چکے تھے۔

میجر رائے نے یامین کی طرف ایسے دیکھا جیسے اس نے خود ان کے کمانڈوز کو مروانے کی منصوبہ بندی کر رکھی ہو۔

"ڈیم اٹ...... حرام زادے...... تم تو کہتے تھے وہاں سب اچھا ہے..........."

رائے نے اسے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"سر! سر..........."

یامین نے گھگھیاتے ہوئے قسمیں کھا کر اسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ دو تین گھنٹے پہلے تک سب اچھا تھا۔

لیکن............ میجر رائے نے غصے سے بے قابو ہو کر اس کے منہ پر اتنی زور سے طمانچہ رسید کیا کہ وہ الٹ کر دوسری طرف گر پڑا۔ زمین پر گرے یامین کو اس نے زور سے ٹھوکر ماری۔ یہی عمل اس سے چپکے دو کمانڈوز نے بھی دہرایا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے یامین کو نہتا کر دیا۔ اسے

کتاب گھر کی پیشکش
http://kitaabghar.com

گالیاں دیتے ہوئے مجاہدین کی فائرنگ سے محفوظ ایک راستے سے مکان کی طرف بڑھنے لگے۔

میجر رائے نے یامین کو اپنی ڈھال بنایا ہوا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ جہانگیر ملے یا نہ ملے وہ یامین کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

ہنگامی منصوبہ بندی کے تحت اس نے دس کمانڈوز کو اپنے ساتھ لیا باقی بلیک کیٹس کو مجاہدین کو الجھائے رکھنے کی ہدایت کی اور تیزی سے مکان کی طرف بڑھا۔

جب تک میجر رائے مکان کے دروازے پر پہنچتا نیچے مزاحمت قریباً ختم ہو چکی تھی۔ مجاہدین کے پاس اتنا ہی بارود تھا کہ وہ انہیں دس پندرہ منٹ تک الجھائے رکھتے۔ اب وہ ایک دوسرے کو Cover فائر دیتے ہوئے طے شدہ راستوں پر فرار ہو رہے تھے۔

انہوں نے فرار کیلئے کالونی کے اندر سے گزرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس طرح انہیں جگہ جگہ اپنے تعاقب میں آنے والوں کی فائرنگ سے محفوظ آڑ بھی میسر آسکی تھی۔ اور اس کالونی میں موجود ماؤں، بہنوں، بزرگوں اور بچوں کی مدد اور دعائیں بھی.............!!

اس بات کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ یہاں کا کوئی کشمیری مجاہدین کے مقابلے میں حملہ آور فوج کے ساتھ اظہار ہمدردی کرے۔

☆☆☆

مکان کے دروازے پر پہنچ کر میجر رائے نے یامین کی کمر پر لات مار کر اسے دروازہ کھولنے کا حکم دیا۔ جیسے ہی دروازہ کھلا وہ سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ اندر تو ہر شے کو آگ لگ گئی تھی............

ان وحشیوں کو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ یہاں کشمیر کی ایک ایسی ماں موجود تھی جو ان کیلئے موت کی ''کالی ماتا'' بن کر جانے کب سے ان کا انتظار کر رہی تھی اس مادر مہربان نے بزدلوں کی طرح بھارتیوں کے ہاتھوں مرنے کے بجائے انہیں اپنے ذرائع کی حد تک سبق سکھانے کا عزم کر رکھا تھا۔

وہ مکان کی چھت سے حالات کا جائزہ لے رہی تھی اور جب اس نے بلیک کیٹس کے ایک گروپ کو اپنے مکان کی طرف بڑھتے دیکھا تو مضبوط قدموں کے ساتھ نیچے آگئی۔ اس کے ہاتھوں اور بازوؤں میں اس لمحے جوانوں کی سی طاقت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے پیدا کر دی تھی۔

بلیک کیٹس کمانڈوز کیلئے موت کی ''کالی دیوی'' کا روپ دھارن کرنے والی وادی کشمیر کی اس مقدس ماں نے اپنے گھر میں مٹی کے تیل اور پٹرول کے تین سلنڈر گھر میں رکھ دیئے تھے اور جیسے ہی اس کا دشمن اس کی حدود میں داخل ہوا اس نے اپنے اللہ کو یاد کیا اور جلتی ہوئی دو تین تیلیاں اس پر پھینک کر مکان کی پشت والے دروازے سے نکل کر ان کے پیچھے آگئی اس نے زندگی میں کبھی پستول نہیں جلایا تھا۔

لیکن.............آج وہ شعلہ جوالا بنی ان پر فائر کر رہی تھی۔ اس کی چلائی دونوں گولیاں کمانڈوز کی آڑ میں سب سے پیچھے موجود میجر رائے کے سر اور کمر میں لگیں اور وہ جہنم رسید ہو گیا......

اسے اتنی ہی مہلت نصیب ہوئی تھی۔

فائر کی آواز پر ایک بلیک کیٹ اس کی طرف گھوما اور اس نے اپنی ''اوزی گن'' کی آٹھ دس گولیاں مادر کشمیر کے سینے میں اتار دیں۔ وہ شاید اس گروپ کا سنیئر کمانڈو تھا کیونکہ دوسرے ہی لمحے اس نے یامین کو زوردار ٹھوکر ماری اور دوسرے کمانڈوز نے اس پر گولیوں کی بارش کر دی۔

بھارتی حکومت کے نمک خوار سرفروش کے مقامی کمانڈر یامین ملک کا چہرہ انہوں نے ناقابل شناخت کر دیا تھا۔ انہوں نے اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں چھوڑا تھا جس پر گولیاں نہ داغی ہوں۔ شاید میجر رائے کی موت اور اپنے مشن کی ناکامی کا غصہ وہ یامین پر اتار رہے تھے۔

تین چار کمانڈوز بیک وقت میجر رائے کی طرف لپکے تھے جو آخری سانسیں لے رہا تھا۔ میجر رائے آخری لمحات میں کرنل گوپال کرشنا کو گالیاں دے رہا تھا جس نے اسے قربانی کا بکرا بنا کر یہاں بھیج دیا تھا۔ حالانکہ اس کی ڈیوٹی کے تقاضے کچھ اور تھے.......

Captured by Qamar Abbas

اس نے مرتے مرتے بھی آخری زوردار گالی کرنل گوپال کرشنا کو دی تھی............

بلیک کیٹس نے یہ گالیاں خود سنی تھیں۔لیکن ان میں سے کسی کو جرأت نہیں تھی کہ اس کا آخری پیغام کرنل صاحب تک پہنچا سکے۔

اس کی موت پر جو رپورٹ لکھی گئی اس میں یہی کہا گیا تھا کہ آنجہانی میجر بھوپت رائے نے مرتے سمے بھارت ماتا کی جے اور جے ہند کہا تھا اور اس کی شاندار خدمات پر اس کیلئے "پرم ویر چکر" کی سفارش کی گئی تھی۔

☆☆☆

کیپٹن سورتی نے جو کمانڈوز کے اس حملے کی کمان کر رہا تھا اپنے جوانوں کو مجاہدین کے تعاقب میں روانہ کر کے کرنل گوپال کرشنا کے برعکس نزدیکی بی ایس ایف کیمپ کو ایمرجنسی مدد کا سگنل دیدیا تھا۔

اس نے اپنے جوانوں کو حکم دیا تھا کہ مجاہدین کی لاشیں اگر مرنے والے بھارتیوں سے تین گنا زیادہ نہ ہوئیں تو ان سب کا سمری کورٹ مارشل ہو جائے گا۔یہ تعداد بہر حال پوری کرنی تھی خواہ بے گناہ کشمیریوں کو ہی کیوں نہ نشانہ بنانا پڑے۔

ولید اور جہانگیر بھاگتے ہوئے درختوں کے اس جھنڈ تک پہنچ گئے تھے جس سے ملحقہ نالہ عبور کرنے کے بعد وہ صفا کدل میں داخل ہو جاتے۔جب اچانک ہی انہوں نے درجنوں کی تعداد میں بی ایس ایف کے جوانوں کو پہاڑی سلسلے سے بھاگ کر اس طرف آتے دیکھا۔یہ وہ بھارتی فوجی تھے جو کیپٹن سورتی کا میسج ملنے پر اس طرف آ رہے تھے............

انہوں نے شاید اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھ لی تھیں جس کے بعد ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔دونوں جانتے تھے کہ اب اپنے راستے میں آنے والی ہر شے کو یہ بھارتی سورمے پاگل ہاتھیوں کے لشکر کی طرح روندتے چلے جائینگے۔

دونوں قدرے محفوظ تھے............لیکن' دونوں کو اپنے ساتھی مجاہدین کی فکر دامن گیر تھی۔پھر انہیں کالونی کی سمت سے نالے کی طرف اپنے پانچ چھ ساتھی بھاگ کر آتے دکھائی دیئے۔وہ منتشر بھیڑیوں کے بجائے بڑے منظم فوجیوں کی طرح ایک دوسرے کو کور فائر دیتے ہوئے پسپائی اختیار کر رہے تھے۔

اپنے پاس موجود گولیوں کا انہیں سوچ سمجھ کر استعمال کرنا تھا جبکہ بزدل دشمن ان کے تعاقب میں اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا۔

لیکن......ابھی تک اس نے مجاہدین کے قریب آنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

تھوڑی دیر پہلے ہونے والے تلخ تجربے اور میجر رائے کی موت نے بلیک کیٹس کمانڈوز کو بڑا محتاط کر دیا تھا اور وہ کیپٹن سورتی کے سخت آرڈر کے باوجود چیونٹی کی رفتار سے ایڈوانس کر رہے تھے۔

انہیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ مبادا مجاہدین نے یہاں بھی ان کیلئے کوئی "ٹریپ" نہ لگا رکھا ہو۔کمانڈوز کو مجاہدین کے دوسری طرف موجود بی ایس ایف کے جوانوں کا انتظار تھا اور انہوں نے بھی طے کیا تھا کہ بی ایس ایف کے جوانوں کا گھیرا دوسری طرف سے مکمل ہونے کے بعد ہی وہ کھل کر سامنے آئینگے۔تب تک انہوں نے مجاہدین کو اپنے ساتھ صرف "انگیج" رکھنا تھا۔

لیکن............وہ نہیں جانتے تھے کہ مجاہدین کو بھی اس حکمت عملی کا ادراک ہے اور وہ بھی بی ایس ایف کا گھیرا دوسری طرف مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نالے تک پہنچنا چاہتے تھے جہاں جہانگیر اور ولید پہنچ چکے تھے جس کے بعد وہ شہر کی طرف پسپائی اختیار کر کے غائب ہو سکتے تھے۔

ولید کے اشارے پر جہانگیر نے دایاں اور ولید نے خود بایاں پہلو سنبھال لیا تھا۔دونوں مجاہدین کو پسپائی میں مدد دینے کیلئے اب کور فائر کر رہے تھے۔یہی ان کی طے شدہ منصوبہ بندی تھی اور ولید خدا کا شکر ادا کر رہا تھا اب تک سب کچھ منصوبے کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں مجاہدین ان سے آن ملے......

ان کے تین ساتھی کم تھے اور جہانگیر نے ولید کے چہرے پر تشویش کے بڑے واضح آثار دیکھے تھے۔

''ندیم بھائی شہید ہوگئے.............''

ایک مجاہد نے ان کے قریب آنے پر کہا۔

''انا للہ انا الیہ راجعون............''

''باقی دونوں؟''

ولید کے دل کو دھچکا لگا تھا' لیکن اس نے اپنی ذمہ داری نہیں بھلائی تھی۔

''وہ دوسری طرف سے نکل گئے ہیں۔ ابھی انہوں نے گھیرا نہیں ڈالا تھا۔ انشاء اللہ محفوظ رہیں گے............''

اس مجاہد نے کہا۔

''ٹھیک ہے جلدی پیچھے نکلو اور جہانگیر بھائی کو وہیں پہنچانا ہے............''

اس نے اپنے ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کرتے ہوئے ہدایات جاری کیں۔

ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی کہ انہیں اپنے دائیں طرف سے ایل ایم جی کی فائرنگ سنائی دی۔ مشین گن کی گولیاں ان سے چندفٹ کے فاصلے پر گری تھیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ کمانڈوز کو بی ایس ایف کی مدد حاصل ہوگئی ہے۔ کیونکہ ان کے پاس بھاری اسلحہ نہیں تھا اور وہ اپنے معمول کی اوزی گنوں کے ساتھ آئے تھے۔ ان کے ٹرکوں پر نصب مشین گنیں اس طرف نہیں آسکتی تھیں۔ کیونکہ ٹرکوں کو یہاں نہیں لایا جاسکتا تھا۔

ولید کے اشارے پر مجاہدین خشک نالے کے اندر ہی اندر شہر کی طرف فرار ہو رہے تھے ولید کی کمان میں تین مجاہد پیچھے رہ گئے تھے۔ جو فائرنگ کر کے بظاہر دشمن کو ''مقابلے'' کا تاثر دے رہے تھے۔ حالانکہ ان کی چلائی ہوئی گولیاں دشمن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ کیونکہ بی ایس ایف والے ایک بکتر بند گاڑی بھی لے آئے تھے جو تیزی سے ان کی طرف بڑھ رہی تھی اور اس پر لگی مشین گن ان پر مسلسل آگ اگل رہی تھی۔ اگر وہ ابھی تک باہر ہوتے تو اس فائرنگ سے بچنا محال ہوتا۔

ولید کو علم تھا کہ جلد یا بدیر دشمن یہاں پہنچ جائیگا......ان کے پاس گولیاں بھی ختم ہو رہی تھیں۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو پسپائی کا حکم دیدیا اور وہ بھی نالے کے اندر ہی اندر تیزی سے جھک کر بھاگنے لگے۔

دوسری طرف دشمن نے مزاحمت ختم ہونے پر تیزی سے ان پر چڑھائی کر دی تھی۔ نالے سے ملحقہ بازار سے لگے مکانات کی کھڑکیوں سے کشمیری عوام مجاہدین اور فوج کی معرکہ آرائی دیکھ رہے تھے اور دل کی گہرائیوں سے ان کیلئے دعا گو تھے......

اب مجاہدین کی آخری امید مریم بہن تھی۔ جنہیں دم رخصت ولید نے آخری ہدایات دی تھیں۔

☆☆☆

اچانک ہی تائید غیبی آگئی............

کشمیری عوام نے دیکھ لیا تھا کہ کوئی لمحہ جاتا ہے جب بھارتی فوج مجاہدین کو آلے گی۔ وہ بے قرار ہو کر خالی ہاتھ نیچے بازار میں آگئے تھے اور زور وشور سے آزادی کے نعرے بلند کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی بازار کے ایک کونے سے دختران ملت اور بنات الاسلام کی درجنوں بہنیں نعرے لگاتی نمودار ہوئیں۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں مجاہدین کو اس جلوس میں چھپا کر فرار ہونے کا موقعہ فراہم کرنا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو ان کی استقامت اور پامردی ایسی بھائی کہ اپنے وعدے کے مطابق اس نے آسمان سے فرشتوں کی مدد بھی نازل فرمادی۔ ایسے مواقع پر عجیب مناظر دیکھنے کو ملتے تھے۔ بھارتی پریس حیران تھا کہ چندمنٹ میں کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کی تعداد میں کشمیری مرد و زن وہاں جمع ہو جایا کرتے تھے۔

آج بھی یہی ہوا............

چھاؤنی کے اندر اندر وہاں ہزاروں کی تعداد میں خواتین مرد اور بچے جمع ہو چکے تھے وہ بھارتی فوج کیخلاف زور زور سے نعرے بلند کر رہے تھے۔ ولید اور اس کے ساتھی اب جلوس کا حصہ بن چکے تھے۔ ان کا اسلحہ پہلے ان کے جسموں پر موجود "فیرن" میں غائب ہوا پھر ان سے مجاہدین خواتین کے برقعوں اور پھر چھاؤنی سے نکلنے کے بعد جلد ہی انہوں نے اسلحہ محفوظ مقامات پر منتقل کر دیا..........

جلوس میں موجود ایک ایک بچہ' بوڑھے' خواتین مجاہدین کی حفاظت کیلئے اپنی جان کا نذرانہ دینے کو بے تاب ہوئے جاتے تھے۔ انہوں نے مجاہدین کو اس طرح جلوس کے اندر ہی اندر محفوظ مقامات تک پہنچا دیا جیسے مرغی چیل سے بچانے کیلئے اپنے بچوں کو پروں کے نیچے چھپا لیا کرتی ہے۔

غصے سے بپھرے ہوئے بھارتی فوجیوں کیلئے ہزاروں کی تعداد میں موجود اس جلوس پر فائرنگ کرنا ناممکن تھا۔

اب پولیس بھی آ گئی تھی۔ فوج اور پولیس کے جوانوں نے انہیں ڈنڈوں اور رائفلوں کے بٹ سے وحشیانہ انداز میں پیٹنا شروع کر دیا۔ جلوس کے شرکا اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹے جب تک انہیں اس بات کا یقین نہ ہو گیا کہ مجاہدین محفوظ ہو چکے ہیں۔ جس کے بعد وہ اپنے پھٹے ہوئے سر' ٹوٹے ہوئے بازو اور پسلیوں کے ساتھ اپنے جسموں کے تمغے سجائے اپنے گھروں میں دبک گئے..........

☆☆☆

بنات الاسلام کی مجاہد بہنوں نے جہانگیر کو اس طرح اپنے نرغے میں لے رکھا تھا کہ پولیس والے اگر اسے پہچان بھی لیتے تو اس تک نہ پہنچ پاتے۔ وہ جلوس کے بیچوں بیچ تیزی سے چلتی سری نگر کے بازاروں سے گزرتیں بالآخر جہانگیر کو اس جگہ پہنچانے میں کامیاب ہو گئی تھیں جس کا انتخاب اس کیلئے پہلے سے کیا گیا تھا۔

اس "پناہ گاہ" پر ایک ڈاکٹر پہلے سے اس کا منتظر تھا..........

مسلسل بھاگ دوڑ اور ریڈ-20 میں ہونے والے مظالم نے اسے قدرے نڈھال کر دیا تھا۔ اس کے جسم کا رواں رواں درد کر رہا تھا۔ یہ اس کی قوت اور قوت ایمانی تھی جس نے ابھی تک اسے اپنے قدموں پر قائم رکھا تھا ورنہ اتنے زیادہ تشدد اور ایسے جان لیوا مراحل سے گزرنے کے بعد شاید ہی کوئی اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے لائق رہتا تھا۔

سری نگر کے اس محلے کی تنگ و تاریک گلیوں میں بنے اس مکان کے ایک کمرے کو ہیٹر کی مدد سے گرم رکھا گیا تھا۔ یہاں کے چپے چپے کی نگرانی جہانگیر کی مسلمان مجاہد بہنیں کر رہی تھیں۔ دختران ملت اور بنات الاسلام کی بہنوں نے اردگرد تین چار کلومیٹر کے علاقے کو اپنی عقابی نظروں سے جکڑ رکھا تھا اور یہاں ہونے والی کسی بھی غیر معمولی حرکت یا واقعہ کا نوٹس لے کر اور کسی بھی ہنگامی صورتحال میں جہانگیر کو یہاں سے نکالنے کیلئے متبادل بندوبست بھی موجود تھے..........!

انہوں نے جہانگیر کو بحفاظت یہاں سے سوپور پہنچانا تھا اور اپنے اس مجاہد کی حفاظت کے لئے وہ خود جان سے گزرنے کو ہر لمحہ تیار تھیں۔

ڈاکٹر نے جب اس کے جسم سے کپڑے اتار کر اس کے زخموں کا جائزہ لیا تو اسے اپنی میڈیکل تعلیمات جھوٹی پڑتی دکھائی دیں۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا تشدد برداشت کرنا کسی گوشت پوست کے انسان کے بس کی بات ہے!

لیکن......ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا تھا۔

ڈاکٹر کو بھی علم تھا کہ ان لوگوں کے جسم بظاہر گوشت پوست کے ہیں لیکن ان کے آہنی ارادوں کے سامنے آتش و آہن کے بھارتی قلعے بھی مسمار ہو جایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور دماغوں سے خوف اور مصلحتوں کو نکال کر وہاں ایمان و ایقان کی ایسی شمعیں روشن کر دی تھیں جن کے سامنے دنیا بھر کی تاریکیاں ماند پڑ جاتی تھیں۔

پہلے سے تیار گرم پانی اور ادویات سے اس نے تربیت یافتہ مریم بہن کی مدد سے اس کے زخموں کو صاف کیا ان پر دوائی کے پھاہے رکھے

اور کچھ گولیاں کھلا کر لٹا دیا۔ ان میں خواب آور دوا بھی شامل تھی کیونکہ جہانگیر بصورت دیگر کبھی اس کے مشورے پر عمل نہ کرتا۔

''آپ رات کو انہیں یہاں سے نکالنے کا مطلب زبردستی موت کے منہ میں دھکیلنا ہوگا۔ کم از کم 24 گھنٹے انہیں اپنی جگہ سے نہ ہلائیں اگر ایسا کیا گیا تو زخم بگڑ کر خدانخواستہ بہت نقصان دہ ثابت ہوں گے.............''

ڈاکٹر نے جہانگیر کے سوجانے پر مریم بہن کو سرگوشی کے انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

مریم بہن نے اثبات میں سرہلا کر اس کی تجویز سے صاد کیا اور ڈاکٹر اسے اگلے 24 گھنٹے کیلئے ادویات سمجھا کر اور ایمرجنسی کی صورت میں اسے طلب کرنے کا طریقہ کار بتا کر رخصت ہوا۔

مریم بہن نے اب نرسنگ کے فرائض سنبھال لئے تھے............!

انہوں نے جہانگیر کو دو دن تک زبردستی روکے رکھا۔ اس کی تیمارداری میں دن رات جتی رہیں۔ اس درمیان بھارتی انٹیلی جنس نے سری نگر کے چپے چپے کو چھان مارا۔ گھر گھر تلاشی لی گئی۔

لیکن............

جس گھر سے بھی وہ جہانگیر کی تصویر دکھا کر اس کی شناخت طلب کرتے وہاں سے انہیں ایک ہی جواب ملتا۔

''ہاں......ہم نے اسے دیکھا ہے؟''

''کہاں ہے یہ؟''

جب سکیورٹی ایجنسیوں کے لوگ پوچھتے تو ہر کشمیری مرد وزن اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ایک ہی جواب دیتا۔

''یہاں ہے؟............''

بھارتی ایجنسیوں کے اہلکار غصے سے تلملا کر ان پر ٹوٹ پڑتے لیکن صبر و استقامت کے پیکر مقبوضہ کشمیر کے عوام ماتھے پر شکن تک نہ لاتے۔

سری نگر کے گلی بازاروں میں ایک ہی نغمہ گونج رہا تھا۔

پاکستانک غازی آئیو (پاکستان کے غازی آ گئے)۔

مزید دو روز مجبور و بے بس لیکن صبر و رضا کے پیکر کشمیریوں پر پہاڑ توڑنے کے بعد ''را'' کو یقین ہو گیا کہ جہانگیر سری نگر میں موجود نہیں۔

اس درمیان مجاہدین کے انٹیلی جنس ونگ نے بھی ''را'' کے کانوں تک مختلف حوالوں سے یہ ''ڈس انفارمیشن'' پہنچا دی تھی کہ جہانگیر سوپور سے بانڈی پورہ پہنچ چکا ہے۔

اب انہوں نے اپنی توپوں کے منہ اس طرف پھیر دیئے تھے۔

سوپور اور بانڈی پورہ سے سرحد کی طرف جانے والے ہر ممکنہ راستے پر آہنی قلعہ بندیاں قائم ہو گئی تھی۔

کرنل گوپال کرشنا جسے میجر رائے کی موت اور جہانگیر کے ہاتھ سے نکل جانے کے صدمے نے باؤلا کر دیا تھا پاگلوں جیسی حرکتوں پر اتر آیا تھا۔ اس نے سری نگر، بانڈی پورہ، سوپور، اسلام آباد اور گردونواح کے علاقوں میں موجود سکیورٹی فورسز اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے جوانوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا۔ اس کیلئے دن اور رات کی تمیز ختم ہو گئی تھی۔ وہ کسی بھی لمحے کسی بھی یونٹ کے جوانوں کو اچانک نزدیکی علاقے پر ''کریک ڈاؤن'' کا حکم دیتا اور وہ غصے سے متعلقہ بستی پر ٹوٹ پڑتے............

کریک ڈاؤن پر بستی کے مکینوں کو گھروں سے باہر نکلنے کا حکم دے کر ان کی تلاشی کے بہانے انہیں بے آبرو کیا جاتا۔

ان پر وحشیانہ تشدد کیا جاتا۔

ان کے جگر گوشوں کو، ان کے خاوندوں، باپ بھائیوں اور ان کے پیاروں کو ''مشتبہ'' قرار دے کر سکیورٹی ایجنسیوں کے لوگ اپنے عقوبت

Captured by Qamar Abbas

خانوں میں لے جاتے جہاں ان پر سارا غصہ اتارنے کے بعد' وحشیانہ تشدد کرنے کے بعد انہیں زندہ در گور کر کے واپس بھیج دیتے۔

وہ ان سب سے ایک ہی سوال کرتے تھے۔

جہانگیر کہاں ہے؟

اور اس سوال کا ان کے پاس ایک ہی جواب تھا۔

وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھتے اور کہتے" یہاں............"

☆☆☆

دوپہر کے بعد جہانگیر کو تیز بخار نے آلیا......دو تین روز اسے بخار اور زخموں کی اذیت نے چین نہیں لینے دیا۔اس دوران مجاہد بہنوں نے دن رات ایک کر دیا۔سری نگر کی تمام مجاہد تنظیموں کے بھائی اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اس کی حفاظت کیلئے اردگرد کے محلوں میں مورچہ زن ہو گئے تھے۔وہ اپنی محفوظ پناہ گاہیں چھوڑ کر اپنے مجاہد بھائی کی حفاظت کیلئے آ گئے تھے۔پانچویں روز بالآخر اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو کمانڈر مختار سے مشاورت کے بعد جہانگیر کو سوپور پہنچا دیا گیا۔

اسے سوپور تک لے جانے والے قافلے کی رہنمائی زینب کر رہی تھی۔جو تیسرے روز دشمن کی تمام قلعہ بندیوں کو اپنے قدموں تلے روندتی جہانگیر تک پہنچ گئی تھی۔

سری نگر سے سوپور تک سفر اس پر کئی منکشف راز وا کر گیا..........گھوڑے بدل بدل کر' راستے بدل بدل کر اپنے رہبروں کی معیت میں سفر کرتے جہانگیر نے دیکھ لیا تھا کہ مقبوضہ کشمیر کی صبحوں اور شاموں کے قرینے بدل گئے تھے......برفیلے پہاڑوں سے پھسلتے سنہرے تختوں پر شہدا کے خون کی سرخیاں پھولوں کی صورت جگمگا رہی تھیں۔کشمیر کی جھیلوں کے کنارے صدیوں سے آباد چیل اور چناروں کے درختوں پر اب پرندوں نے آزادی کے گیت گنگنانے شروع کر دیئے تھے۔

برفیلے پہاڑوں کی دھند میں لپٹی چوٹیوں کے دامن سے ایک صبح امید نے جنم لیا تھا۔

اس صبح کے دامن سے اترتی ٹھٹھرا دینے والی ہواؤں کے ماتمی نوحے اب شہدا کی عظمتوں کے ترانوں کی صورت اختیار کرنے لگے تھے۔

سری نگر کی ماؤں نے اب اپنے جگر گوشوں کو اذن شہادت عطا کر دیا تھا..........!!

ام کدل اور صفا کدل کی سیدزادیاں اب سروں پر خاک ڈال کر صرف شام غریباں کے نوحے نہیں الاپتی تھیں اب وہ سینوں پر بھارتی فوج کے ان سنگینوں کو روکنے لگی تھیں جو ان کے مجاہد بھائیوں کی طرف لپکا کرتی تھیں۔

جنازے تو پہلے بھی یہاں اٹھا کرتے تھے۔

لیکن..........اب دستور ستم میں عجب بایزاد ہو گئے تھے۔

اب وادی کے کسی گھر سے جنازہ اٹھتا تو آسمانوں سے فرشتے قطار اندر قطار اس کو کندھے دینے آ جاتے۔

ماتم اب بھی ہوتا تھا۔لیکن' بھارتی جارحیت اور درندگی کا۔

اپنے جگر کے ٹکڑوں کے سربریدہ لاشوں پر بین ڈالتی ماؤں اور بہنوں کو اب یہ احساس ضرور ہونے لگا تھا کہ ان کے لال راہ شہادت کے مسافر ضرور بنے ہیں۔لیکن' وہ اکیلی نہیں ہیں۔ہزاروں کندھے اور لاکھوں ہاتھ ان کو سہارا اور دعائیں دینے کو موجود ہیں۔پچاس سال سے ہوتے مظالم کیخلاف اٹھنے والی صدائے احتجاج اب انقلاب میں ڈھل گئی تھی۔

اب سری نگر کی بیٹیاں اور بیٹے جھیل ڈل کے پانیوں میں بہتے بجروں میں داد عیش دینے کے بجائے ہاتھوں میں احتجاج کے علم اور کلاشنکوفیں اٹھائے میدان کارزار میں اتر آئے تھے۔

کشمیر کی سیاہ طویل رات کے بطن سے اب جو صبح امید جنم لے رہی تھی اس کے تیور بتا رہے تھے کہ یہ جدوجہد آزادی سے ضرور ہمکنار ہوگی۔

زینب اس کی مسیحائی کرتی یہاں تک آئی تھی............

اس نے ایک لمحہ بھی اپنے مجاہد ہیرو کی خدمت سے غفلت اختیار نہیں کی تھی۔ میدان کارزار کی تربیت یافتہ "نرس" ہونے کے سبب ہی اسے یہاں بھیجا گیا تھا کیونکہ راستے میں متعدد مرتبہ جہانگیر کو انجکشن لگانے اور مرہم پٹی تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی تھی اور اس نے ماہر سرجنوں کی طرح اپنا کام کیا تھا۔

سوپور کے ایک مضافاتی "ہائیڈ آوٹ" پر اسے پہاڑ کی بلندی پر پہنچانے کیلئے سٹریچر کا سہارا لیا گیا۔ اس کے زخم مسلسل بھاگ دوڑ اور بروقت طبی امداد نہ ملنے سے بگڑ رہے تھے۔ اس کی تلاش کیلئے "را" نے وادی اور کشمیر کا چپہ چپہ چھاننا شروع کر دیا تھا۔

کرنل گوپال کرشنا غصے اور ہزیمت کے احساس سے باؤلا ہوا اس کے گرد گھیرا تنگ کر رہا تھا جس کی مجلس شوریٰ نے اس کی جسمانی حالت کے پیش نظر بھی اسے فی الوقت بیس کیمپ واپس بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اور جہانگیر کیلئے اس فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ نہیں تھا۔

لیکن............وہ اکیلا واپس نہیں جا رہا تھا۔

زینب اس کے ساتھ تھی۔ اس کی بیوی بن کر۔

مجاہدین نے ایک انتہائی سادہ اور پروقار تقریب میں انہیں شادی کے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ یہ فیصلہ کمانڈر مختار نے خود کیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب دنیاوی طور پر وہ اکیلا ہی اپنی بہن کا وارث رہ گیا ہے اور اس کی اپنی زندگی کا کیا بھروسہ............

اس نے اپنی بہن کا ہاتھ جہانگیر کو تھماتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بعد وہ اپنی بہن کو واحد سہارا جان کر اس کے حوالے کر رہا ہے......لیکن اگر کبھی اس کی بہن جہانگیر اور جہاد کے درمیان رکاوٹ بنی تو شاید وہ زندگی بھر خود کو معاف نہیں کر سکے گا۔

جہانگیر جانتا تھا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا!

اسے علم تھا کہ زینب خود مجاہدہ ہے۔ میدان کارزار میں اس کے کارنامے کسی سے کم نہیں اور وہ کبھی میدان عمل سے الگ نہ ہوتی اگر اس کے بھائی نے حکماً ایسا نہ کیا ہوتا۔

ایک دن وہ بھی آ گیا جب انہیں ایک گائیڈ کے ساتھ بیس کیمپ کی طرف روانہ کر دیا گیا۔

ایک مرتبہ پھر جہانگیر انہی برف زاروں کو پاٹ رہا تھا جن پر چل کر وہ کشمیر میں داخل ہوا تھا۔ فرق صرف ایک تھا کہ وہ اس راہ شوق کا اکیلا مسافر تھا جو زندہ بچ کر آیا تھا۔ اس کے باقی تمام راہرو ایک ایک کر کے مرتبہ شہادت پر فائز ہو چکے تھے۔

ناانصاف لوگوں کی بنائی سرحدی لکیر تک پہنچتے ہوئے متعدد مرتبہ رات کی برفیلی تاریکیوں میں اس کی آنکھوں نے بچھڑ جانے والوں کی یاد میں خون رویا تھا۔ ان لمحات میں جب وہ برف میں اٹے کسی درخت سے پشت لگا کر بیٹھتا اور ان کا گائیڈ آنکھوں سے دوربین لگائے صورتحال کا جائزہ لے رہا ہوتا تو اس کے دل و دماغ میں چلتی شدید آندھیاں اسے موسم کی عذاب ناکیوں سے بے نیاز کر کے اپنے شہیدوں کے حضور پہنچا دیتیں اور وہ ان کی رفاقتوں کو اپنے آنسوؤں کی نذر عقیدت کرنے لگتا۔

لیکن ان لمحات میں جب نامحسوس انداز میں اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گالوں پر بہنے لگتے تو زینب آہستگی سے اس کی پشت پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ہونے کا احساس دلا دیتی۔

دس بارہ روز کے جان لیوا اور تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر وہ زینب کی ہمراہی میں بوجھل دل اور قدموں کے ساتھ بیس کیمپ پہنچ گیا۔

ختم شد